خلیفۂ راشد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام

تالیف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن عبد اللہ غبان الصبحی حفظہ اللہ
استاذ مشارک شعبۂ تاریخ کلیۃ الدعوۃ واصول الدین
جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ

اختصار

مرکز البحوث والدراسات بمبرۃ الآل والأصحاب، کویت

ترجمہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
(داعی وباحث صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

خلیفۂ راشد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام

تالیف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن عبد اللہ غبان الصبحی حفظہ اللہ

(استاذ مشارک شعبۂ تاریخ کلیۃ الدعوۃ وأصول الدین، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ)

اختصار

مرکز البحوث والدراسات بمبرۃ الآل والأصحاب، کویت

ترجمہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

(داعی و باحث صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی)

تقدیم

فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ

(شارجہ، متحدہ عرب امارات)

صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

نام کتاب : خلیفۂ راشد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام
تالیف : فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن عبد اللہ الغبان الصبحی حفظہ اللہ
(استاذ کلیۃ الدعوۃ وأصول الدین، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ)
ترجمہ : ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
تقدیم : فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ (شارجہ متحدہ عرب امارات)
سنہ اشاعت : رمضان 1444ھ مطابق اپریل 2023ء
تعداد : دو ہزار
ایڈیشن : اول
صفحات : 284
قیمت :
ناشر : شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

ملنے کے پتے:

✧ دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی: 14-15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل کرلا بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-400070۔ ٹیلیفون: 9892255244
✧ جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: 226526 / 225071
✧ مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع: رتنا گری-415709، فون: 02356-264455

فہرست مضامین

عرض ناشر

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على النبي الأمي خاتم النبيين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

صحابۂ کرام کی عظمت و عدالت پر عقیدہ وایمان اور ان کی ناموس وحرمت کا دفاع ہر سچے مسلمان کتاب وسنت کے پیروکار کا دینی وایمانی فریضہ اور امتیاز ہے۔اسی لئے وہ ہمیشہ روافض، اہل بدعت اور منحرفین کی تلبیسات وشبہات،نصوص واجماع کے سامنے ان کی تعقل پسندی اور فاسد تاویلات کا رد کرکے ان کی نقاب کشائی کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب ان کی غیرت ایمانی کا تقاضہ ہوتا ہے۔امت کے رہنما علماءِ حق کی طرف سے یہ سلسلہ کتاب وسنت کے دلائل اور اجماع وقیاس صحیح کی بنیادوں پر سلف سے ابتک بلا روک ٹوک کسی نفع ونقصان کی پرواہ کئے بغیر اصولوں کے ساتھ چلا آرہا ہے،سنت الٰہی کے مطابق آئندہ بھی چلتا رہے گا۔

صحابۂ کرام کی عدالت وعزت اور منقبت کے دفاع کی مستقل تاریخ ہے جو تسلسل کے ساتھ ہے جس کی ایک سرسری جھلک شیخ ظفر الحسن صاحب مدنی حفظہ اللہ ومتعنا اللہ بطول حیاتہ وصحتہ کے اس کتاب پر گراں قدر مقدمہ میں دیکھی جاسکتی ہے، فجزاہ اللہ خیراً۔

یہ اہم اور مستند کتاب **"الأيام الأخيرة من حياة الخليفة الراشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ"** اسی دفاعِ صحابہ کے سلسلہ کی ایک مبارک کڑی ہے جو خلیفۂ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف پھیلائے گئے جھوٹے افسانوں اور من گھڑت تاریخی کہانیوں کے رد میں لکھی گئی ہے بالخصوص ان کے دورِ خلافت کے آخری ایام سے متعلق؛ جو اسلامی تاریخ میں تاریخ ابتلاء ومحن ہے اور بلوائیوں کے

پروپیگنڈہ،ظلم وخارجیت اورسبائیت کی خطرناک تصویر ہے۔

خلیفۂ راشد رضی اللہ عنہ کا سبائی و بلوائی فتنہ کے سامنے عزیمت واستقامت کا مظاہرہ درحقیقت شہادت کی طلب اورزبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات پریقین کامل کا نتیجہ ہے،ساتھ ہی اس موقف میں امت کے ہرخاص وعام کے لئے سامان عبرت ونصیحت ہے۔یقیناً اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کسے منصب قدوہ وامامت عطا فرمائے اورکس کی سنت کو امت کے لئے ضروری ٹھہرادے۔

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ ۝١٤﴾ [الملک:۱۴]۔

یہ کتاب **"خلیفۂ راشد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام"** مذکورہ بالاعربی تالیف کا ایک مستندترجمہ ہے۔اس کتاب کو جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے کلیۃ الدعوۃ کے ایک اہم استاذ دکتورمحمد بن عبداللہ غبان صبحی حفظہ اللہ نے تیارکیاہے، جواہم،اصولی،مدلل اورصحیح معلومات کا مجموعہ ہے۔اردوداں طبقہ اس کتاب سے استفادہ کرسکے اسی مقصد سے اس کا سلیس ترجمہ جماعت کے فاضل مترجم ومولف شیخ عنایت اللہ مدنی حفظہ اللہ نے کیاہے، فجزاہ اللہ خیراًوبارک فیہ۔جسے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے شعبۂ نشرواشاعت سے شائع کیاجارہاہے۔

اللہ تعالیٰ مولف ومترجم اورجملہ معاونین کی کوششوں کو قبول فرمائے اوراس کتاب سے عوام وخواص کوزیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق دے،آمین۔

وصلی اللہ علی نبینامحمدوبارک وسلم۔

خادم جماعت وجمعیت

عبدالسلام سلفی

(ممبئی)

(۲۰/رمضان ۱۴۴۴ھ

۱۲/اپریل ۲۰۲۳ء)

مقدمہ

(از: فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ - شارجہ متحدہ عرب امارات)

إن الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ﴾ [آل عمران: ۱۰۲] ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءًۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبًا﴾ [النساء: ۱] ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوۡلًا سَدِيدًا ۝٧٠ يُصۡلِحۡ لَكُمۡ أَعۡمَٰلَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيمًا ۝٧١﴾ [الأحزاب: ۷۰-۷۱]، أما بعد:

اللہ تعالیٰ جب بھی لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے کوئی رسول و پیغمبر دنیا میں مبعوث فرماتے ہیں تو پیغام نبوت و رسالت پہنچانے اور میدان دعوت و تبلیغ میں اچھے مخلص ساتھی اور معاون کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ:

﴿قَالَ لَوۡ أَنَّ لِي بِكُمۡ قُوَّةً أَوۡ ءَاوِيٓ إِلَىٰ رُكۡنٖ شَدِيدٖ ۝٨٠﴾ [ھود: ۸۰]۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ:

﴿وَٱجۡعَل لِّي وَزِيرٗا مِّنۡ أَهۡلِي ۝٢٩ هَٰرُونَ أَخِي ۝٣٠ ٱشۡدُدۡ بِهِۦٓ أَزۡرِي ۝٣١ وَأَشۡرِكۡهُ

فِيٓ أَمۡرِي ﴿٣٢﴾ كَيۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيرٗا ﴿٣٣﴾ وَنَذۡكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾﴾ [طٰہٰ: ۲۹-۳۴]۔

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ:

﴿مَنۡ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِۖ﴾ [آل عمران: ۵۲]۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو مومنوں کو قرآن میں حکم دیا کہ:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُوٓاْ أَنصَارَ ٱللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيِّـۧنَ مَنۡ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِۖ﴾ [الصف: ۱۴]۔

مگر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب وانصار کا معاملہ بہ نسبت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اصحاب کے جداگانہ تھا، کیونکہ جس طرح سابقہ آسمانی کتب تورات وانجیل وغیرہ میں انبیاء علیہم السلام کی زبانی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئیاں اور صفات بیان کی گئی تھیں، اسی طرح آسمانی کتب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب وانصار کے متعلق بھی پیشین گوئیاں اور ان کی صفات وعلامات کو بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مُّحَمَّدٞ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ تَرَىٰهُمۡ رُكَّعٗا سُجَّدٗا يَبۡتَغُونَ فَضۡلٗا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضۡوَٰنٗاۖ سِيمَاهُمۡ فِي وُجُوهِهِم مِّنۡ أَثَرِ ٱلسُّجُودِۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمۡ فِي ٱلتَّوۡرَىٰةِۚ وَمَثَلُهُمۡ فِي ٱلۡإِنجِيلِ كَزَرۡعٍ أَخۡرَجَ شَطۡـَٔهُۥ فَـَٔازَرَهُۥ فَٱسۡتَغۡلَظَ فَٱسۡتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِۦ يُعۡجِبُ ٱلزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ ٱلۡكُفَّارَۗ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ مِنۡهُم مَّغۡفِرَةٗ وَأَجۡرًا عَظِيمَۢا ﴿٢٩﴾﴾ [الفتح: ۲۹]۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور جو ان کے ساتھی (صحابہ) ہیں وہ کافروں پر تو سخت ہیں، مگر آپس میں بڑے رحم دل ہیں، آپ ان کو رکوع اور سجود کرتے ہوئے دیکھیں گے،

ہر وقت ان کو اللہ تعالی کے فضل وکرم اور اس کی رضا وخوشنودی کی جستجو کرتے ہوئے پائیں گے اور ان کی ایک بڑی علامت ان کے چہروں (پیشانی) پر سجدوں کے نشان ہوں گے، ان کی یہ مثال تو تورات میں لکھی ہوئی موجود ہے، اور ان کی مثال انجیل میں اس طرح ہے کہ: ان کی مثال اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنا پودا بالکل کمزور باریک سا سوئی کے مانند نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر وہ اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا، اور کسان کو خوب خوش کرنے لگا، تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالی نے بخشش اور بہت بڑے اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت وثقاہت اور امانت وصداقت کی ایسی دس صفات اور خوبیاں بیان کی ہیں جن کا تذکرہ تورات اور انجیل میں پہلے ہی سے بطور پیشین گوئی موجود ہے، اور ان میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کردی تھی، جس سے صحابہ کرام کی عظمت وعزت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت وثقاہت اور امانت ودیانت کی دس خوبیاں:

صحابہ کرام کی جن دس خوبیوں کا ذکر اس آیت میں اللہ تعالی نے کیا ہے وہ یہ ہیں:

① **أشداء على الكفار:** وہ کافروں سے کسی حالت میں دب کر نہیں رہتے، اصول دین کے معاملے میں نہ وہ ان سے سمجھوتہ کرسکتے ہیں، نہ بک سکتے ہیں، نہ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں، نہ ان کی دھمکیوں اور سازشوں سے مرعوب ہوتے ہیں۔

② **رحماء بينهم:** وہ آپس میں رحم دل ہوتے ہیں اور نرم گوشہ رکھتے ہیں، ان کی آپس میں ہمدردی وغمگساری، تواضع اور خاطر ومدارات سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کہ وہ آپس میں حقیقی بھائی ہیں، بھلا جن لوگوں کو اللہ تعالی نے خود اپنی مہربانی سے بھائی بھائی بنا دیا ہو ان کی اخوت

اور ایثار و مروت میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

③ **تراهم ركعاً سجداً:** اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ خوب کثرت سے اعمال صالحہ کرنے والے ہوں گے، اور وہ نماز کی پابندی کرنے والے ہوں گے، جو کہ سب سے بڑا عمل ہے اور سارے اعمال کی بنیاد اور اساس ہے۔

④ **يبتغون فضلاً من الله ورضواناً:** اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اخلاص کامل اور اللہ تعالی کی رضا جوئی کی تعریف کی گئی ہے، ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب: ''الْإِخْلَاصِ فِي الْعَمَلِ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالِاحْتِسَابِ عِنْدَ اللَّهِ جَزِيلَ الثَّوَابِ'' ہے۔ [تفسیر ابن کثیر: ۷/۳۶۱]۔

⑤ **سيماهم في وجوههم من أثر السجود:** عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ: اس سے مراد ''السمت الحسن'' ہے، یعنی اس میں اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ظاہری وضع قطع اور اچھے چال وچلن کی خبر دی ہے، جسے نبوت و رسالت کا بڑا حصہ قرار دیا گیا ہے، جیسے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''الْهَدْيُ الصَّالِحُ وَالسَّمْتُ الصَّالِحُ، وَالِاقْتِصَادُ، جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ'' ۔(الأدب المفرد ص: ۲۷۴، وابوداؤد: ۴۷۷۶)

اچھی وضع قطع، اچھا چال چلن اور میانہ روی نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

امام مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ: ''**سيماهم في وجوههم من أثر السجود**'' میں ان کے خشوع وخضوع اور صحابہ کرام کی تواضع وانکساری کی صفت بیان کی گئی ہے۔

⑥ **كزرع أخرج شطئه:** پودا جو نکلتا ہے تو سوئی کے مانند بالکل باریک اور

کمزور ہوتا ہے۔

⑦ فآزره: پھر وہ مضبوط ہوا۔ (کھیت کی مٹی اور آب وہوا نے اس کو قوی بنا دیا)

⑧ فاستغلظ: پھر وہ خوب موٹا ہو گیا۔

⑨ فاستوى على سوقه: اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

⑩ يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار: جس کو دیکھ کر کھیتی والا خوب خوش ہوتا ہے، اور کفار و مشرکین خوب چڑتے اور غصہ ہوتے ہیں۔

علامہ عبدالرحمن السعدی رحمہ اللہ تفسیر السعدی میں لکھتے ہیں کہ:

"كذلك الصحابة رضي الله عنهم، هم كالزرع فى نفعهم للخلق واحتياج الناس إليهم، فقوة إيمانهم وأعمالهم بمنزلة قوة عروق الزرع وسوقه، وكون الصغير والمتأخر إسلامه قد لحق الكبير السابق، ووازره، وعاونه على ما هو عليه، من إقامة دين الله والدعوة إليه، كالزرع الذى أخرج شطئه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه، يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار"۔ (تیسیر الکریم الرحمن، ص: ۷۹۶)

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھیتی کے مانند ہیں جس طرح کھیتی لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، اور لوگ کھیتی کے محتاج ہوتے ہیں، اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اور جس طرح لوگ کھیتی کی پیداوار اناج اور پھل فروٹ کے محتاج ہوتے اسے طرح لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے محتاج ہوتے ہیں۔

فاعتبروا یا أولی الأبصار:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید اور ان کی عدالت وثقاہت کو مجروح کرنے کی کوشش کرنے والوں کو اپنے ایمان وعقیدہ کی فکر کرنی چاہئے کہ وہ کن کو اپنی تنقید وتذلیل کا نشانہ بنا رہے ہیں، جس گروہ مقدس اور جماعت حقہ کی تکفیر وتفسیق کر رہے ہیں یا جو لوگ ان کو تنقید

کا نشانہ بنا کر اپنی خود ساختہ اسلامی سیاسی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ ایسے گروہ کو بدنام کرنا چاہتے ہیں جس گروہ اور جماعت کی عدالت وثقاہت اور امانت وصداقت، اخلاص وللہیت کی شہادت کا ان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی آسمانی کتب تورات وانجیل نے اعلان کر دیا تھا اور موسی وعیسی علیہما السلام کی زبانی بنی اسرائیل کو باخبر کر دیا تھا، اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل کیا تو اس میں بھی اس پیشن گوئی کو سورۃ الفتح کی آخری آیت ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ﴾ میں بیان کیا، جس مقدس گروہ کے اوصاف حمیدہ، ان کی عدالت وثقاہت اور امانت وصداقت کی شہادت تین آسمانی کتابوں میں اللہ تعالی نے دی ہے، بڑے اور اولوا العزم من الرسل نے اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ اور باخبر کیا ہو، ایسے گروہ اور جماعت پر تنقید کرنا اور من گھڑت روایات اور قصص وواقعات کو حجت بنا کر ان پر تنقید کرنا اور ان کی عظمت وعزت کو مجروح ومخدوش کرنا کتنا بڑا جرم ہے، اور اس سے بڑی ایمان وعقیدہ کی بربادی کیا ہو سکتی ہے کہ جس سے اللہ تعالی کی کتابوں تورات، انجیل اور قرآن کی تکذیب لازم ہوتی ہو اور انبیاء علیہم السلام کی تکفیر۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت وثقاہت اور اللہ کے نزدیک محبوب ومقبول ہونے کا تذکرہ اللہ تعالی نے اس آیت میں بھی کیا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصۡوَٰتَهُمۡ عِندَ رَسُولِ ٱللَّهِ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱمۡتَحَنَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُمۡ لِلتَّقۡوَىٰۚ لَهُم مَّغۡفِرَةٞ وَأَجۡرٌ عَظِيمٌ ٣﴾ [الحجرات: ۳]۔

جو لوگ رسول اللہ کے پاس مجلس میں اپنی آواز پست رکھتے ہیں، تو یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالی نے تقوی کے لئے منتخب کر لیا ہے۔

امام عبد اللہ ابن المبارک رحمہ اللہ کہتے تھے کہ:

”أصل اثنين وسبعين هوى أربعة أهواء، فمن هذه الأربعة أهواء تشعب اثنان وسبعون هوى، وهذه الأربعة هي: القدرية والمرجئة والشيعة والخوارج“(شرح السنۃ ص:۴۳۸)

اس امت میں بہتر (۷۲) گمراہ فرقے جو پیدا ہوں گے ان کی اصل اور بنیاد چار فرقے ہیں: القدریہ، المرجئہ، شیعہ اور خوارج، باقی سارے فرقے انہی سے نکلتے ہیں۔

امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر لعن وطعن اور سب وشتم اہل بدعات نے شروع کیا ہے، امام الحسن البصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نقد وجرح اور ان پر طعن وتشنیع کرنے والے بھی در حقیقت اہل بدعات ومحدثات اور باطل فرقے تھے:

۱۔ شیعہ اور روافض۔

۲۔ الخوارج۔

۳۔ النواصب۔

۴۔ المعتزلہ۔

یہی چاروں فرقے دراصل بنیادی ہیں، باقی سارے فرقے انہی میں سے نکلتے ہیں، جیسے کہ عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا قول اوپر گزر چکا ہے۔ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر بھی تنقید کرنے میں یہی پیش پیش رہے اور امت اسلامیہ میں جتنے دینی فتنے اور فرقے بنے ہیں تقریبا سب انہیں کی پیداوار ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تنقید کا نشانہ بنانا درحقیقت اللہ تعالی پر تنقید ہے:

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

”قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَإِقَامَةِ دِينِهِ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ فِي آثَارِهِمْ، وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَدِينِهِمْ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا

عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ"۔(ابن عبد البر فی الجامع:۲/۱۳۴)

اللہ تعالی نے صحابہ کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے اختیار کیا ہے، اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت اور مقام ومرتبہ کو پہچانو، ان کے اقوال وافعال کی اتباع کرو، اوران کے طور طریقے اختیار کرو کیونکہ وہ صراط مستقیم پر تھے۔

عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

"قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَنَقْلِ دِينِهِ"۔(ابونعیم فی الحلیۃ ۱/۳۰۶۳۰۵)

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ اعلی درجہ کے لوگ ہیں، جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے منتخب کرلیا ہے۔

امام الحسن البصری رحمہ اللہ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے،صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا:

"قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ ﷺ، فَتَشَبَّهُوا بِأَخْلَاقِهِمْ، فَإِنَّهُمْ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ عَلَى الْهَدْيِ الْمُسْتَقِيمِ"۔(الجامع لابن عبد البر:۱/۱۴۲۵و۲/۱۳۳)

ان تمام روایات اور آثار واقوال پر غور کریں کہ کس طرح صراحت ووضاحت کے ساتھ لوگوں کو بتادیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نصرت ومدد، اسی طرح دین کی نشر واشاعت کے لئے اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منتخب کیا ہے، اب اس شخص سے بڑا ظالم اور مجرم کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالی کی منتخب کردہ جماعت اور گروہ کو نااہل قرار دے اور اپنی تنقید وتذلیل کا نشانہ بنائے۔

کیا صحابہ رضی اللہ عنہم تنقید سے بالاتر ہیں؟

اہل سنت اور سلف امت کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معصوم عن

الخطا تو نہیں ہیں مگر ان پر تنقید کرنا اور ان کی کسی لغزش اور بشری تقاضے کے سبب سرزد ہونے والی بات کو اپنے باطل افکار و نظریات اور سیاسی مفاد کے لئے تنقید کا نشانہ بنانا شرعاً جرم ہے اور یہ کئی مفاسد کا سبب ہے:

۱۔ اللہ تعالی کی نافرمانی ہوتی ہے:

کیونکہ اللہ تعالی نے ہم کو ان کے حق میں دعاء مغفرت کا حکم دیا ہے، مگر اہل بدعات و محدثات اور منحرفین دعاء مغفرت کے بجائے لعن طعن کرتے ہیں اور ان کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُو مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٠﴾﴾ [الحشر:١٠]۔

اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی ہوتی ہے:

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صحابہ کرام کی تکریم و تعظیم کرنے کی تاکید کی ہے۔ ان پر تنقید اور ان کی کسی خطا کو اپنی زبان و قلم سے عام کرنا اور پھیلانا تکریم و تعظیم کے خلاف اور بڑی توہین و تذلیل ہے، جس کی کتاب و سنت میں سخت ممانعت ہے اور شرعا جرم عظیم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”أَكْرِمُوا أَصْحَابِي، فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ...

الحدیث ''۔(النسائی فی عشرۃ النساء من الکبری، وأحمد، والحاکم وغیرہم عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل؛ وصححہ الالبانی (ہدایۃ الرواۃ:۵/ ۳۸۹)۔

میرے صحابہ کی تکریم وتعظیم کرو، کیونکہ وہ تم لوگوں میں سب سے اچھے ہیں...

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف زبان وقلم کا استعمال سخت ممنوع ہے:

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ''۔(رواہ الجماعۃ)

میرے صحابہ کو کبھی تنقید کا نشانہ نہ بنانا (میرے صحابہ کا مقام ومرتبہ اللہ کے یہاں یہ ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی صدقہ کرے گا تو ان کے ایک یا آدھا مد جو کے صدقہ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث سے صحابہ کرام کے مقام ومرتبہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دین اسلام کے لئے اتنی زیادہ قربانیاں دی ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسلام کی نشر واشاعت میں ایسی خدمات انجام دی ہیں کہ کوئی شخص بڑی سے بڑی عبادت کرکے بھی ان کا مقام حاصل نہیں کرسکتا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي ''میرے صحابہ کو برا نہیں کہنا، ان سے بغض ونفرت اور عداوت نہیں رکھنا ، اور اگر ان سے کوئی لغزش ہوجائے تو درگزر کرنا، اس کے سبب ان سے نفرت نہ کرنا اور نہ تو ان کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا، وَإِذَا ذُكِرَتِ النُّجُومُ فَأَمْسِكُوا، وَإِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَأَمْسِكُوا''۔(الطبرانی فی الکبیر، وأبونعیم فی الحلیۃ، وابن عدی، والسلسلۃ الصحیحۃ ،رقم:۳۴)

جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو اپنی زبانیں بند کرلو، اور جب ستاروں کا ذکر ہو تو اپنی زبانیں

بند کرلو، اور جب تقدیر کا ذکر ہو تو اپنی زبانیں بند کرلو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنقید کا نشانہ بنانا اہل بدعت کا طریقہ ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وثقاہت اور ان کی تعظیم وتکریم برابر قائم وثابت تھی، ہر خاص وعام کے نزدیک یہ چیز بالکل مسلم تھی، مگر جب دور عثمانی میں عبد اللہ بن سبا یہودی یمن سے مدینہ طیبہ آیا اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہوگیا اور اپنی منافقانہ روش کے ذریعہ شیطانی حرکتیں کرنے لگا، لوگوں کے درمیان بیٹھ کر امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کے انتظامی امور کے متعلق کچھ تنقیدی باتیں کرنے لگا جس کی وجہ سے سنہ ۳۴ھ میں کچھ نادان لوگ اس کی باتوں میں آگئے اور مدینہ طیبہ میں امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرنے کی کوشش کرنے لگے، جس کی اطلاع امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وغیرہ کو ہوئی تو عبد اللہ بن سبا کو طلب کیا اور اس سے پوچھا، تو اس نے اپنی حرکتوں سے باز رہنے کا وعدہ کیا۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور اسے مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا، وہ مدینہ سے نکل گیا اور جہاں بھی گیا فتنہ پھیلاتا رہا لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی، مگر جب مصر گیا تو وہاں اسے کافی حد تک کامیابی ہوئی اور سنہ ۳۵ھ میں حج کے بہانے باغیوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ میں داخل ہوا اور پھر امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا۔ اس کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ یہاں اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ باتفاق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین عظام اور باتفاق علماء مسلمین اس فتنہ میں کسی ایک صحابی نے بھی شرکت نہیں کی۔ عبد اللہ بن سبا کے ان اتہامات اور اس کے جھوٹے الزامات کی تصدیق نہیں کی، بلکہ سب نے امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو مظلومانہ شہادت قرار دیا۔ مگر اہل بدعات ومحدثات اپنے سیاسی مقاصد ومفادات میں

کامیابی حاصل کرنے اور عوام کے جذبات سے کھیلنے والے عبداللہ بن سبا کی ان بہتان تراشیوں اور اس کی سیاست بازی کو حق بجانب قرار دیتے ہیں اور سبائی افکار ونظریات کو بروئے کار لانے کے لئے صحابہ کرام خصوصاً عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف کے صحیح واقعات وروایات کو نظر انداز کر کے جھوٹے واقعات اور من گھڑت روایات کو بنیاد بنا کر امیر المؤمنین عثمان بن عفان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وثقاہت اور ان کی صداقت وامانت کو مجروح کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اور آج اسی کو بنیاد بنا کر عوام کے جذبات کو اسلامی انقلاب، حکومت الہیہ اور خلافت اسلامیہ کے قیام کے نام پر بھڑکایا جاتا ہے، جس کا مقصد سیاست بازی اور کرسی حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب اور ان کے دفاع میں سلف کی مؤلفات:

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وثقاہت مسلمہ حقیقت ہے اور اس حقیقت کے مخدوش ومشکوک ہو جانے سے کتاب وسنت، دین اسلام اور اس کی ساری تعلیمات مخدوش ومشکوک ہو جاتی ہیں، کیونکہ کتاب وسنت، اسلام اور اسلامی احکام وتعلیمات صحابہ ہی کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں، اگر یہ واسطہ مخدوش ومشکوک اور غیر معتبر ہو جائے تو امت کا یہ سرمایہ غیر مستند ہو جاتا ہے اور اس کو ثابت کرنے کا ذریعہ اور اس کا تسلسل ہمارے پاس باقی نہیں رہ جاتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے مناقب وفضائل، عدالت وثقاہت اور امانت وصداقت کتاب وسنت کے مطابق مسلمہ حقیقت ہے اور امت کے سلف وخلف کا اتفاقی واجماعی مسئلہ ہے، اسی لئے ہمیشہ علماء سلف وخلف ان کے فضائل ومناقب میں کتابیں تصنیف کرتے رہے، تاکہ لوگ ان کے منصب ومقام سے واقف رہیں، اور اگر کسی شر پسند عنصر نے ان کی عدالت وثقاہت اور

امانت وصداقت کو مجروح کرنے کی کوشش کی یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کی تو فوراً اہل علم اس کا رد کرتے اور اس فتنہ کو ختم کرتے، جن میں سے چند مصنفات یہ ہیں:

۱۔ الردۃ والفتوح وکتاب الجمل ومسیرۃ عائشۃ وعلی، سیف بن عمر التمیمی الضبی (متوفی:۱۸۰ھ)۔

۲۔ فضائل الصحابۃ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی:۲۴۱)۔

۳۔ فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، الامام عبداللہ بن امام احمد رحمہ اللہ (متوفی:۲۹۰)۔

۴۔ فضائل الصحابۃ، امام احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ (متوفی:۳۰۳ھ)۔

۵۔ خصائص امیر المؤمنین علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ، امام احمد بن شعیب النسائی۔

۶۔ فضائل الخلفاء الأربعۃ، امام ابوبکر احمد بن اسحاق النیسابوری (متوفی:۳۴۲ھ)۔

۷۔ الروض الأنیق فی إثبات إمامۃ أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، امام محمد بن حاتم بن زنجویہ البخاری (متوفی:۳۵۹ھ)۔

۸۔ فضائل الصحابۃ ومناقبہم، امام أبوالحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ (متوفی:۳۸۵ھ)۔

۹۔ فضائل الصحابۃ، عبدالرحمن بن محمد بن عیسی ابن فطیس (متوفی:۴۰۲ھ)۔

۱۰۔ فضائل الصحابۃ رضوان اللہ علیہم أجمعین، أبوالقاسم عمر بن علی الدیلمی۔

۱۱۔ معرفۃ الصحابۃ، إمام ابونعیم الأصبہانی (متوفی:۴۳۰ھ)۔

۱۲۔ فضائل أبی بکر الصدیق، أبوطالب محمد بن علی العشاوی (متوفی:۴۵۱ھ)۔

۱۳۔ العواصم من القواصم، القاضی ابوبکر ابن العربی (متوفی:۵۴۳ھ)۔

۱۴۔ منہاج القاصدین فی فضل الخلفاء الراشدین، أبومحمد عبداللہ بن أحمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی (متوفی:۶۲۰ھ)۔

۱۵۔النہی عن سب الأصحاب ومافیہ من الاثم والعقاب، الحافظ ضیاء الدین المقدسی (متوفی: ۶۴۳ھ)۔

۱۶۔ مؤلفات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی: ۷۲۸ھ):

رسالة فی فضل الخلفاء الراشدین، وسؤال فی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، وحقوق آل البیت بین السنة والبدعة، ومنهاج السنة النبویة فی نقض کلام الشیعة والقدریة، وحکم سب الصحابة۔

۱۷۔ فضائل العشرة المبشرة، برهان الدین ابراهیم بن عبدالرحمن (متوفی: ۷۲۹ھ)۔

۱۸۔ تحفة الصدیق فی فضائل أبی بکر الصدیق، الأمیر أبو الحسن علی بن بلبان بن عبداللہ علاء الدین الفارسی (متوفی: ۷۳۹ھ)۔

۱۹۔ أطواق الحمامة فی حمل الصحابة علی السلامة (متوفی: ۷۴۵ھ)۔

۲۰۔ غیث السحابة فی فضل الصحابة، یوسف بن محمد العبادی (متوفی: ۷۷۶ھ)۔

۲۱۔ مناقب الأسد الغالب، ممزق الکتائب ومظهر العجائب، لیث بن غالب أمیر المؤمنین أبی الحسن علی ابن ابی طالب، مؤلف: شمس الدین محمد ابن الجزری (متوفی: ۸۳۳ھ)۔

۲۲۔ محض الصواب فی فضائل أمیر المؤمنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، یوسف بن الحسن بن عبدالهادی المعروف بابن المبرد (متوفی: ۹۰۹ھ)۔

۲۳۔ تالیفات الامام جلال الدین السیوطی (متوفی: ۹۱۱ھ):

إلقام الحجر لمن زکی ساب أبی بکر وعمر رضی اللہ عنہما، والغرر فی فضائل عمر، وإحیاء المیت بفضائل أهل البیت۔

۲۴۔ مؤلفات ابن حجر الهیتمی (متوفی: ۹۷۴ھ):

تطهیر الجنان واللسان عن ثلب معاویة بن ابی سفیان مع المدح الجلی وإثبات الحق لعلی، ومختصر تطهیر الجنان واللسان عن الخوض والتفوه بثلب معاویة بن أبی سفیان، والصواعق المحرقة فی الرد علی أهل الرفض والضلال والزندقة۔

۲۵۔ الایضاح لما خفا من الاتفاق علی تعظیم صحابة المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یحیی بن الحسین بن القاسم بن

محمد الزیدی (متوفی: ۱۱۰۰ھ)۔

۲۶۔ رسالۃ فی تبرئۃ الصحابیین من النفاق، أبوعلی الیوسی (متوفی: ۱۱۰۲ھ)۔

۲۷۔ إزالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء، بالفارسیۃ، الشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی: ۱۱۱٤ھ)۔

۲۸۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، الشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی: ۱۱۱٤ھ)۔

۲۹۔ الصارم القرضاب فی نحر من سب أکارم الصحاب، عثمان بن سند الوائلی (متوفی: ۱۲٤۲ھ)۔

۳۰۔ مؤلفات الامام محمد بن علی الشوکانی (متوفی: ۱۲۵۰ھ):

إرشاد الغبی إلی مذھب أھل البیت فی صحب النبی، و در السحابۃ فی مناقب الصحابۃ والقرابۃ۔

۳۱۔ صب العذاب علی من سب الأصحاب، أبو المعالی محمود شکری الآلوسی (متوفی: ۱۳٤۲ھ)۔

(راجع رسالہ قائمۃ تعریفیۃ بالمؤلفات فی فضائل الصحابۃ)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت وثقاہت اور امانت وصداقت کتاب وسنت کے نصوص و دلائل کی روشنی میں، صحابہ کرام، تابعین عظام، سلف امت، تمام اہل سنت و جماعت کا اجماعی اور اتفاقی مسئلہ تھا، وہ بلا کسی اختلاف کے اسی نظریہ پر قائم رہے، اور اہل بدعات ومحدثات نے جب بھی جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین کو عمومی طور پر یا کسی صحابی کو خصوصی طور پر تنقید کا نشانہ بنایا، تو انہوں نے اس کا دفاع کرنا اپنا دینی وایمانی فریضہ سمجھا اور اپنی زبان وقلم سے بھرپور طریقے سے کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی اس کا رد کیا۔ اسی سلسلہ میں دور حاضر میں جب اہل بدعات ومحدثات اور سبائی فکر ونظر کے حاملین اور اس سے متاثرین نے امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے اتہامات والزامات لگائے اور بہتان تراشیاں کیں اور پرانی بے سروپا جھوٹی اور من گھڑت کہانیاں پھیلائی جانے لگیں جن کا حقیقت وصداقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اللہ تعالی کے فرمان: ﴿وَمَن يَكْسِبْ خَطِيٓـَٔةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِۦ بَرِيٓـًٔا فَقَدِ ٱحْتَمَلَ بُهْتَـٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿١١٢﴾﴾ [النساء: ۱۱۲] کے مصداق ہیں

تو اس کے رد میں دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب ''**فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ**'' منظر عام پر آئی جس کے مصنف الشیخ الدکتور محمد بن عبداللہ بن غبان الصبحی حفظہ اللہ ہیں جو کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں کلیۃ الدعوۃ واصول الدین کے استاذ ہیں، کتاب کی علمی اہمیت کے پیش نظر بعد میں ''**مبرة الآل والأصحاب کویت**'' کے مرکز البحوث والدراسات نے ''**الأیام الأخیرة من حیاة الخلیفة الراشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ**'' کے عنوان سے اس کتاب کا اختصار شائع کیا۔ اس کتاب میں مؤلف نے امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر کیئے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ لیا ہے اور مدلل انداز میں ان کی تردید کی ہے اور بہت سی ایسی معلومات پیش کی ہیں جن سے عام طور پر اکثر لوگ غافل ہیں۔ کتاب چونکہ عربی زبان میں تھی اس لئے اس سے افادہ واستفادہ محدود تھا لہٰذا افادۂ عام کی غرض سے جماعت کے مشہور عالم دین، مؤلف ومترجم صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی ومبلغ شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا، جو صوبائی جمعیت اہل حدیث کی جانب سے شائع کی جارہی ہے۔ اس کوشش پر امیر محترم مولانا عبدالسلام سلفی صاحب حفظہ اللہ خصوصاً اور صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے تمام ذمہ داران عموماً ہم سب کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ہم اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ کتاب کے مصنف، مترجم اور ناشر سب کے لئے اس کتاب کو صدقہ جاریہ بنائے، اور لوگوں کو اس کتاب سے استفادہ اور اصلاح کی توفیق دے۔ (آمین)

کتبہ

ظفر الحسن مدنی

۱۷/ رمضان/ ۱۴۴۴ھ

متحدہ عرب امارات

عرض مترجم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وہ چنندہ بندگان ہیں جو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لئے اسوہ ونمونہ اور ان کے ایمان وعمل کی کسوٹی اور معیار ہیں۔ ان کے فضائل ومناقب سے کتاب وسنت کے دلائل بھرے پڑے ہیں جو اُن کی زندگی کے آخری لمحات اور قیامت تک کے لئے ہیں۔ وہ اسلام کو اپنی شکل میں حاصل کرنے، اُس پر عمل کرنے اور اگلی نسلوں تک پہنچانے کے سچے امین ہیں۔ اہل سنت و جماعت کے متفقہ عقیدہ کے مطابق ان سے محبت کرنا دین وایمان اور بغض ونفرت کرنا سوء باطن اور نفاق ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللهُ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللهُ"۔ [1]

ان سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہے اور وہی بغض ونفرت رکھے گا جو منافق ہے، اور جو ان سے محبت رکھے اللہ اُس سے محبت رکھے اور جو ان سے بغض رکھے اللہ اُس سے نفرت رکھے۔

اسی طرح ارشاد گرامی ہے:

"مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ - فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ

---

[1] صحیح بخاری، حدیث: ۳۷۸۳، ومسلم، حدیث: ۷۵۔

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ"۔ (1)

جس نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دی یا بُرا بھلا کہا اُس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

یہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کی عظمت کے پیش نظر ان کا تذکرہ ہونے پر کسی بھی طرح کا تبصرہ کرنے یا ان کے کسی موقف پر رائے زنی کرنے کے بجائے زبانیں بند رکھنے کا حکم دیا ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

"إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا..."۔ (2)

جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو اپنی زبانیں بند کرلو۔

یہ اہل سنت و جماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے، مگر اس کے باوجود امت میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے صحابہ کرام سے بغض رکھا، ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، ان پر تبرا کیا، گالیاں دیں، لعنت ملامت کیا، اپنی ہوس کے مطابق انہیں حق یا باطل قرار دیا، الزامات لگائے، جھوٹی باتیں منسوب کیں، بہتان تراشی کی، کسی کو غاصب کہا کسی کو غیر فقیہ کہا، یہی نہیں بلکہ بعض لوگوں نے آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی آڑ میں چند کو چھوڑ کر بقیہ تمام صحابۂ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر، مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا!! ۔صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض ونفرت رکھنے میں بطور اشارہ ومثال: خوارج، معطلہ، جہمیہ، روافض، شیعہ، معتزلہ، مستشرقین، عقلانیین، منکرین سنت، بعض مقلِّدین ومقلَّدین، اسی طرح محمود ابوریہ، احمد امین، محمد عمارہ، خمینی، مودودی، سید قطب، مجنونِ ابوحنیفہ محمد زاہد کوثری، نیز مرزا علی انجینیئر وسلمان ندوی وغیرہ

---

(1) معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۱۲۷۰۹، دیکھئے: سلسلہ صحیحہ، حدیث: ۲۳۴۰، وصحیح الجامع، حدیث: ۶۲۸۵۔

(2) معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۱۴۲۷، دیکھئے: سلسلہ صحیحہ، حدیث: ۳۴، وصحیح الجامع، حدیث: ۵۴۵۔

معاصرین ہیں جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف اپنی زبان یا قلم کے نشتر چلائے ہیں۔

خلیفۂ راشد عثمان غنی رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کے ان اوائل میں سے ہیں جن کے خلاف یہودی النسل منافق عبداللہ بن سبا اور اس کے ہمنواؤں، اہلکاروں اور کارندوں نے سازشیں کیں، آپ پر جھوٹی تہمتیں باندھ کر آپ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت وعداوت کی تخم ریزی کی اور بغاوت کرنے پر اکسایا یہاں تک کہ آپ کو مظلومانہ شہید کر دیا گیا، جس کی پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔

مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ بعض اہل سنت سے نسبت رکھنے والوں نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف ان سازشوں میں اُن کی ہمنوائی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، بلکہ آپ کے خلاف جھوٹے ومتروک راویوں کی جھوٹی وبے سروپا تاریخی روایات اور غیر مستند واقعات کو بنیاد بنا کر الزامات واتہامات کی بوچھار کر دی اور اُسے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے بلکہ نعوذ باللہ آپ کا خون حلال کرنے کی وجہ جواز بنا ڈالا!!

زیر نظر رسالہ ''**خلیفۂ راشد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام**'' اس موضوع پر ایک نہایت مستند اور تحقیقی رسالہ ہے جو دراصل جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں کلیۃ الدعوۃ واصول الدین کے پروفیسر استاذ محترم ڈاکٹر محمد بن عبداللہ غبان صبحی مدنی حفظہ اللہ کی تالیف لطیف وتحقیق انیق ہے۔ اصل کتاب ''فتنۃ مقتل عثمان رضی اللہ عنہ'' کے عنوان سے استاذ محترم کا ''ایم اے'' کا رسالہ ہے جو ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل دو ضخیم جلدوں میں مطبوع ومتداول ہے۔

زیر نظر رسالہ اسی کا اختصار ہے جسے مبرۃ الآل والأصحاب کویت نے انجام دیا ہے۔

اس مختصر رسالہ میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت اور فضائل ومناقب کے بعد آپ کے خلاف بغاوت اور آپ کو شہید کرنے کے لئے پیش کردہ متعدد اہم وجوہ جواز کا علمی وتحقیقی جائزہ

لیا گیا ہے، اور ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ رسالہ خالص علمی اور اصولی ہے، صحیح روایات سے غلط استدلال کی حقیقت، ضعیف وغیر مستند روایات سے استدلال کی حقیقت اور بے سروپا باطل وموضوع واقعات وشائعات کی حقیقت نیز عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون سے ہاتھ رنگنے والے اصل لوگ کون ہیں، ان ساری باتوں کو استاذ محترم حفظہ اللہ نے پوری طرح آشکارا کردیا ہے نیز یہ کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت یا اُنہیں قتل کرنے یا اس کی سازش رچنے میں کسی بھی صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہرگز کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ جس سے ایک متلاشیٔ حق، سلیم القلب اورغیر جانبدار شخص کے لئے حقیقی صورتحال اور قتل عثمان کے حقیقی مجرمین سے واقف ہونے میں کوئی پیچیدگی نہیں رہ جاتی۔ فجزاہ اللہ عنی وعن المسلمین خیراً۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کی وضاحت کے سلسلہ میں اصل کتاب کی مرجعیت اور اہمیت وافادیت کے پیش نظر نیز اس کے اختصار کی جامعیت کے سبب اس کے ترجمہ کے سلسلہ میں برادرم شیخ سرفراز فیضی حفظہ اللہ کے ذریعہ برادر گرامی شیخ ڈاکٹر نسیم مدنی حفظہ اللہ (استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں) کی یاد دہانی کے نتیجہ میں اس رسالہ کے ترجمہ کا داعیہ پیدا ہوا، فجزاہما اللہ کلَّ خیر۔ امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ نے حسب عادت اعتقادی، منہجی اور اصلاحی تقاضوں کی تکمیل اور اہمیت وافادیت کی بنیاد پر اس رسالہ کے ترجمہ اور اس کی اشاعت کا فیصلہ فرمایا، فجزاہ اللہ خیراً۔ اللہ تعالیٰ امیر محترم حفظہ اللہ کے اس جذبۂ خیر واصلاح کی قدردانی فرمائے اور انہیں اس کا نیک بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

اللہ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق ارزانی سے اس رسالہ کا ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا جو آپ قدردانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ کتاب کے ترجمہ میں حسب معمول کوشش یہ رہی ہے کہ الفاظ وتعبیرات سے آزاد ہوئے بغیر زبان سلیس اور رواں رہے اور مولف حفظہ اللہ کے مقصود کی

کما حقہ ترجمانی ہو سکے، لیکن چونکہ خطائیں ولغزشیں بشریت کا لازمہ ہیں اس سے کسی کو مفر نہیں، اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق، غلطیوں لغزشوں سے معافی اور نفس وشیطان کے شر سے پناہ کا خواستگار ہوں، نیز احباب اور بہی خواہوں کے مخلصانہ مشوروں کا منتظر بھی۔

وَإِن تَجِدْ عَيبًا فَسُدَّ الخَـلَلَا   فَجَلَّ مَنْ لَا عَيبَ فِيهِ وَعَلَا

اگر آپ کو کوئی عیب ملے تو خلل کی تلافی کر دینا، کیونکہ اللہ بزرگ و برتر ہی کی ذات ہے جو بے عیب ہے۔

ساتھ ہی اللہ ذوالکرم سے پر امید ہوں کہ ان شاء اللہ کتاب اردو داں طبقہ کے حق میں مفید ثابت ہوگی اور فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ اور حقیقی مجرمین کی تشخیص میں معاون و مددگار ثابت ہوگی، ساتھ ہی اس سے عثمان رضی اللہ عنہ پر زبان درازی کرنے والے قدیم وجدید مصنفین و باحثین کی نازک بنیادوں کی حقیقت کا بھی علم ہوگا۔

میں اس کتاب کی اشاعت پر اللہ ذوالکرم کی حمد وسپاس کے بعد اہل خانہ بالخصوص مشفق والدین کا شکر گزار ہوں جن کی انتھک تعلیمی وتربیتی کوششوں سے دین حنیف کا علم اور اس کی خدمت کا یہ شرف حاصل ہوا، فجزاہم اللہ عنی خیراً۔ بعدہ خالص منہج سلف کی ترجمان صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی بالخصوص اس کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کا تہ دل سے ممنون ہوں جن کی عقدی ومنہجی غیرت اور جماعتی فکر ولگن کے نتیجہ میں حسب معمول اس اہم اور مفید ترین کتاب کی اشاعت عمل میں آئی، یقیناً صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی تمام تر سرگرمیاں بالخصوص علمی، عقدی، منہجی، دعوتی اور اصلاحی کتب کی اشاعت کا جو زریں سلسلہ جاری ہے وہ اللہ عزوجل کی توفیق ونصرت کے بعد امیر محترم حفظہ اللہ کی خصوصی فکر مندی کی مرہون منت ہے، فجزاہ اللہ خیراً وتقبل منہ، آمین۔

اسی طرح اس موقع پر میں عالم اسلام کی نہایت مستند علمی منہجی اور دعوتی شخصیت مشفق مربی فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے مکثف علمی ودعوتی مشاغل کے سبب عدیم الفرصتی کے باوجود ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کتاب پر گرانقدر علمی، منہجی واصولی مقدمہ تحریر فرمایا جس سے کتاب کی معنویت دو چند ہوگئی، فجزاہ اللہ عنا خیراً وبارک فیہ ونفع بہ الأمۃ، آمین۔

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہر خاص وعام کے لئے یکساں مفید بنائے اور اراکین صوبائی جمعیت بالخصوص امیر محترم شیخ عبد السلام سلفی حفظہ اللہ اور دیگر محسنین کو اجر عظیم سے نوازے، نیز اس کے مولف، مختصر، مترجم، مقدم، ناشر اور تمام معاونین کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

۱/ رمضان ۱۴۴۴ھ- ۲۴/ مارچ ۲۰۲۳ء

ممبرا ممبئی

اخوکم فی اللہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

(شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

(inayatullahmadni@gmail.com)

مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾ [آل عمران:۱۰۲]۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٖ وَٰحِدَةٖ وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالٗا كَثِيرٗا وَنِسَآءٗۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبٗا ﴿١﴾﴾ [النساء:۱]۔

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوۡلٗا سَدِيدٗا ٧٠ يُصۡلِحۡ لَكُمۡ أَعۡمَٰلَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيمًا ٧١ ﴾ [الاحزاب:۷۰-۷۱]۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی۔

أَمَّا بَعْدُ[1] : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.[2]

حمد وصلاۃ کے بعد: یقیناً سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین امور نئی ایجاد کردہ باتیں ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

تاریخ کا نتیجہ خیز دراسہ صحیح ہدف ومقصد کے لئے ہونا چاہئے، اور یہ بھی واجب ہے کہ اس کے لئے جس تاریخ پر اعتماد کیا گیا ہو وہ نقل کے اعتبار سے صحیح تاریخ ہو، بصورت دیگر اس کا نتیجہ صحیح ہونے کے بجائے فاسد ہوگا۔

---

① اس خطبہ کو خطبۃ الحاجۃ کہا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ اسے اپنے خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے، اسی طرح سلف صالحین رحمہم اللہ بھی اپنے خطبات، دروس، کتابوں اور مختلف کاموں کے آغاز میں اس کا اہتمام کرتے تھے، فضیلۃ الشیخ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس بارے میں ایک خصوصی رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام ''خطبۃ الحاجۃ'' رکھا ہے۔

② صحیح مسلم (۲/ ۵۹۲)، ومسند احمد (۳/ ۳۷۱)، وسنن بیہقی (۳/ ۲۱۴)۔ مسند احمد میں ''وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' کے الفاظ نہیں ہیں، البتہ مسند احمد اور سنن بیہقی میں ''وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ'' کے الفاظ کا اضافہ ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے ان دونوں روایتوں کی سندوں کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: خطبۃ الحاجۃ (ص:۲۶)۔

تاریخ اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب اُسے صحیح، معتبر اور مستند مصادر سے اخذ کیا گیا ہو، جن میں سب سے پہلے اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے:

﴿لَّا يَأْتِيهِ ٱلْبَٰطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾﴾ [فصلت:۴۲]۔

جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ حکمتوں والے خوبیوں والے اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

کیونکہ اس میں مختلف زمانوں سے متعلق تاریخ کا وسیع ذخیرہ موجود ہے جو بہت سارے حوادث وواقعات کو شامل ہے اور بسا اوقات اس میں باریک تفصیلات پر بھی گہرائی سے گفتگو کی گئی ہے۔

اس معتبر ومستند مصدر کے بعد دوسرا مصدر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیثیں ہیں، کیونکہ وہ بعض سابقہ امتوں اور اسی طرح عہد رسالت سے متعلق تاریخی معلومات پر مشتمل ہیں۔ (1)

رہا معتبر تاریخی مصادر میں تیسرا مصدر تو وہ ثابت سندوں سے منقول تاریخی روایتیں ہیں جنہیں مسند کتابوں کے مصنفین روایت کرتے ہیں جن میں کتب احادیث، کتب تاریخ اور وہ کتابیں ہیں جنہیں راویان ورجال کی سوانح حیات قلمبند کرنے کے لئے مخصوص کیا گیا ہے؛ جن میں ان کے مصنفین اپنی صحیح سندوں سے آنکھوں دیکھا حال روایت کرتے ہیں۔

---

(1) معروف بات ہے کہ علماء حدیث نے اپنی حدیث کی کتابوں میں سیرت نبوی کی روایات کے لئے کچھ ابواب مخصوص کر رکھا ہے، جیسے صحیح بخاری میں کتاب المغازی اور صحیح مسلم، سنن ابو داود، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی اور موطا امام مالک میں کتاب الجہاد وغیرہ موجود ہیں۔

تاریخ کے یہی وہ معتبر مصادر ہیں [1] جن سے سیرت رسول ﷺ اور خلفاء راشدین کے ہر باحث و محقق کو اپنی معلومات کشید کرنا واجب ہے۔

نیز اُسے من گھڑت اور بے سروپا روایات سے اجتناب کرنا چاہئے تاکہ اس کے تاریخی ڈھانچے کی بنیادیں کمزوری سے محفوظ ہوں، تحلیل وتجزیہ کے قابل ہوں، اُس سے دروس وعبر مستنبط کئے جاسکیں اور آبادی کے قوانین وسماجی طور طریقوں تک رسائی ہوسکے۔

اس کی سب سے سچی اور درست ترین تاریخ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ ہے جن میں سرفہرست خاتم الأنبیاء محمد ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کے خلفاء راشدین ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی تاریخ وسوانح حیات ہے۔

یہ تاریخ شذوذ، سماجی وفکری بیماریوں نیز خواہشات نفسانی اور انتہا پسندی وجانبداری سے پاک تاریخ ہے۔

اس کی عام چھاپ یہی ہے، رہا اس دور کے اخیر میں رونما ہونے والے فتنوں اور جنگ وجدال کا مسئلہ تو اس کی بابت تاریخی روایات نے جو تصویر کشی کی ہے بالفرض اگر اُسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اُن کی بنیاد پر عمومی حکم نہیں لگایا جائے گا، باوجودیکہ اُس میں بہت کچھ بے سروپا چیزیں اور تحریف داخل کردی گئی ہے اور پھر اس کا پروپیگنڈہ کرکے پھیلا دیا گیا ہے۔

---

[1] تاریخ کے جو مصادر اس بحث کے موضوع کے ساتھ مناسب نہیں ہیں ان میں یہ ہیں:

۱۔ جن باتوں کو مورخین اپنی تاریخی کتابوں میں بلاسند ذکر کرتے ہیں جبکہ ان واقعات سے ان کی معاصرت ثابت نہیں ہوتی ہے: یہ مصدر غیر معتبر ہے بالخصوص اس بحث کے موضوع کے اعتبار سے، کیونکہ یہ موضوع بڑا اہم ہے لہذا اس کی معلومات معتبر مصادر سے لینا ضروری ہے۔

۲۔ علم آثار قدیمہ کے ماہرین کھدائی اور گڑھوں وغیرہ کے ذریعہ جو نتائج نکالتے ہیں: یہ مصدر بھی ہماری اس بحث کے لئے موزوں نہیں ہے۔

چنانچہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ، جنگ جمل وصفین اور تحکیم کا واقعہ اس سے کہیں زیادہ عام ہوا جتنا اُس میں قدوہ ونمونہ کا پہلو تھا، عدل وانصاف تھا اور ان چیزوں کو عملی طور پر بپا کرنے کی اعلیٰ مثالیں تھیں، اور اس سے کہیں زیادہ بڑھا کر عام کیا گیا جو ان میں راست باز ونیک کار مومنوں کے واقعات اور قصے تھے جن سے ان کے ایمان ویقین کی قوت اور اپنے خالق سے ربط وتعلق نمایاں ہوتا ہے، جس سے ایمان میں بڑھوتری اور حسن وخوبی ان کی اقتدا وپیروی ہوتی ہے۔ ①

ان اعلیٰ اقدار ومعانی پر ان فتنوں کی شہرت کا چرچہ اس قدر غالب آگیا کہ زیادہ تر لوگ اس دور کے بارے میں صرف ان فتنوں ہی کو جانتے ہیں جو آخری ایام میں رونما ہوئے۔

امید کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں میں سے کسی شخص کو کھڑا کرے جو اس زمانے میں اِن روشن پہلوؤں کو نمایاں کرے تاکہ وہ اس دور کے اسوہ وآئیڈیل کے قابل ہونے کی حتمیت کو ثابت کریں اور اس کے خلاف مکر وفریب کرنے والوں نیز بڑھا چڑھا کر بدترین جھوٹی روایات کے ذریعہ اُس کے رخ زیبا کو بگاڑنے والوں کے کردار کا پردہ فاش کریں۔

کیونکہ ان فتنوں کو صرف پھیلایا ہی نہیں گیا بلکہ اس میں بہت کچھ بڑھایا گیا، غیر معمولی تحریف کی گئی اور زیادہ تر حقائق کو مسخ کیا گیا یہاں تک کہ واقعات بگڑی ہوئی شکل میں ظاہر ہوئے، جس کے نتیجے میں بہت سے لوگوں نے اس بارے میں گفتگو کرنے سے اجتناب کیا، باعتبار ایں کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والا اختلاف ہے ② اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

① اسی قبیل سے عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرین سے لڑائی کرنے سے انکار کرنا ہے جیسا کہ آگے آئے گا، اور اس موقف میں امت کی مصلحت کو اپنی ذاتی مصلحتوں پر مقدم کرنے اور ترجیح دینے کا پہلو موجود ہے، کیونکہ اس میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت، اپنے رب سے لگاؤ اور اخروی زندگی کو مطمح نظر رکھنے کی پختہ دلیلیں موجود ہیں۔

② اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ بد باطنوں کی بے سرو پا روایات سے دھوکہ کھا گئے، ان کے حسن وجاذبیت اور ٹھوس بناوٹ کی وجہ سے اس کی تصدیق کرلی جس کے نتیجے میں باطل عام ہوگیا اور بہتوں سے حق اوجھل ہوگیا۔

کا ارشاد ہے:

”إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا“۔ [1]

جب میرے صحابہ کا تذکرہ کیا جائے تو اپنی زبانیں بند کرلو۔

کیونکہ ”اہل سنت و جماعت کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے لئے اپنے دلوں اور زبانوں کو محفوظ رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُو مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٠﴾﴾ [الحشر:۱۰]۔

اور جو ان کے بعد آئیں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ“۔ [2]

---

① حلیۃ الأولیاء، از ابونعیم اصبہانی (۴ / ۱۰۸) وغیرہ، اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع (۱ / ۱۵۵) اور سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۱ / ۴۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

② دیکھئے: العقیدۃ الواسطیۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ص:۱۶۶)، اور حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت ==

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر تم میں سے کوئی شخص کوہِ اُحد کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو اُن میں سے کسی کے مد یا آدھے مد کے برابر نہ پہنچے گا۔

اور اُن لوگوں سے براءت کرتے ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض ونفرت رکھتے ہیں اور انہیں گالیاں دیتے ہیں، اور ان لوگوں سے بھی اظہار براءت کرتے ہیں جو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قول یا فعل سے ایذاء پہنچاتے ہیں اور صحابہ کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات کی بابت اپنی زبانیں بند رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ان کی برائیوں کے بارے میں مروی اِن آثار میں سے کچھ باتیں سراسر جھوٹی ہیں، اور ان میں سے کچھ میں کمی بیشی کر دی گئی ہے اور اس کی اصل صورت بدل دی گئی ہے، اس میں صحیح یہ ہے کہ ان چیزوں میں وہ معذور ہیں یا تو درست اجتہاد کرنے والے ہیں یا ان سے اجتہاد میں غلطی سرزد ہوگئی ہے، اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام میں سے ہر ایک چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہے، بلکہ مجموعی طور پر ان سے گناہ سرزد ہونا جائز ہے، اور اُن کے پاس ایسی پیشگی نیکیاں اور فضیلتیں ہیں جو ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کی - اگر سرزد ہوئے ہوں تو - مغفرت کی موجب ہیں، حتیٰ کہ اُن کی وہ خطائیں بھی بخش دی جائیں گی جو ان کے بعد والوں کی نہیں بخشی جائیں گی؛ کیونکہ ان کے پاس گناہوں کو مٹا دینے والی ایسی نیکیاں ہیں جو بعد والوں کے پاس نہیں ہیں...''۔ [1]

== کیا ہے، دیکھئے: فتح الباری (۷ / ۲۱)، وصحیح مسلم، باب تحریم سب الصحابۃ (۴ / ۱۹۶۷)، وابوداود، وترمذی، واحمد بن حنبل، ان سب نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۱) العقیدۃ الواسطیۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ص: ۱۷۴)۔

اور وہ جانتے ہیں کہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے ذریعہ محفوظ فرمایا ہے جنہوں نے اُسے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا تھا اپنے بعد والی نسل تک پہنچایا، اور پھر نسلاً بعد نسل مختلف زمانوں سے گزرتے ہوئے ہم تک پہنچا۔

مگر جب دشمنان اسلام تمام تر کوششیں کرنے کے بعد مسلمانوں کے عقیدہ اور ان کے صحیح دین میں تشکیک پیدا کرنے سے عاجز رہے تو اس کے نیک ناقلین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعنہ زنی کرنے کا راستہ اختیار کیا۔

امام مالک رحمہ اللہ ان جیسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں عیب جوئی کرنا چاہا مگر ممکن نہ ہوسکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی کی، تاکہ کہا جائے کہ وہ بڑا برا آدمی تھا، ورنہ اگر وہ نیک ہوتا تو اس کے ساتھی بھی نیک ہوتے''۔ ①

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب تم کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق (کافر) ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے یہاں برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور اس قرآن کریم اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے پہنچایا ہے، درحقیقت یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کتاب وسنت کو ضائع کردیں، جرح انہی کو سزاوار ہے، یہ لوگ زندیق ہیں''۔ ②

چنانچہ ان بد باطن لوگوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والے فتنوں کو اپنا

---

① الصارم المسلول علی شاتم الرسول، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ص: ۵۸۰)۔

② منہاج السنۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۱/ ۱۸)۔

ہدف بنایا اور انہیں جھوٹ، افترا پردازی، خیانت اور کتر بیونت سے بھر دیا اور اس کے ذریعہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعنہ زنی اور ان کی عیب جوئی کا راستہ نکالا۔

انہی فتنوں میں سے ایک فتنہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کا فتنہ ہے دشمنان اسلام اس فتنہ کے ذریعہ اپنے کچھ مقاصد میں کامیاب ہوئے، چنانچہ بہت سے لوگ ان سے دھوکہ کھا گئے انہوں نے اس فتنہ کو ان ضعیف اور من گھڑت روایتوں کے واسطے سے سمجھا جنہیں بے انتہا ضعیف اور متروک راویان روایت کرتے ہیں، اسی وجہ سے ان کا جمع و دراسہ کرنے سے باز رہے اس خیال سے کہ یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والے اختلافات کے قبیل سے ہے، مگر دشمنان اسلام کے چوزے ان جھوٹی روایات سے اخذ کردہ بعض مواقف کے ذریعہ مسلمانوں سے بحث وتکرار کرنے لگے، جس کے جواب میں کچھ مسلمان لاجواب ہو کر خاموش ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ عذر تلاش کرنے لگتے ہیں، ان بے سروپا جھوٹی روایات کی بابت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسے چند معدودے ائمہ کرام رحمہم اللہ کے علاوہ کسی نے مناقشہ نہیں کیا۔

مجھے کوئی ایسی کتاب معلوم نہ ہوسکی جو اس فتنہ سے متعلقہ روایات کو اکٹھا کر کے ان کا دراسہ کرتی ہو، صحیح ضعیف کو چھانٹ کر الگ کرتی ہو اور صرف صحیح روایات کی بنیاد پر اس فتنہ کی حقیقی صورت کو آشکارا کرتی ہو۔

بنابریں میں نے اپنی محنت و استطاعت کے مطابق اس کتاب میں اس کام کو انجام دیا جس سے میرے سامنے واضح ہوا کہ اس فتنہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشاجرات میں شمار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ ان مشاجرات میں سے ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور کچھ ایسے لوگوں کے مابین رونما ہوئے ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ تھے، اسی طرح میں نے اس کتاب میں

عثمان غنی رضی اللہ عنہ اوران کے قتل کی بابت صحابہ کرام کا حقیقی موقف بھی واضح کیا ہے نیز یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا تو دور کی بات ہے کوئی بھی صحابی کسی کو اُن کے قتل پر ابھارنے اکسانے میں بھی شریک نہیں رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں اپنے جنت الفردوس کا مکین بنائے اور ہم سبھوں کو اپنے اولیاء میں سب سے بہتر ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے تلے اکٹھا فرمائے، اللہ تعالیٰ آپ پر خوب خوب سلامتی نازل فرمائے۔

اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ سلف نے اس فتنہ کی بابت بحث وتحقیق کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے، بلکہ اہل سنت و جماعت نے اس فتنہ کی حقیقی صورتحال واضح کرنے میں، اس کی صحیح صورت کو بگاڑنے والی باطل وبے اصل روایات کی تردید کرنے میں نیز اُن کے جھوٹ اور دروغ کی قلعی کھولنے میں عظیم کوششیں صرف کی ہیں مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منہاج السنۃ'' میں اور ابن العربی نے ''العواصم من القواصم'' میں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور بے پایاں ثواب سے نوازے۔

بلکہ منشا کلام یہ ہے- جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا- کہ روایات کی سندوں کی تحقیق اور صحیح روایات پر اعتماد اور ضعیف روایات سے تنبیہ وتحذیر نیز ان کے عیوب کو بے نقاب کرنے اور ضعف ونکارت کے اسباب کی وضاحت وغیرہ کے اعتبار سے اس موضوع کی مکمل تحقیق اور دراسہ نہیں ہوا ہے، حالانکہ اس عمل میں عقیدۂ صحیحہ کا دفاع اور اس کے ایک پہلو کی تصحیح وابستہ ہے، وہ ہے صحابہ کرام سے محبت اور انہیں وہ مقام دینا جس پر انہیں اُن کے رب نے فائز کیا ہے۔

اس مسئلہ کو چند اساتذۂ کرام نے محسوس کیا جنہوں نے اس بات کی دعوت دی کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کی بابت آئی ہوئی روایات کو نقد روایات کے سلسلہ میں محدثین

کرام رحمہم اللہ کے منہج کے مطابق جانچ پرکھ کر کے اُنہیں صاف ستھرا کیا جائے، یعنی ان روایات کی اسانید ومتون کا دراسہ کیا جائے، صحیح وسقیم کی تمیز کی جائے پھر صرف صحیح روایات کی بنیاد پر پوری صورتحال کو پیش کیا جائے۔

ان اساتذۂ کرام میں استاذ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے مذکورہ منہج کے مطابق مجھے اس موضوع پر لکھنے کا مشورہ دیا، اور حسب ذیل چند اسباب کی بنا پر یہ رائے میری طبیعت میں جاگزیں ہوگئی:

اولاً: ناموس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع اور ان میں سے متہم کردہ لوگوں کی براءت کا اظہار نیز ان کی ذاتوں سے وابستہ کردہ شبہات کا ازالہ کرنے کی بابت میری رغبت وخواہش، کیونکہ ان سے محبت وعقیدت اس بات کی موجب ہے، بالخصوص جب ایسے لوگ ظاہر ہوگئے ہیں جو ان کی ناحق عیب جوئی اور طعنہ زنی کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جب کوئی بدعتی نمودار ہو جو صحابہ کی شانوں میں ناحق طعنہ زنی کرے تو ایسی صورت میں ان کے ناموس کا دفاع کرنا اور علم وانصاف کے ذریعہ ان کی حجت کو باطل ٹھہرانے والے دلائل وبراہین ذکر کرنا ضروری ہے"۔ [1]

اور اس چیز کو مشاجرات صحابہ میں پڑنا شمار نہیں کیا جائے گا جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، بلکہ یہ اس سچائی اور حقیقت کا اظہار ہے جو ان کی شخصیتوں سے وابستہ کردہ بے جا الزامات کا دفاع کرتی ہے۔

ثانیاً: اس بات سے متنبہ اور آگاہ کرنا کہ یہ فتنہ مشاجرات صحابہ کے قبیل سے نہیں ہے

---

[1] منہاج السنۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶/ ۲۵۴)۔

جیسا کہ بہت سارے لوگوں کے یہاں مشہور ہے۔

ثالثاً: اسانید و متون کی جرح و تنقید پر مبنی صحیح اور ٹھوس بنیادوں کی روشنی میں صحیح صورتحال کی تہہ تک پہنچنے اور اس فتنہ کی حقیقت کے بارے میں مفاہیم کی تصحیح کرنے کی بابت میری شدید خواہش۔

رابعاً: ٹھوس پختہ منہج اختیار کر کے اسلامی تاریخ کی تصحیح اور در آئی آمیزشوں سے اسے خالص کرنے کی بابت علماء کرام کی ترغیب پر میری آمادگی، تاکہ یہ چیز تربیت دہندگان کے لئے تیار ہو جائے اور اسی پر وہ مسلم نسلوں کی صحیح تربیت کر سکیں۔

خامساً: اسانید و متون کی تحقیق و دراسہ کے بارے میں میری شدید رغبت۔

واضح رہے کہ میں نے اس بحث کی تیاری میں ایک خاص منہج اختیار کیا ہے جو صحیح تاریخی صورتحال واضح کرنے میں معاون و مددگار ہے، یہ روایات کے ساتھ تعامل میں محدثین کرام کا منہج ہے، چنانچہ میں نے کتب احادیث، عام تاریخ، شہروں کی تاریخ، سیر و تراجم کی کتابوں اور سندوں کے ساتھ روایتیں بیان کرنے والی دیگر کتابوں سے فتنہ سے متعلق روایتیں اکٹھا کیں۔

پھر میں نے ان روایات کو مرتب کیا جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے اور مکرر روایات کو دمج کیا، ساتھ ہی سند و متن کے اعتبار سے ان میں موجود فروق کی طرف اشارہ کیا۔

پھر ان روایات کا دراسہ کیا جس سے میرے سامنے ان میں سے صحیح و ضعیف روایتیں علیحدہ ہو گئیں، پھر میں نے صحیح روایات پر اعتماد کیا جس کے نتیجہ میں صرف صحیح روایات کی روشنی میں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے بارے میں تقریباً مکمل صورتحال آشکارا ہو گئی۔

پھر میں نے انہیں تمام طرق کی تخریج اور سندوں کے دراسہ کے ساتھ رسالہ میں ایک ضمیمہ میں اکٹھا کر دیا، تا کہ رسالہ کے پڑھنے والے کو ان نتائج سے آگاہی کا موقع فراہم کروں جہاں تک میری رسائی ہوئی ہے، نیز وہ اُن روایات کے راویان کی سیرت و سوانح سے واقف ہو سکے جن پر میں نے صحت و ضعف کا حکم لگایا ہے۔

میں نے کچھ تاریخی مسائل میں جس کا بواسطہ یا بلا واسطہ عقیدہ و شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے بعض مرسل اور ضعیف روایات پر بھی اعتماد کیا ہے؛ جیسے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تاریخ اور شہادت کے وقت ان کی عمر وغیرہ، چنانچہ میں ان جیسے موضوعات میں صحیح ترین روایت کو اختیار کروں گا اور بسا اوقات ان کے متون کا دراسہ کروں گا اور صحیح روایات سے ان کا موازنہ کروں گا، جو چیز میرے نزدیک راجح قرار پائے گی اُسے مقدم کروں گا اور ترجیح کے اسباب بھی ذکر کروں گا۔

جب کہ ان کے علاوہ جن مسائل کا تعلق عقیدہ یا شریعت سے ہے میں اُن میں شدید احتیاط کے ساتھ کسی قسم کے تساہل کے بغیر اپنے علم کے مطابق مصطلح الحدیث کے قواعد کی تطبیق دوں گا، چنانچہ کبھی کبھار مطالعہ کرنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ بظاہر حدیث کا عقیدہ و شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر پھر غور کرنے سے تعلق ظاہر ہوتا ہے، اس لئے میں اس کی رعایت کروں گا اور تحقیق و دراسہ کرنے سے پہلے ہی روایت پر غور کروں گا۔

اور میں اسلامی تاریخ کی روایت کی تحقیق کے سلسلہ میں محدثین کرام کے منہج کی تطبیق ہی مناسب سمجھتا ہوں، بالخصوص سیرت رسول اور خلفاء راشدین کے دور اور اس سے بھی زیادہ ان فتنوں کی بابت جو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے آغاز سے رونما ہوئے، پھر جنگ جمل وصفین کے واقعات؛ کیونکہ نقد روایات کے سلسلہ میں اس منہج کی بنیادیں درست ہیں اور اس

کے نتائج عمدہ ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ تاریخ کا تخصص نہ رکھنے والوں نے اس منہج کا انکار کیا ہے [1] وہ درستی سے ہٹے ہوئے ہیں ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ سلف امت نے تاریخی روایات کے نقد میں اس منہج کا اعتبار نہیں کیا ہے، کیونکہ سلف نے اس منہج پر عمل کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بعض روایات پر صحت کا حکم لگایا ہے بعض پر ضعف کا حکم لگایا ہے، اوران کے علاوہ بہت سارے لوگ ہیں جیسا کہ آپ اس رسالہ میں ان کے اقتباسات ملاحظہ کریں گے۔

اور تاریخ بالخصوص فتنۂ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں اس منہج کو برتنے کا اعلان معاصرین میں سے تاریخ کے متخصص اساتذۂ کرام کی ایک جماعت نے کیا ہے، جن میں محب الدین خطیب [2]، صادق عرجون [3] اور یوسف العش [4] قابل ذکر ہیں۔

اس لئے کہ انہیں تاریخی روایات کے نقد و جرح میں محدثین کرام اور مغربیوں کے مناہج کا بخوبی علم ہے، لہذا وہ منہج محدثین کی پختگی اور اس کی صلاحیت کے باعث اُسے ترجیح دیتے

---

(۱) اس منہج کے منکرین میں: احمد محمد جمال ہیں جنہوں نے اپنی ایک تقریر میں اس کا انکار کیا ہے جو ''تاریخنا لم یقرأ بعد'' کے عنوان سے مطبوع ہے، اسی طرح عثمان صافی نے انکار کیا ہے جن کا خیال ہے کہ موضوع کو: ''دوبارہ تاریخ نویسی'' کے عنوان سے پیش کرنا سلف صالحین کی تحریر کردہ تمام باتوں میں اُنہیں سراسر غلط ٹھہرانے کے مترادف ہے، نیز ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ''دوبارہ تاریخ نویسی''، محض ایک خیالی چیز ہے۔ (دیکھئے: کتاب ''منہج کتابۃ التاریخ الاسلامی'' از ڈاکٹر محمد بن صامل العلیانی السلمی، (ص: ۱۲)۔

(۲) العواصم من القواصم، (ص: ۷۵-۷۶، حاشیہ نمبر: ۶۶)۔

(۳) اپنی کتاب ''عثمان بن عفان'' (ص: ۷-۸) میں۔

(۴) جس کی انہوں نے اپنی کتاب ''الدولۃ الأمویۃ'' میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔

ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ جو اس منہج کی گہرائی نہیں جانتا ہے اُس کے لئے اسے تسلیم کرنا بھی مشکل ہے چہ جائیکہ اُسے اپنائے اور اس پر عمل کرے۔

میں اس بنیادی منہج کو قبول کرنے میں تردد کرنے والے ہر شخص کو دعوت دیتا ہوں کہ پہلے وہ خالی الذہن ہو جائے پھر اس کا دراسہ اور اس پر غور و تامل کرے، یقیناً وہ بھی اُسی نتیجہ پر پہنچے گا جہاں دوسرے لوگ پہنچے ہیں جو اس منہج کے داعی ہیں۔

اور سلف صالحین سے ایسی تصریحات منقول ہیں جو دین اسلام میں سند کی اہمیت واضح کرتی ہیں، چنانچہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ"۔

یقیناً یہ علم دین ہے، اس لئے دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔

اسی طرح فرمایا:

" لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ، قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ"۔ [1]

پہلے دور میں لوگ سند کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے، مگر جب فتنہ رونما ہوا تو کہنے لگے: ہمیں اپنے راویوں کے نام بتلاؤ، چنانچہ اہل سنت کو دیکھا جاتا اور ان کی حدیث لے لی جاتی اور اہل بدعت کو دیکھا جاتا اور ان کی حدیث نہیں لی جاتی۔

اور اس بارے میں عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، مقدمہ (۱/ ۱۴)، وسنن دارمی، مقدمہ (۱/ ۳)۔

''الإِسْنَاد مِنَ الدِّينِ، وَلَوْلاَ الإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ''۔ ①

سند دین کا حصہ ہے، اگر سند نہ ہوتی تو جو بھی شخص چاہتا دین میں من مانی بولتا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرنا اور ان کے بارے میں دلوں کو ستھرا رکھنا بھی دین کا حصہ ہے، کیونکہ انہوں نے ہی ہم تک دین کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا ویسے ہی صاف ستھرا پہنچایا ہے، بلکہ اہل سنت و جماعت نے اس چیز کو اپنے اصولوں میں سے ایک بنیادی اصول قرار دیا ہے جیسا کہ بات گزر چکی ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا دین ایمان اور احسان ہے، اور ان سے نفرت کرنا کفر نفاق اور سرکشی ہے''۔ ②

محمد بن حاتم بن المظفر رقمطراز ہیں:

''بیشک اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عزت بخشی ہے اور سند کے ذریعہ انہیں شرف وفضل سے نوازا ہے، قدیم و جدید تمام امتوں میں کسی کے پاس بھی متصل سند نہیں ہے، بلکہ ان کے ہاتھوں میں صرف صحیفے تھے، اور انہوں نے اپنی حدیثوں کو اپنے کتابوں سے گڈمڈ کرلیا تھا''۔ ③

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علم اسناد و روایت ان خصوصیات میں سے ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ

---

① صحیح مسلم، مقدمہ (۱/ ۱۵)۔

② شرح عقیدہ طحاویہ، ص (ص: ۴۶۷)، آٹھواں ایڈیشن، ۱۴۰۴ھ بتحقیق علامہ البانی۔

③ شرح المواہب، (۵/ ۴۵۴)۔

کو امتیاز بخشا ہے اور اُسے درایت کا زینہ قرار دیا ہے، چنانچہ اہل کتاب کے پاس کوئی سند نہیں ہے جس کے ذریعہ نقل کردہ باتوں کو روایت کریں، یہی حال اس امت کے گمراہ بدعتیوں کا بھی ہے۔ اسناد کی نعمت صرف اُسے ملی ہے جس پر اللہ نے اپنا عظیم احسان فرمایا ہے یعنی اہل اسلام اہل سنت کو، جس کے ذریعہ وہ صحیح وضعیف اور سیدھے وٹیڑھے کے درمیان فرق وامتیاز کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ اہل بدعت اور کفار کے ہاں صرف منقولات ہیں جنہیں وہ بلا سند بیان کرتے ہیں اور انہی پر ان کے دین کا دارومدار ہے، اس میں وہ حق وباطل کا علم رکھتے ہیں نہ بے کار اور کارآمد کی پہچان رکھتے ہیں، رہا مسئلہ اس امت مرحومہ اور امت معصومہ کے لوگوں کا تو اس میں سے اہل علم و دیندار حضرات اپنے دین کے معاملہ میں یقین پر قائم ہیں، چنانچہ ان کے سامنے سچائی اور جھوٹ ایسے ہی واضح ہیں جیسے دوآنکھ والے کے لئے صبح روشن ہوتی ہے"۔ (1)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ثقہ راوی کا ثقہ راوی سے روایت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنا، مسلمانوں کے علاوہ کسی اور کے یہاں موجود نہیں ہے، نیز اسلام کے بنیادی اصول ومبادی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کردہ شریعت اور اس سے متعلقہ تمام احکام ومسائل اسی قسم کے سلسلۂ اسناد سے ثابت ہیں"۔ (2)

ڈاکٹر محمد ابوشہبہ فرماتے ہیں:

"اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ کرنے والا یا متعصب نہ ہوں گا: کہ علماء حدیث نے نقد روایات کے لئے جو اصول وضع کئے ہیں وہ زمانہ قدیم اور عصر حاضر میں انسانی عقل جس بلندی اور

(1) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (۱/ ۹)۔

(2) اہتمام المحدثین بنقد الحدیث (ص: ۱۶۲-۱۶۳)۔

باریکی تک رسائی حاصل کرسکی ہے اس کا اعلیٰ ترین درجہ ہے...''۔ ①

اور امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے تب سے آج تک دنیا کی کسی امت میں امانتدار لوگ نہیں ہیں جو رسولوں کے آثار و فرمودات محفوظ و ازبر کریں سوائے اس امت میں''۔ ②

میں اللہ بلند و برتر و قدرت مند سے دعا گو ہوں کہ مجھے اس عظیم موضوع کی بھرپور وضاحت کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس کے واقعات کو کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ توہین وتنقیص کے بغیر حقیقی طور پر نمایاں کرے، اور پڑھنے والا اس میں ایسی تحقیق و جستجو پائے جو اُسے کسی اور جگہ نہ ملی ہو۔

اسی طرح میں اللہ عظیم و برتر سے دعا گو ہوں کہ اس کتاب کی تکمیل میں میری مدد کرنے والے تمام لوگوں کو عظیم ثواب سے نوازے اور انہوں نے جو بھی وقت اور محنت صرف کی ہے اس کا نیک صلہ عطا فرمائے، اور اس کوشش کو ان کے میزان حسنات میں شامل فرمائے جس دن کوئی مال و اولاد کام نہ آئیں گے سوائے اُس کے جو اللہ کے پاس صحیح سالم دل لے کر آئے گا۔

① دفاع عن السنۃ (ص:۳۶)۔

② اہتمام المحدثین بنقد الحدیث (ص: ۱۶۲-۱۶۳) نیز سند دین کا حصہ اور اس امت کی خصوصیت ہے کی وضاحت کے لئے ملاحظہ فرمائیں: الاسناد من الدین ومن خصائص أمۃ سید المرسلین، از ڈاکٹر عاصم بن عبداللہ القریوتی۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ

سے متعلقہ روایات کے مصادر

جن مصادر میں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کا موضوع آیا ہے ان کی دو قسمیں ہیں؛ بعض مصادر عام فتنوں کے بارے میں ہیں اور بعض مصادر قتل عثمان کے فتنہ کے ساتھ خاص ہیں، میں ذیل میں مفقود مصادر کا ذکر کروں گا جو مجھے نہ مل سکے، پھر بعض ان مصادر کا ذکر کروں گا جن سے میں نے اس کتاب کی تیاری میں استفادہ کیا ہے:

مفقود مصادر جو فتنوں کے بارے میں عمومی طور پر لکھے گئے:

ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ کتاب الفتن، از عثمان بن ابوشیبہ (وفات: ۲۲۷ھ)۔ [1]

۲۔ کتاب الفتن، از عبداللہ بن محمد بن ابوشیبہ (وفات: ۲۳۵ھ)۔ [2]

۳۔ کتاب الفتن، از اسماعیل بن عیسیٰ العطار البغدادی (وفات: ۲۳۲ھ)۔ [3]

مفقود مصادر جو خاص فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھے گئے:

ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

---

[1] الفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۲۸۵)۔

[2] مصدر سابق۔

[3] الفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۱۲۲)۔

۱۔ کتاب الشوریٰ ومقتل عثمان، از ابومخنف لوط بن یحییٰ (وفات: ۱۵۷ھ)۔[۱]

۲۔ مقتل عثمان، از ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ التمیمی، (وفات: ۲۱۰ھ)۔[۲]

۳۔ کتاب مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، از مدائنی ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابویوسف (وفات: ۲۱۵ھ)۔[۳]

۴۔ مقتل عثمان، از عمر بن شبہ بن عبید بن ریطہ ابومعاذ (وفات: ۲۶۲ھ)۔[۴]

۵۔ سیرت عثمان، از عیاشی ابوالنظر محمد بن سعود (وفات: ۳۲۰ھ)۔[۵]

۶۔ المقتل، از ابوالحسن محمد بن ابراہیم بن یوسف بن احمد بن یوسف الکاتب۔ ان کی پیدائش ۲۸۱ھ میں ہوئی، فقیہ تھے، ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے یہ کتاب بھی ہے۔[۶]

۷۔ کتاب المقتل، از عیسیٰ بن مہران[۷]، یہ ''بڑا ابرا آدمی تھا'' جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے[۸]۔

---

① الفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۱۰۵)، والفہرست عن طوسی، جیسا کہ ''علم التاریخ عند المسلمین'' از فرانز روزنثال (ص: ۳۱۱) میں ہے، وھدیۃ العارفین، از اسماعیل باشا، (۵/ ۸۴۲)۔

② الفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۵۹)، وکشف الظنون، از حاجی خلیفہ، (۲/ ۱۷۹۴)، نیز دیکھئے: علم التاریخ عند المسلمین، از فرانز روزنثال (ص: ۲۷۹)۔

③ الفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۱۱۵)، وعلم التاریخ عند المسلمین، از فرانز روزنثال (ص: ۲۷۹)۔

④ الفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۱۲۵)، وعلم التاریخ عند المسلمین، از فرانز روزنثال (ص: ۲۷۹)۔

⑤ علم التاریخ عند المسلمین، از فرانز روزنثال (ص: ۳۱۱ عن طوسی)، والفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۲۴۶، یا ۲۷۹)، وھدیۃ العارفین، از اسماعیل باشا، (۵/ ۸۴۲)، والأعلام، از امام زرکلی (۷/ ۹۵)۔

⑥ الفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۲۴۷)۔

⑦ الفہرست، از ابن الندیم، (ص: ۲۷۵)، وعلم التاریخ عند المسلمین، از فرانز روزنثال (ص: ۳۱۱ عن طوسی)، وھدیۃ العارفین، از اسماعیل باشا (۴/ ۵۴۱)۔

⑧ تاریخ بغداد، (۱۱/ ۱۶۸)۔

اور بڑا جھوٹا آدمی تھا جیسا کہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ①

یہ تمام کتابیں مفقود ہیں ہم تک ان میں سے صرف کچھ کتابوں کے معمولی اقتباسات امام طبری وغیرہ کے ذریعے پہنچے ہیں، یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ تاریخ ابن سعد اور دیگر مصادر جن سے میں نے فتنۂ شہادت عثمان کی روایتیں لی ہیں سوائے امام طبری کے، کسی نے بھی ابو مخنف کی کتاب سے کوئی روایت نقل نہیں کی ہے؛ شاید انہوں نے اُن سے اعراض کیا ہے کیونکہ اس کے یہاں بہت زیادہ جھوٹ اور تحریف موجود ہے جیسا کہ اس کی عادت ہے۔ ②

رہے وہ مصار جن سے میں نے اس کتاب کی تیاری میں استفادہ کیا ہے، تو ان میں کچھ مصادر اساسی و بنیادی ہیں اور کچھ ثانوی:

اولاً: اساسی و بنیادی مصادر:

چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ **کتاب الطبقات از ابن سعد:** یہ نہایت عمدہ اور نفیس کتاب ہے، اس کی سندیں روایتوں پر مقدم ہیں اور علو کی صفت سے متصف ہیں، کیونکہ اس کے مولف کی وفات تیسری صدی ہجری کے آغاز یعنی (سنہ ۲۳۰ھ) میں ہوئی ہے، اس وجہ سے ان کی سند کے دراسہ وتحقیق میں بڑی آسانی رہی ہے، نیز ان کی سندوں کے بیشتر راویان معروف ہیں اور ان کی سیرت وسوانح موجود ہے، سوائے ان کے استاذ واقدی کے اکثر اساتذہ کے۔ ③

---

① تاریخ بغداد، (۱۱/ ۱۶۸)۔

② امام ذہبی نے میزان الاعتدال (۳/ ۴۱۹-۴۲۰) میں اس کے بارے میں کہا ہے: ''گیا گذرا اخباری ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا''۔

③ جیسا کہ اُن کی روایات کی تحقیق کے وقت بکثرت آئے گا۔

اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ امام ابن سعد نے اپنی طبقات میں فتنۂ مقتل عثمان کے بارے میں سیف (بن عمر تمیمی) سے سرے سے روایت نہیں کیا ہے، بظاہر مجھے لگتا ہے کہ اس کا سبب حسب ذیل دو وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ ہے:

اول: یہ کہ انہیں فتنہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیف بن عمر تمیمی کی روایات کا علم ہی نہ ہو سکا۔

دوم: انہیں اُس کی روایات کا علم ہوا مگر اس کی سندیں انہیں راس نہ آئیں جو عام طور پر مرسل کے قبیل سے ہیں، اور اُس کے ساتھ تسامح اور نرمی نہیں اختیار کی جیسے اپنے استاذ واقدی کے ساتھ تسامح اختیار کیا جو اس سلسلہ میں بہت حد تک اُس سے مشابہت رکھتے ہیں، اگر چہ کہ واقدی کی روایات میں خاصی تعداد ایسی روایات کی موجود ہے کہ بظاہر لگتا ہے ان کی سندیں متصل ہیں۔

امام ابن سعد کی روایات پر عام طور پر اعتدال کا رنگ غالب ہے سوائے اس کے جسے وہ اپنے شیخ واقدی کی سند سے روایت کرتے ہیں، کہ اس میں کوئی اعتدال اور بھلائی نہیں ہے، بلکہ اس کے یہاں صحابۂ کرام کے مواقف کو عیب دار کرنے میں بے انتہا غلو اور مبالغہ آرائی کا پہلو غالب ہے۔

۲۔ **کتاب التاریخ**، از خلیفہ بن خیاط (وفات: ۲۴۰ھ) یہ کتاب بہترین مصادر میں شمار ہوتی ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے مصنف اپنی روایات کو سندوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں، کبھی کبھار بے اعتنائی کا بھی معاملہ کرتے ہیں۔

خلیفہ بن خیاط کی تاریخ بڑی حد تک طبقات ابن سعد سے مشابہت رکھتی ہے، بلکہ اپنی روایات کے متون کی سلامتی میں اُس پر فوقیت رکھتی ہے، اس اعتبار سے کہ فتنہ کو صحیح، صاف

ستھری صورت میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقف کو مسخ کیئے بغیر اپنی اصلی حالت میں نمایاں کرتی ہے، جبکہ امام ابن سعد کی طبقات فتنہ کی بابت روایات کی کثرت میں خلیفہ بن خیاط کی تاریخ سے ممتاز ہے۔

۳۔ **تاریخ الأمم والملوک**، از محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (وفات: ۳۱۰ھ)، امام ابن جریر طبری کا اس کتاب میں بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس میں کافی مواد اکٹھا کر دیا ہے، چنانچہ ان کی کتاب کئی مفقود کتابوں پر مشتمل ہے۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت امام طبری رحمہ اللہ کی روایات کا جائزہ لینے کے بعد جو خلاصہ میرے سامنے آیا وہ یہ ہے انہوں نے حسب ذیل صیغوں کے ذریعہ راویان سے روایتیں نقل کی ہیں:

الف: بلفظ ''حدثنی'': احمد بن ابراہیم، واحمد بن ثابت، واحمد بن زہیر بن ابوخیثمہ، واحمد بن عثمان بن حکیم، والحارث، وزیاد بن ایوب، وعبد اللہ بن احمد بن شبویہ، وعبد اللہ بن احمد المروزی، وعمر بن شبہ، ومحمد بن موسیٰ الحرشی، ویعقوب بن ابراہیم۔

ب: بلفظ ''قال'': علی بن محمد، ومحمد بن مسلمہ، وأبو بکر، وأبو المعتمر، وابو معشر، وابن عمر، وابن ابی سبرہ اور دیگر لوگ۔ ①

ج: بلفظ ''حُدّ ثت عن'': الحسن بن موسیٰ الأشیب، وزکریا بن عدی۔

د: بلفظ ''ذُکر عن'': ھشام بن محمد الکلبی۔

ھ: بلفظ ''ذَکر'': محمد بن عمر الواقدی۔

و: بلفظ ''فی روایۃ'': أبو مخنف، وسیف بن عمر التمیمی۔

---

① اسی طرح فرماتے ہیں: ''اور کچھ دیگر لوگوں نے کہا ہے''۔

ز: اور کبھی کبھار بہت تھوڑی معلومات کسی حوالہ کے بغیر ذکر کرتے ہیں۔

اور الگ الگ مصادر کی یہ روایتیں ہر قسم کی رطب یابس تاریخی باتوں پر مشتمل ہیں، بلکہ ان پر پہلی قسم یعنی غیر معتبر باتیں ہی غالب ہیں۔

اور یہ چیز اُن مصادر کے مصنفین کے رجحان و میلان سے تعلق رکھتی ہے جن پر مولف کتاب نے اپنی روایتیں جمع کرنے میں اعتماد کیا ہے۔

واضح رہے کہ یہ چیز امام طبری کے لئے باعث عیب نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ان روایات کو سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے اور جس نے سند نقل کر دی اُس نے حوالہ دے دیا اور بری الذمہ ہو گیا اور جس دور میں امام طبری زندگی گزار رہے تھے اس کا یہی شعار تھا۔

انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں فرمایا ہے:

''میری اس کتاب میں اگر کوئی ایسی خبر ہو جسے ہم نے بعض پچھلے لوگوں کے حوالہ سے ذکر کی ہو جس سے پڑھنے والے کو ناپسندیدگی یا سننے والے کو گھن محسوس ہوتا ہو، اس وجہ سے کہ وہ اس کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ یا حقیقت کا کوئی سبب نہ جانتا ہو، تو جان لینا چاہئے کہ وہ چیز ہماری جانب سے نہیں لائی گئی ہے بلکہ بعض ان لوگوں کی جانب سے آئی ہے جنہوں نے ہم تک منتقل کیا ہے، ہم نے اس چیز کو بعینہ اسی طرح منتقل کر دیا ہے جس طرح ہم تک پہنچایا گیا ہے''۔ ①

بلکہ امام طبری اس پر شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ ان کے اس عمل سے صحابۂ کرام کے خلاف ان بے بنیاد معلومات کے مصادر کی نقاب کشائی ہوتی ہے جنہیں لوگ فتنہ کے دور سے لیکر آج تک آپس میں نقل کرتے رہے ہیں۔

---

① تاریخ الأمم والملوک (۱/ ۸)۔

اور امام طبری رحمہ اللہ اپنے اس طریقہ میں منفرد نہیں ہیں بلکہ دوسری صدی ہجری میں ان کے دور کے محدثین اور دیگر علماء کرام کا یہی طریقہ تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام سلیمان بن احمد بن ایوب لخمی طبرانی رحمہ اللہ کی سیرت میں حسب ذیل بات ذکر فرمائی ہے:

''آپ نہایت معتبر بزرگ حافظ حدیث ہیں... اسماعیل بن محمد بن فضل تیمی رحمہ اللہ نے اس بارے میں آپ پر عیب لگایا ہے کہ آپ تنہا روایت کرنے والے راویوں کی (غریب) روایتیں جمع کرتے تھے باوجودیکہ ان میں سخت نکارت اور موضوع روایتیں بھی ہوتی تھیں، بلکہ بعض روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے قدیم لوگوں کی عیب جوئی اور طعنہ زنی بھی پائی جاتی تھی، جبکہ یہ معاملہ امام طبرانی کے ساتھ خاص نہیں ہے، لہٰذا صرف تنہا انہیں ملامت کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں ہے، بلکہ پچھلے ادوار کے اکثر محدثین سنہ دو ہجری اور اس کے بعد کے ائمہ کرام جب حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرتے تھے تو سمجھتے تھے کہ اب وہ اُس کی ذمہ داری سے بری ہو چکے ہیں، واللہ أعلم''۔ [1]

اس کے باوجود امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ بعض روایتوں کی شناعت اور گھناؤنے پن کے سبب اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے انہیں ذکر کرنے سے گریز کیا ہے۔ [2]

۴۔ کتاب ''المحن'' از ابوعرب (وفات: ۳۳۳ھ)، اس میں فتنۂ قتل عثمان سے متعلق روایتیں تھوڑی ہی ہیں، لیکن اس کے محقق نے اس کے متن کی ٹھوس تحقیق نہیں کی ہے، بلکہ کتاب کا قلمی نسخہ پڑھنے میں بہت ساری غلطیوں میں جا واقع ہوئے ہیں۔

---

① لسان المیزان، از حافظ ابن حجر (۳/ ۷۵)۔

② تاریخ الأمم والملوک (۴/ ۳۵۶)۔

ثانیاً: ثانوی مصادر:

چند حسب ذیل ہیں:

۱۔کتاب **"الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ"** از محب الدین طبری (وفات: ۶۹۴ھ)، اس کے مولف نے اس کتاب کی تیاری میں کئی مفقود مصادر پر اعتماد کیا ہے جیسے علامہ الملائی کی "السیرۃ" وغیرہ، البتہ انہوں نے اصلی مصادر پر کسی اہم معلومات کا اضافہ نہیں کیا ہے، لہٰذا اس کا معنی یہ ہے کہ گویا ان مفقود مصادر نے اصلی مصادر سے معلومات جمع کی ہیں۔

لیکن محب الدین طبری کی روایات کی قیمت اس لئے کم ہو جاتی ہے کہ وہ روایتیں سندوں سے خالی ہیں، کیونکہ وہ زیادہ تر صرف روایت کے مُسنِد (اصل راوی) کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور بقیہ سند چھوڑ دیتے ہیں اور روایت ذکر کرنے کے بعد اس کا حوالہ ذکر کر دیتے ہیں۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ مولف نے اپنی کتاب پر مقدمہ لکھا ہے جس میں اس کے مصادر کی فہرست ذکر کی ہے جن پر انہوں نے اپنی کتاب کی تالیف میں اعتماد کیا ہے، یہ فہرست اہتمام کے لائق ہے کیونکہ یہ کئی مفقود تاریخی مصادر کے ناموں پر مشتمل ہے۔

۲۔ کتاب **"التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ عنہ"**، از: محمد بن یحییٰ بن محمد بن یحییٰ اشعری مالکی، معروف بہ ابن بکر (وفات: ۷۴۱ھ)۔ [1]

اس کتاب کے مولف نے بھی پچھلے ذکر کردہ بنیادی مصادر پر کسی علمی مادہ کا اضافہ نہیں کیا ہے، بلکہ ان کی کتاب تقریباً سیف بن عمر تمیمی کی روایات کی تلخیص معلوم ہوتی ہے، ان میں سے زیادہ تر روایتیں امام طبری کی کتاب "تاریخ الامم والملوک" میں موجود ہیں، اور کبھی کبھی

---

[1] اِیضاح المکنون، از حاجی خلیفہ (۳ / ۳۲۲)، اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مولف کتاب اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ وہ یہ روایتیں سیف بن عمر کی کتاب سے براہ راست اخذ کر رہے ہیں، ممکن ہے انہوں نے وہ کتاب دیکھی ہو۔

۳۔ کتاب ''البدایۃ والنہایۃ'' از حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (وفات: ۷۷۴ھ)، اس مصدر سے میرا استفادہ اس کے مولف حافظ ابن کثیر کی تعلیقات اور بعض اسانید پر ان کے حکم تک محدود رہا ہے، کیونکہ انہوں نے بھی سابقہ مصادر جو ہمارے پاس موجود ہیں' میں کسی روایت کا اضافہ نہیں کیا ہے، زیادہ تر مصادر جن کی روایات پر انہوں نے اعتماد کیا ہے میں نے ان سے براہ راست روایتیں لی ہیں۔

رہے فتنہ سے متعلق دور حاضر میں لکھے گئے مراجع تو اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے، میں نے معلومات جمع کرنے میں ان سے استفادہ نہیں کیا ہے، کیونکہ میری شرط ہے کہ مسند روایات ہی پر اعتماد کروں گا۔

اور کتاب کے اخیر میں میں نے عقاد کی کتاب کو موضوع بحث بنایا ہے اور اس میں فتنۂ قتل عثمان کے بارے میں آئی ہوئی بعض غلطیوں پر نقد کیا ہے۔ ①

فتنۂ قتل عثمان کی بابت معاصرین کی تحریروں میں غور کرنے والا ان کی دو قسمیں پائے گا:

پہلی قسم: ان لوگوں کی ہے جو بدترین روایات کا انتخاب کرتے ہیں اور ان کی بنیاد پر اس واقعہ کو نہایت بگڑی ہوئی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

دوسری قسم: ان لوگوں کی ہے جو اچھی اور بُری ہر طرح کی روایات کو خلط ملط کرتے ہیں، روایات کے انتخاب میں ایک منہج اور طریقہ پر اعتماد نہیں کرتے ہیں، بلکہ جیسی تیسی روایتیں بھی ان کے ہاتھ لگتی ہیں لے لیتے ہیں پھر انہی کی بنیاد پر حق و باطل پر مبنی ایک ڈھانچہ قائم

---

① کتاب کا صفحہ (۲۷۱) ملاحظہ فرمائیں۔

کر دیتے ہیں۔

اسی طرح فتنہ قتل عثمان سے متعلق موجودہ دور کی ان کتابوں پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اس فتنہ کی الگ الگ تفسیر وتشریح کرتی ہیں، چنانچہ ان میں سے کچھ کتابیں قبائلی رخ پر چلتی ہیں، لہٰذا صحابۂ کرام کو قبائلی عصبیت سے وابستہ ثابت کرتی ہیں جس میں ہر قبیلہ خلافت کو اپنے قبیلہ کی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے، عثمان رضی اللہ عنہ سے چھیننا چاہتا ہے، نیز یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے قرابت داروں کو ترجیح دیتے تھے، چنانچہ بنو ہاشم چاہتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو جائیں اور بنو تمیم چاہتے تھے کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو جائیں۔

مگر صحیح روایات کا دراسہ کرنے کے بعد نتیجہ ضعیف روایات پر مبنی ان باطل وبے سروپا تفسیروں کے خلاف نکلا، لہٰذا یہ خیالی تصورات صحیح نہیں ہیں بلکہ اُس فضیلت والے دور میں اس کی سرے سے کوئی بنیاد ہی نہ تھی۔

جبکہ ان میں سے کچھ کتابیں فتنہ کی تفسیر میں مادی رخ پر چلتی ہیں، چنانچہ اس دور کے لوگوں کے بارے میں یہ تاثر دیتی ہیں کہ اُن پر دنیوی محبت غالب تھی اور ان میں حرص وطمع پھیل چکا تھا، لہٰذا انہوں نے محض دنیوی مال واسباب، اموال غنیمت اور عطیوں کی طلب میں آپس میں قتل وخونریزی کی تھی۔

یہ بات کئی وجوہ سے باطل ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے ساتھ ہی اپنے دلوں سے جاہلی تعصب کو نکال پھینکا تھا، اس کے دلائل وشواہد شمار سے باہر ہیں، یہاں تک کہ اسلامی دعوت کی اشاعت کی راہ میں بیٹا اپنے باپ کو بھی قتل کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا، اسی طرح دین کی خاطر ایک فرد اپنے کنبہ قبیلے سے دستبردار ہو جاتا تھا،

نیز اسلام پر تمسک کی راہ میں لوگ اپنی جائے پیدائش کو بھی خیر باد کہہ دیا کرتے تھے۔ ①

دوسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے فتنہ کی اس تشریح میں جن روایات پر اعتماد کیا ہے وہ ضعیف الاسانید ہیں انہیں ضعیف اور متہم راویان روایت کرتے ہیں۔

شاید ان دونوں منحرف نقطہائے نظر کی طرف ان کتابوں کی توجہ کا سبب بعض مدعیان اسلام پر مشرقی شیوعی الحادی اور مغربی رأسمالی مادی نظریات کا اثر ہو، لہٰذا انہوں نے اس قسم کے لوگوں کے کانوں میں پھونک ماردی ہوتا کہ وہ اس بے بنیاد تفسیر اور مطلق طور پر تمام ادوار میں سب سے افضل دور کی بابت غلط تصور کو مضبوط کریں، جس کے ذریعہ ان کے لئے اسلام اور مسلمانوں کو اندرونی طور پر کھوکھلا کرنا آسان ہو جائے، کیونکہ امت اپنے عقیدہ و تاریخ کی بنیاد پر جیتی اور مرتی ہے۔

میں اللہ برتر و قادر سے دعا گو ہوں کہ مجھے اس عظیم سانحہ کو بھرپور طریقے سے نمایاں کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کے ذریعہ اس کے واقعات و حوادث کی حقیقی صورتحال آشکارا ہو جائے، اور کسی بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ادنی گستاخی و بے ادبی نہ ہونے پائے، اور پڑھنے والے کو اس رسالہ میں ایسی تحقیق اور جانچ پڑتال ملے جو اسے کسی اور جگہ نہ مل سکی ہو۔

میں نے اس مقدمہ کے بعد ''عثمان رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی'' کے عنوان سے تمہید ذکر کی ہے۔ جس میں اُن کی ولادت سے عہد خلافت کے اواخر میں ظاہر ہونے والے فتنوں کی آگ بھڑکنے تک کی سرسری باتیں ذکر کی ہیں، اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پیش خیمہ ثابت ہونے والے فتنہ کی پیشین گوئی کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بھی شامل ہیں۔

---

① دیکھئے: المجتمع المدنی - مشرکین کے خلاف جہاد - از ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، ص (۵۸)۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی

(از ولادت تا شہادت)

نام ونسب اور پرورش:

آپ عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ابن کلاب ہیں [1] قریش کے ایک قبیلہ بنو امیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

آپ کی پیدائش صحیح قول کے مطابق مکہ مکرمہ میں واقعۂ فیل کے چھ سال کے بعد ہوئی [2] آپ کی پرورش اخلاق فاضلہ کریمانہ اور عمدہ سیرت و کردار پر ہوئی، آپ بڑے باحیاء [3] پاکیزہ نفس و زبان، سلجھی طبیعت والے اور سنجیدہ تھے لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے اجتناب کرتے تھے، سکون و اطمینان کی طرف مائل تھے، بدنظمی، جھگڑا تکرار اور چیخنا چلانا ناپسند کرتے تھے' بسااوقات اس سے دور رہنے کی چاہت میں اپنی زندگی بھی قربان کر دیتے تھے۔ [4]

---

① الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۵۳)، والاصابة فی تمییز الصحابة، از ابن حجر (۲ / ۴۶۲)۔

② الاصابة فی تمییز الصحابة، از ابن حجر (۲ / ۴۶۲)۔

③ جلد ہی ان کی بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت آئے گی کہ وہ بڑے باحیا تھے، نیز دیکھئے: الزھد، از امام احمد بن حنبل (۲ / ۳۹)، وحلیة الأولیاء، از ابونعیم (۱ / ۵۶)۔

④ جیسا کہ آئے گا کہ انہوں نے اپنی جان قربان کر دی اور اسے اپنے باغیان سے قتال کرنے پر ترجیح دیا۔

آپ کے حسن اخلاق اور نیک معاملہ کے سبب قریش کے لوگوں نے آپ سے بڑی محبت کی، حتیٰ کہ عربوں نے قریش کے لوگوں کی آپ سے محبت کو ضرب المثل بنالیا۔

اس سلسلہ میں شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ قریش میں بڑے محبوب تھے، لوگ انہیں اپنی وصیت کے لئے منتخب کرتے تھے اور ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے، بلکہ عرب کی خاتون اپنے بچے کو کھلاتے ہوئے یہ کہتی تھی:

أُحِبُّــكَ وَالرَّحْمَـنِ   حُبَّ قُرَيْشٍ عُثْمَانَ [1]

اللہ کی قسم میں تم سے ایسی محبت کرتی ہوں جیسے قریش عثمان سے کرتے تھے۔

عثمان رضی اللہ عنہ پلے بڑھے اور اپنی زندگی گزاری درانحالیکہ آپ مشرکین قریش کے درمیان تھے جو بتوں کی پرستش کرتے تھے، مگر قریش کے لوگ جس شرک و بت پرستی اور گندی عادات پر قائم تھے انہوں نے اپنے دل میں اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔

قبول اسلام:

عثمان رضی اللہ عنہ جاہلیت کی گندگیوں سے دور رہے کبھی زنا یا قتل وخونریزی کے مرتکب نہ ہوئے [2] اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت اِلی اللہ کا حکم دیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو وہ عثمان رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے ان کے پاس تشریف لائے، عثمان رضی اللہ عنہ نے معاملات میں فیصلہ کی بابت اپنی

---

① اسے ابن الأعرابی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے (ق ۸۸ أ) اور ان کے طریق سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت میں بسند مجالد بن سعید عن الشعبی روایت کیا ہے۔

② الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۶۷)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر در سیرت عثمان رضی اللہ عنہ بسند صحیح، دیکھئے: ضمیمہ روایت نمبر (۱۳۰)۔

عادت کے مطابق اس دعوت کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کیا تو دیکھا کہ یہ تو اچھائی اپنانے اور پست اخلاق سے کنارہ کشی کی دعوت ہے، یعنی توحید کی دعوت اور شرک سے انتباہ و بیزاری ہے، عبادت کی دعوت اور غفلت سے آگاہی ہے، عمدہ اخلاق کی دعوت اور بُرے اخلاق سے تنبیہ ہے۔

پھر اپنی قوم کی طرف دیکھا کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں، مردار کھاتے ہیں اور خونریزی وغیرہ کی شکل میں حرام امور کو حلال ٹھہراتے ہیں۔ [1]

دوسری طرف اللہ کے نبی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے امانتدار ہیں، ان کے بارے میں ساری بھلائی ہی جانتے ہیں، کبھی کوئی برائی نہیں جانتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی جھوٹ بولتے پایا گیا نہ آپ پر کبھی کوئی خیانت درج کی گئی، پھر آپ اللہ واحد کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح صلہ رحمی پڑوسی کے ساتھ اچھے برتاؤ، نماز، روزہ اور غیر اللہ کی عبادت سے بچنے کی دعوت دیتے ہیں۔ [2]

لہٰذا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اور اسلام لانے والے سابقین اولین میں شامل ہوئے۔ [3]

---

(۱) اس سلسلہ میں مشرکین کی حالت زار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی بابت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جو نقشہ کھینچا ہے اُسے السیر والمغازی از ابن اسحاق (ص: ۲۱۴-۲۱۵) میں ملاحظہ فرمائیں جسے انہوں نے بروایت یونس بن بکیر نقل کیا ہے جس کی سند کو عادل عبد الغفور نے اپنی کتاب ''مرویات العہد المکی من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (۲/ ۸۰۵) میں حسن قرار دیا ہے۔

(۲) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، از ابن حجر (۲/ ۴۶۲)۔

(۳) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، از ابن حجر (۲/ ۴۶۲)۔

ایذا رسانیوں پر صبر اور ہجرت:

کفار مکہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی نہ چھوڑا بلکہ انہیں سخت اذیت پہنچائی، پہلے پہل اسلام لانے والے اُن کے مومن بھائیوں کے ساتھ اُنہیں بھی مبتلائے عذاب کیا، انہیں ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا، دین کی بابت انہیں فتنہ میں ڈالا تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹا کر دوبارہ بتوں کی پرستش کی طرف پھیر دیں، نیز وہ خبیث و پلید چیزوں کو حلال سمجھیں، چنانچہ جب ان پر ایذا رسانی اور ظلم و عذاب کا سلسلہ دراز ہوگیا اور مشرکین نے ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے ذریعہ ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ان کے اور اُن کے دین کے درمیان رخنہ بن کر حائل ہوگئے [1] تو وہ حبشہ کی طرف نکل گئے، اُن میں سر فہرست عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ رقیہ بنت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و رضی اللہ عنہا تھیں [2]، اس طرح آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کرنے والے اس امت کے سب سے پہلے شخص قرار پائے۔ [3]

آپ اپنے دین و عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کی خاطر اپنے وطن اور گھر والوں کو چھوڑ کر اپنا دین بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے، یہ آپ کے ایمان و یقین، اپنے رب سے لگاؤ اور آخرت کی فکرمندی کی واضح دلیل ہے۔

آپ نے غربت و اجنبیت برداشت کی اور اپنا تجارتی مرکز، اہل مکہ کے درمیان سماجی مقام و مرتبہ اور اپنی بلند پایہ شخصیت کو داؤ پر لگا دیا، محض اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنا

---

① السیر والمغازی از ابن اسحاق (ص: ۲۱۴-۲۱۵) بروایت یونس بن بکیر، اس کی سند کو عادل عبدالغفور نے ”مرویات العہد المکی من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ (۲/ ۸۰۵) میں حسن قرار دیا ہے۔

② صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۲۶۳)۔

③ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، از ابن حجر (۴/ ۳۰۵)۔

ملک وطن چھوڑ کر دوسرے ملک منتقل ہوگئے، یہ کسی دنیوی تجارت یا مادی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ اخروی تجارت کے لئے تھا تاکہ دخول جنت اور جہنم سے نجات سے سرفراز ہوکر کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوسکیں۔

پھر جب افواہ پھیلائی گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہوگئے ہیں اور مہاجرین حبشہ تک یہ خبر پہنچی تو وہ وہاں سے لوٹ آئے یہاں تک کہ جب مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ مکہ والوں کے مسلمان ہونے کی خبر بے بنیاد ہے، نتیجتاً بعض مکہ والوں کے یہاں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، جو لوگ حبشہ سے واپس آئے تھے اُن میں عثمان بن عفان اور آپ کی زوجہ رقیہ رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ ①

بہر کیف عثمان رضی اللہ عنہ مکہ ہی پڑے رہے اہل مکہ کی ایذا رسانیاں اور ان کا ستم جھیلتے رہے اس کے باوجود آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی آپ اپنے دین وعقیدہ پر بدستور ڈٹے رہے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ طیبہ کی ہجرت کی تو ان کے ساتھ عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت فرمائی، اس طرح آپ ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ②

اسلام میں آپ کی سخاوت وفیاضی:

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف اسلامی فرائض وواجبات مثلاً نماز، روزہ اور ادائیگیٔ زکاۃ پر اکتفا نہ کیا بلکہ اسلام کی نشر اشاعت اور مسلمانوں کی مدد کی راہ میں اپنا قیمتی اور عمدہ سرمایہ

① سیرت ابن ہشام (۱/ ۳۶۴-۳۶۵)۔
② صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۳۶۳)۔

پیش کیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و مدد کی خاطر آپ نے اپنا بہت زیادہ مال خرچ کیا۔

مثال کے طور پر جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہاں رومہ نامی کنوئے [1] کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا نہ ہی مسلمانوں کے پاس مال تھا (جس سے وہ پانی خرید سکیں) لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ يَشْتَرِي بِئْرَ رُومَةَ فَيَجْعَلَ دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ بِخَيْرٍ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ"، فَاشْتَرَاهَا مِنْ صُلْبِ مَالِهِ"۔ [2]

کون ہے جو رومہ کے کنوئے کو اپنے لئے جنت میں اس سے بہتر نعمت کے بدلے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے۔ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسے اپنے ذاتی مال سے خرید کر وقف کر دیا۔

اسی طرح آپ نے غزوۂ تبوک میں بھی اپنا مال خرچ کیا، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے لئے تیار ہوئے تو ضروری اخراجات کم پڑ گئے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ"۔ [3]

جو تنگ حالی کے لشکر کو تیار کر دے اُس کے لئے جنت ہے۔

---

(۱) رومہ: راء پر ضمہ اور واؤ پر سکون کے ساتھ، مدینہ میں جرف اور زغابہ کے درمیان ایک جگہ ہے جہاں مشرکین نے جنگ خندق کے سال پڑاؤ ڈالا تھا، اس میں رومہ نامی کنواں تھا جسے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خرید کر وقف کیا تھا۔ معجم البلدان، از یاقوت حموی (۱۰۴۳)۔

(۲) مسند احمد (۱/ ۷۴-۷۵) و بتحقیق احمد شاکر (۲/ ۱۳-۱۴)، علامہ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، وسنن ترمذی (۵/ ۶۲۷-۶۲۸)، علامہ البانی نے اسے صحیح ترمذی (۳/ ۲۰۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب إذا وقف أرضاً أو بئراً واشترط لنفسه مثل دلاء المسلمین، حدیث (۲۷۷۸)۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بشارت سنی، وہ ایک خوشحال آدمی تھے، انہوں نے اس لشکر کو اپنے مال سے تیار کر دیا۔

بایں طور کہ ایک ہزار دینار لے کر آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن میں انڈیل دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اپنے دست مبارک سے پلٹنے لگے اور کہنے لگے:

"مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ، يُرَدِّدُهَا مِرَارًا"۔ [1]

ابن عفان آج کے بعد جو بھی عمل کریں انہیں کوئی نقصان نہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو بار بار دہرا رہے تھے۔

اللہ کی راہ میں جہاد:

عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے کسی میں بھی پیچھے نہ رہے، سوائے جنگ بدر کے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے شریک نہ ہوئے۔

اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنی زوجہ رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیمارداری کے لئے [2] مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا تھا اور مال غنیمت اور اجر میں آپ کا حصہ مقرر فرمایا تھا، لہٰذا انہوں نے حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل کی اور مدینہ میں رہ کر اُن کی دیکھ بھال کرتے تھے، جب ان کی وفات ہوگئی [3] اور وہ اُنہیں دفن کرنے جا رہے تھے تو خوشخبری دینے والے نے

---

(۱) مسند احمد (۴/ ۷۵)، و(۵/ ۶۳)، ومستدرک حاکم، امام ذہبی نے التلخیص (۳/ ۱۰۲) میں اسے صحیح کہا ہے، وسنن ترمذی (تحفۃ الأحوذی، ۱۰/ ۱۹۱-۱۹۳)، امام ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد (۹/ ۸۵) میں ذکر کیا ہے، اور عبدالقادر حبیب سندی نے اسے اپنی کتاب "مرویات غزوۃ تبوک" (ص: ۲۰۲، ۲۰۳) میں حسن قرار دیا ہے۔

(۲) الاصابۃ، از حافظ ابن حجر (۲/ ۴۶۲)۔

(۳) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اُنہیں خسرہ کی بیماری لاحق ہوئی تھی، الاصابۃ، (۴/ ۳۰۵)۔

بدر میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی کی خوشخبری سنائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹے تو آپ نے رقیہ کی ہمشیرہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح کر دیا، اسی لئے آپ ذوالنورین کے لقب سے ملقب کئے جاتے ہیں۔ (۱)

فتنہ کے وقوع اور عثمان رضی اللہ عنہ کے حق پر ہونے کی بابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عثمان غنی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بارہا اس بارے میں بتلاتے تھے کہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا جس میں عثمان غنی اور اُن کے ساتھی حق پر ہوں گے نیز فتنہ رونما ہونے کی صورت میں انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقوع فتنہ اور اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشگوئی کرنا حوادث و واقعات کی اس لمبی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے جن کی بابت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں بتلایا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد جلد ہی یہ واقعات رونما ہوں گے (۲)، ان میں سے کئی حادثات و واقعات پیش آ چکے ہیں، اور جو باقی ہیں ایک مدت بعد سہی وہ بھی حتمی طور پر رونما ہوں گے۔

البتہ یہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم الغیب ہونے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو اُس کی مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے، یہ دراصل وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ فرمایا ہے اور لوگوں کے سامنے اسے

---

(۱) الاصابۃ، از حافظ ابن حجر (۲/ ۴۶۲)۔

(۲) ان میں سے چند واقعات وحوادث کا ذکر امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (۲/ ۶۸۸-۷۱۳) میں کیا ہے۔

بیان کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ لوگوں کے سامنے واضح کر دیں کہ آپ مستقبل کا غیب نہیں جانتے ہیں، نہ ہی آپ کو کسی بھی قسم کے غیب کی کوئی اطلاع و آگاہی ہے سوائے اُس کے جس کا علم خود اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ [۱]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي نَفۡعٗا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۚ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ لَٱسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ ٱلۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُۚ إِنۡ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٞ وَبَشِيرٞ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ ۝١٨٨﴾ [الأعراف:۱۸۸]۔

آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ مشیئت ملکی و بشری دونوں طرح کے رسولوں کو عام ہے۔

اس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سمجھا جا سکتا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيۡءٖ مِّنۡ عِلۡمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَۚ﴾ [البقرۃ:۲۵۵]۔

اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو:

﴿عَٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلَىٰ غَيۡبِهِۦٓ أَحَدًا ۝٢٦ إِلَّا مَنِ ٱرۡتَضَىٰ مِن رَّسُولٖ﴾ [الجن:۲۷]۔

---

[۱] اس بارے میں تفسیر القرآن العظیم، از حافظ ابن کثیر ملاحظہ فرمائیں: (۲/ ۲۷۳) و (۴/ ۴۳۳)۔

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے۔

چنانچہ جس فتنہ میں عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے اُس کے رونما ہونے کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

"ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِتْنَةً، فَمَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ: **"يُقْتَلُ فِيهَا هٰذَا الْمُقَنَّعُ يَوْمَئِذٍ مَظْلُومًا"**، قَالَ: فَنَظَرْتُ، فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ"۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنہ کا ذکر کیا اُسی دوران ایک شخص وہاں سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس فتنہ میں اُس دن یہ روپوش شہید کر دیا جائے گا۔ کہتے ہیں: میں نے دیکھا تو وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔

کعب بن مرہ کعبی [2] بہزی رضی اللہ عنہ بھی اس واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ روایت کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کہ آپ نے فتنہ کا ذکر کیا اور اُسے قریب الوقوع بتلایا: اسی دوران عثمان رضی اللہ عنہ چہرہ چھپائے ہوئے وہاں سے گزرے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) مسند احمد (۲/ ۱۱۵) [حدیث: ۵۹۵۳] وبتحقیق احمد شاکر (۸/ ۱۷۱)، جامع ترمذی، تحفۃ الأحوذی (۱۰/ ۲۰۳)، اسے حافظ ابن حجر اور علامہ احمد شاکر نے صحیح قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر کی تصحیح کو علامہ مبارکپوری نے تحفۃ الأحوذی کے محولہ صفحہ پر نقل فرمایا ہے۔

(۲) کعب بن مرہ، اور مرہ بن کعب بھی کہا جاتا ہے، صحابی ہیں، پہلے بصرہ میں پھر اردن میں سکونت پذیر ہوئے، سنہ ۵۳ھ میں وفات پائے، تقریب التھذیب، از حافظ ابن حجر (۵۶۵۰)۔

"هَذَا يَوْمَئِذٍ وَأَصْحَابُهُ عَلَى الْحَقِّ وَالْهُدَى"۔ ①

یہ اور ان کے ساتھی اُس دن حق و ہدایت پر ہوں گے۔

خواہ یہ دونوں روایتیں دو الگ واقعات سے متعلق ہوں یا ایک واقعہ سے، بہر کیف اس فتنہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیاں دونوں واقعات میں ثابت ہیں، جبکہ کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ عثمان اور ان کے ساتھی اس فتنہ میں حق پر ہوں گے۔

اور اس چیز نے کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات سے کون مراد ہے اس کی مزید تحقیق و جستجو کریں، لہٰذا وہ اٹھ کر اس شخص کے پاس آئے اور ان کے دونوں بازوؤں کو پکڑا تو دیکھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، وہ انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو آئے اور پوچھا: یہ صاحب؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: جی ہاں! یہ"۔ ②

یوں تو کعب رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۵۰ ھ کے بعد ہوئی مگر ایسی کوئی بات نہیں ملتی کہ وہ بلوائیوں کے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کے محاصرہ کے وقت موجود تھے کہ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بتلاتے تا کہ ان میں سے دھوکہ میں مبتلا حضرات رجوع کر لیتے، ممکن ہے اس کہ وجہ یہ رہی ہو کہ وہ اس وقت ملک شام میں رہے ہوں کیونکہ ان کی وفات

---

① مسند احمد بن حنبل، حدیث: (۱۸۰۶۸)۔

② مسند احمد بن حنبل (۴/ ۱۰۹، حدیث: ۱۸۱۱۸)، (۵ ۲۳-۲۳۶، ۲۴۲) و (۵/ ۳۳، ۳۵)، وفضائل الصحابۃ (۱/ ۴۴۸-۴۵۰)، وسنن ترمذی، تحفۃ الأحوذی (۱۰/ ۱۹۸-۱۹۹)، وسنن ابن ماجہ (۱/ ۴۱)، وصحیح سنن ابن ماجہ (۱/ ۲۴)، وأسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳/ ۴۸۵-۴۸۶)، علامہ البانی نے اسے السلسلۃ الصحیحۃ (حدیث: ۳۱۱۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

وہیں ہوئی تھی۔

بظاہر لگتا ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث لوگوں کو حادثۂ شہادت عثمان کے کئی سالوں بعد بیان فرمائی، ہم یہ پہلو کعب سے روایت کرنے والوں سے اخذ کر رہے ہیں، کیونکہ ان سے یہ بات محمد بن سیرین، عبداللہ بن شقیق اور ابوالأشعث صنعانی نے روایت کی ہے۔

اور محمد بن سیرین کی پیدائش اس وقت ہوئی جب عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی تھے، لہٰذا اگر ہم یہ اندازہ لگائیں کہ محمد بن سیرین نے ان سے چودہ سال کی عمر میں سنا ہوگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ان سے فتنہ کے بارہ سال بعد بیان کی ہے۔

رہا مسئلہ ابوالاشعث کی روایت کا تو یقینی طور پر وہ فتنہ کے بعد کی ہے، کیونکہ روایت کا مضمون اس کی صراحت کرتا ہے کہ روایت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی ہے، اور عبداللہ بن شقیق بھی انہی دونوں کے طبقہ کے ہیں۔

اسی طرح وہ حدیث ہے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، جب انہوں نے محاصرہ والے دن عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ گفتگو کرنے کی اجازت مانگی، جب انہیں اجازت ملی تو کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا فرمائی، پھر کہا:

''إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: "**إِنَّكُمْ تَلْقَوْنَ بَعْدِي فِتْنَةً وَاخْتِلَافًا**"، أَوْ قَالَ: "**اخْتِلَافًا وَفِتْنَةً**"، فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مِنَ النَّاسِ: فَمَنْ لَنَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "**عَلَيْكُمْ بِالْأَمِينِ وَأَصْحَابِهِ**"، وَهُوَ يُشِيرُ إِلَى عُثْمَانَ بِذَلِكَ''۔ [1]

---

(1) مسند احمد (۴/ ۱۰۵،۱۰۹-۱۱۰،۵/ ۳۳۳، حدیث: ۸۵۴۱) بسند صحیح، وتاریخ دمشق، ابن عساکر، سیرت عثمان (۲۸۹)۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: یقیناً تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف کا سامنا کروگے، یا کہا: اختلاف اور فتنہ دیکھوگے۔ تو لوگوں میں سے کسی نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس وقت ہمارے لئے کون ہوگا؟ فرمایا: اس وقت تم امین اور اس کے ساتھیوں کو لازم پکڑنا۔ اس سے آپ کا اشارہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔

فتنہ کے آغاز کی تاریخ:

کچھ ایسی روایتیں بھی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فتنہ کے رونما ہونے کی تاریخ بھی متعین فرماتے ہیں، جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا:

"تَدُورُ رَحَى[1] الْإِسْلَامِ عَلَى رَأْسِ خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ، أَوْ سِتٍّ وَثَلَاثِينَ، أَوْ سَبْعٍ وَثَلَاثِينَ ..."۔[2]

اسلام کا معاملہ سنہ پینتیس ہجری یا چھتیس ہجری یا سینتیس ہجری کے آغاز تک استقامت کے ساتھ جاری رہے گا...۔

---

① "رحیٰ" چکی کو کہتے ہیں جس سے اناج وغیرہ پیسا جاتا ہے، دیکھئے: لسان العرب، از ابن منظور (۱۴/۳۱۲)۔

② مسند احمد بن حنبل (۱/۳۹۰، ۳۹۳-۳۹۴، حدیث: ۳۷۰۷)، و بتحقیق احمد شاکر (۵/۲۶۳-۲۶۴، ۵/۲۶۷)، وسنن ابو داود (۴/۹۸)، وعون المعبود (۱۱/۳۲۷-۳۲۸)، والمعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان (۱/۳۵۵)، وشرح السنۃ، از بغوی (۱۵/۱۸)، ومستدرک حاکم (۳/۱۱۴، ۴/۵۲۱)، والکامل، از ابن عدی (۲/۷۴۲)، اسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی موافقت فرمائی ہے، علامہ البانی فرماتے ہیں: کہ حدیث کا حکم وہی ہے جو ان دونوں صاحبان نے کہا ہے، نیز اسے ابو الطیب آبادی نے اور احمد شاکر نے بھی صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: عون المعبود (۱۱/۳۲۷-۳۲۸)، والسلسلۃ الصحیحۃ، از علامہ البانی (۲/۷۰۳)۔

یہ حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ ان تین سالوں میں سے کسی سال میں فتنہ رونما ہوگا۔اس بات کا بھی احتمال ہے کہ شک راویان حدیث میں سے کسی راوی کی جانب سے ہوا ہو،اور اگر بالفرض شک کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف صحیح مان بھی لی جائے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان سالوں میں سے جس سال میں چاہے گا فتنہ رونما ہوگا۔

اور اللہ کی مشیت کے مطابق سنہ ۳۵ھ میں فتنہ کی آگ بھڑکی جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہوئی۔

ان احادیث میں وہ حدیث بھی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فتنہ کو دجال کے فتنہ کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں،اس اعتبار سے کہ یہ فتنہ لوگوں کو زوردار انداز میں گھسیٹ لے گا،لوگ اس کی زد میں آجائیں گے،نیز یہ کہ جو اس سے نجات پالے وہ حقیقت میں نجات پالے۔

چنانچہ عبد اللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مَنْ نَجَا مِنْ ثَلَاثٍ، فَقَدْ نَجَا – ثَلَاثَ مَرَّاتٍ –: مَوْتِي، وَالدَّجَّالُ، وَقَتْلُ خَلِيفَةٍ مُصْطَبِرٍ بِالْحَقِّ مُعْطِيهِ"۔ ①

جو تین چیزوں سے نجات پا گیا حقیقت میں وہ نجات پا گیا- تین مرتبہ-: میری موت،دجال،اور حق پر ڈٹے رہنے والے خلیفہ کا قتل جو حق دینے والا ہوگا۔

اور یہ معلوم ہے کہ جس خلیفہ کو حق پر ڈٹے رہتے ہوئے شہید کیا گیا درانحالیکہ وہ قتل یا حق دینے والا تھا،وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔

چنانچہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

---

① مسند احمد(حدیث:۱۶۹۷۳،۱۷۰۰۳،۱۷۰۰۶،و۲۰۳۵۵)،والسنۃ،از ابن ابی عاصم (۱۱۷۷)۔

اور حدیث میں - واللہ أعلم - اس فتنہ میں حسی یا معنوی طور پر پڑنے سے بچنے کی طرف بڑا عظیم اشارہ ہے۔ رہا حسی طور پر تو وہ فتنہ کے دور میں اکسانے، بھڑکانے اور قتل وخونریزی وغیرہ کی صورت میں ہوگا۔

جبکہ معنوی طور پر فتنہ رونما ہونے کے بعد ہوگا، بایں طور کہ اس میں بے جا کرید کی جائے، ناحق بات کی جائے وغیرہ، ایسی صورت میں حدیث ساری امت کے لئے عام ہوگی فتنہ کے دور میں رہنے والوں کے ساتھ خاص نہ ہوگی، واللہ أعلم۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئی:

جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیشینگوئی فرمائی ہے ان میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی خوشخبری دیدیں، جو انہیں ایک مصیبت میں شہید ہونے کے نتیجہ میں حاصل ہوگی۔ [۱]

اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ اُحد [۲] پر تھے آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے، اسی دوران پہاڑ لرز اٹھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مسند احمد (۴/ ۱۰۵، ۱۰۹-۱۱۰، ۵/ ۲۸۸، ۳۳، حدیث: ۱۹۶۴۳)، اس کی سند حسن یا صحیح ہے، وصحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۲۱-۲۲، ۴۳، ۵۲-۵۳، ۱۰/ ۵۹۷، ۱۳، ۴۳، ۲۲۰، حدیث: ۳۶۹۳)، وصحیح مسلم (ص: ۱۸۶۷-۱۸۷۹)، ومسند احمد (۴/ ۳۹۳، ۴۰۷)، وسنن ترمذی (۵/ ۶۳۱)، وحلیۃ الأولیاء، از ابونعیم (۱/ ۵۷-۵۸)، وشرح السنۃ، از بغوی (۱۰/ ۱۰۸)۔

(۲) یہ ایک پہاڑ ہے اُس کے اور مدینہ طیبہ کے درمیان تقریباً ایک میل کا فاصلہ ہے، یہ مدینہ کے شمال میں سرخ رنگ کا ہے، جنگ اُحد کا نام اسی نسبت سے ہے، معجم البلدان، از یاقوت حموی (۱/ ۱۰۹)۔

''اسْكُنْ أُحُدُ، فَلَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ''۔ ①

اُحد ٹھہر جا، کیونکہ تیری پشت پر صرف ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

چنانچہ نبی اور صدیق تو معروف ہیں اس کے بعد عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے لئے تیسری صفت یعنی شہادت ہی باقی رہ جاتی ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں صریح شہادت ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہوں گے، اور یہ گواہی دوسری مرتبہ ایک دوسرے واقعہ میں ایک دوسرے پہاڑ یعنی کوہِ حراء پر مکرر ہوئی ہے۔ ②

چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

'' أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، كَانَ عَلَى حِرَاءٍ هُوَ وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَطَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ، فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ''اهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ، أَوْ صِدِّيقٌ، أَوْ شَهِيدٌ''۔ ③

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کوہِ حراء پر تھے، اتنے میں چٹان لرز گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھہر جا، کیونکہ تیرے اوپر صرف نبی ہے، یا صدیق ہے یا شہید ہے۔

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۲۲، ۴۲، ۵۳)، ومسند احمد (۳/ ۱۱۲)، وسنن ترمذی (۵/ ۶۲۴)، وسنن ابوداود (۴/ ۲۱۲)، وسنن نسائی کبری، جیسا کہ تحفۃ الأشراف میں ہے (۱/ ۳۰۷)۔

② یہ مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو منیٰ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول وحی سے پہلے اس میں عبادت کیا کرتے تھے، جبریل علیہ السلام آپ کے پاس اسی میں تشریف لائے تھے، یاقوت حموی نے معجم البلدان میں یہ باتیں ذکر کی ہیں پھر یہ حدیث ذکر فرمائی ہے، البتہ اتنا اضافہ کیا ہے کہ یہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا (۲/ ۲۳۳-۲۳۴)۔

③ صحیح مسلم (ص: ۱۸۸۰، حدیث: ۲۴۱۷)، ومسند احمد (۲/ ۴۱۹، حدیث: ۹۴۳۰)، وسنن ترمذی (حدیث: ۳۶۹۶)، تحفۃ الأحوذی (۱۰/ ۱۸۶-۱۸۷)، وسنن کبریٰ نسائی جیسا کہ تحفۃ الأشراف میں ہے (۹/ ۴۱۱)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات عملی طور پر سچ ثابت ہوئی، بایں طور کہ عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم سبھی شہید ہوئے۔

اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی جانب سے اطلاع کے ذریعہ اس فتنہ کے وقوع پذیر ہونے کا علم تھا اور آپ عثمان رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے نیز اپنے دنیا سے چلے جانے کے بعد امت کی مصلحتوں کے بڑے حریص تھے، اس لئے ایک دن آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اُنہیں اس فتنہ سے متعلق کچھ باتیں بتلائیں جو آپ کی شہادت پر ختم ہوگا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان باتوں کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کوشش کی، حتیٰ کہ ہمارے پاس ان میں سے صرف وہی باتیں آئیں جن کی عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے دوران صراحت فرمائی جب ان سے پوچھا گیا کہ: آخر آپ جنگ کیوں نہیں کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

”لَا، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَهِدَ إِلَيَّ عَهْدًا، وَإِنِّي صَابِرٌ نَفْسِي عَلَيْهِ“۔ [1]

نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک تاکیدی حکم دیا ہے، میں اپنے آپ کو اس پر جمائے رہوں گا۔

اُن کی اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فتنہ کی آگ بھڑکنے کے وقت صحیح موقف کی رہنمائی فرمائی تھی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتنہ کو آگے بڑھنے سے روکنا

---

① مسند احمد (۱/ ۵۷-۵۸، ۶۹)، وبتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۳۴، ۳۷۷)، وسنن ترمذی، تحفۃ الأحوذی (۵/ ۱۰، ۱۳۱/ ۲۰۹)، وسنن ابن ماجہ (۱/ ۴۲)، ومصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ (۱/ ۱۹)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۶۶-۶۷)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۲)، ومسند الحمیدی (۱/ ۱۳۰)، وصحیح ابن حبان، الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان، ۹/ ۳۵)، وحلیۃ الأولیاء، از ابو نعیم (۱/ ۵۸)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۲۸۳-۲۸۵)، نیز اسے محب طبری نے الریاض النضرۃ (۳/ ۵۹) میں ذکر کیا ہے، سبھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے نقل کیا ہے، علامہ کتانی، احمد شاکر اور البانی رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

چاہتے تھے۔

اور بعض روایات میں اس سرگوشی میں ہوئی راز دارانہ باتوں کی مزید وضاحت ہے، چنانچہ اس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا:

’’وَإِنْ سَأَلُوكَ أَنْ تَنْخَلِعَ مِنْ قَمِيصٍ قَمَّصَكَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَلَا تَفْعَلْ‘‘۔[1]

اگر یہ لوگ آپ سے اُس قمیص سے بے دخل ہونے کا مطالبہ کریں جو قمیص آپ کو اللہ نے پہنائی ہے (یعنی خلعت خلافت سے دستبردار ہونے کا) تو ایسا نہ کرنا۔

اس حدیث کا معنیٰ یہ نہیں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کسی ایسی بات کا حکم دیا تھا جس میں خلافت یا اس جیسی کوئی اور بات تھی جیسا کہ بعض لوگ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوچتے ہیں، بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے جس تاکیدی بات کا ذکر کیا ہے اس مضمون کا تعلق فتنے سے تھا نیز اس میں ڈٹے رہنے اور اس سے دستبردار ہونے سے گریز کا حکم تھا جیسا کہ بات گزر چکی ہے۔

البتہ ان احادیث سے اتنا ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک نہ ایک دن ضرور خلیفہ ہوں گے۔

---

[1] یہ بات امام حمیدی، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں آئی ہے جن کا حوالہ سابقہ حاشیہ میں گزر چکا ہے، یہ اضافہ صحیح ہے، کیونکہ امام حمیدی کے یہاں اس اضافہ کے راوی سفیان بن عیینہ ہیں۔

فتنہ کے بارے میں عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ نصیحتیں جن میں بعض رازدارانہ تھیں:

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس فتنہ سے متعلق کچھ وصیتیں اور رہنمائیاں تھیں جن کا علم صرف عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اُن کی رازداری مطلوب تھی، اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کرنا چاہا تو ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ وہاں سے دور ہو جائیں۔ ①

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے بالکل خفیہ گفتگو فرمائی باوجودیکہ اس جگہ ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی نہ تھا، یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رازدارانہ بات بڑی عظیم تھی، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس رازداری کو فتنہ سے مربوط کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ سرگوشی اُسی فتنہ کے بارے میں تھی جس میں ان کی شہادت کا جانکاہ واقعہ پیش آیا۔

کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان میں سے کچھ باتیں سن رہی تھیں، چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتی ہیں:

''فَلَمْ أَحْفَظْ مِنْ قَوْلِهِ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: ''وَإِنْ سَأَلُوكَ أَنْ تَنْخَلِعَ مِنْ قَمِيصٍ قَمَّصَكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَلَا تَفْعَلْ''۔ ②

---

① کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: ''تنحی'' (کنارے ہو جاؤ)، اور ''تنحی'' کا معنیٰ واپس ہو جانا ہے یعنی یہاں سے چلی جاؤ۔ القاموس المحیط، از فیروز آبادی (۴/۳۹۶)، ولسان العرب، از ابن منظور (۱۵/۳۱۱)۔

② سابقہ دو حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

مجھے آپ کی کوئی بات یاد نہ رہی سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ لوگ آپ سے اُس قمیص (منصب خلافت) سے نکل جانے کا مطالبہ کریں جو آپ کو اللہ نے پہنائی ہے (نوازا ہے) تو ایسا نہ کرنا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرگوشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے عثمان رضی اللہ عنہ کو کچھ ہدایات پر مشتمل تھی تا کہ وہ منصب خلافت سے دستبردار ہونے کے مطالبہ کے موقع پر صحیح موقف اختیار کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف فتنہ کے وقوع کی خبر نہیں دی، بلکہ اس کے بارے میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی علانیہ بتلا دیا تھا- جیسا کہ حدیث گزر چکی ہے-، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رازدارانہ گفتگو کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سرگوشی فتنہ رونما ہونے کی خبر دینے کے علاوہ مزید دوسری چیزوں پر مشتمل تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے صیغۂ راز ہی میں باقی رکھنا چاہا جس کے پیچھے کوئی حکمت کارفرما تھی جو اسی کی متقاضی تھی جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

یہ حدیث ہمارے سامنے بڑے نمایاں طور پر اس سبب کی وضاحت کرتی ہے جس کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے وقت جنگ کرنے سے انکار کیا تھا، اسی طرح اس سبب کی بھی وضاحت کرتی ہے جس کی وجہ سے قوم کی جانب سے خلافت سے تنازل کرنے اور اس سے بے دخل ہونے کی پیشکش کی جا رہی تھی تو انہوں نے اس کا بھی انکار کر دیا تھا۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے یہ دو موقف ایسے ہیں جن کے اسباب کے بارے میں محققین و باحثین عرصۂ دراز سے سوال کرتے آ رہے ہیں اور اسے انہوں نے ناقابل فہم قرار دیا ہے۔

یہ ساری باتیں ہمیں پابند کرتی ہیں کہ ہم حد درجہ احتیاط برتیں اور محاصرہ کے موقع پر عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سخت تحفظ برتیں، کیونکہ ممکن ہے وہ مواقف

نبی کریم ﷺ کی نصیحتوں اور رہنمائیوں پر عمل کرتے ہوئے اختیار کیئے گئے ہوں، بلکہ بعض مواقف یقینی طور پر اسی قبیل سے ہیں جیسے خلافت سے تنازل اختیار کرنے کا مسئلہ۔

یہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ سے متعلق نبی کریم ﷺ سے مروی چند صحیح احادیث ہیں جو معلوم ہوسکیں، چند اور روایتیں بھی مروی ہیں مگر تحقیق کے بعد مجھے معلوا ہوا کہ ان کی سندیں ساقط وضعیف ہیں استدلال کے قابل نہیں ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان احادیث کو سننے کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اس چیز کا تحقق ہو کر رہے گا خواہ زمانہ کتنا ہی دراز کیوں نہ ہو جائے، چنانچہ آپ اس وعدہ کے وقوع کا وقتاً فوقتاً انتظار کیا کرتے تھے کہ عنقریب انہیں اپنے ہی دور خلافت میں بھڑکنے والے ایک فتنہ میں مظلومانہ شہید کیا جائے گا اور اس فتنہ میں آپ اور آپ کے ساتھی حق پر ہوں گے، نیز نبی کریم ﷺ نے انہیں اس فتنہ کے وقت اپنی پیروی کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ یقیناً عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ مخصوص حدیثیں اور پیشینگوئیاں انہیں اس قلق اور بے چینی کے امتزاج کے ساتھ خوشی فراہم کرتی تھیں، کہ آخر یہ پیشینگوئی کب اور کیسے پوری ہوگی؟

عثمان رضی اللہ عنہ بڑے عقلمند اور باحیا- بلکہ بے انتہا حیا کرنے والے- آدمی تھے، آپ نے دور جاہلیت یا عہد اسلام میں کبھی بھی امارت کے بارے میں جھگڑا نہیں کیا، نہ سرداران مکہ سے ریاست وسرداری کے بارے میں مقابلہ کیا، نہ ہی اس کی لالچ وخواہش کی، کیونکہ یہ چیز آپ کے اعلیٰ اخلاق اور عظمت ووقار کے بالکل خلاف تھی، اس کے باوجود کہ آپ عنقریب امیر المؤمنین ہوں گے- اگر چہ آپ ناپسند بھی کریں- ان حدیثوں نے آپ کو خلافت کی لالچ اور اس کی جستجو کرنے پر آمادہ نہیں کیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے

وقت اس بارے میں انہوں نے کوئی بحث ومناقشہ کیا، نہ ہی اُن کے پاس -ایک نہ ایک دن- عنقریب اپنے خلیفہ ہونے کے جو دلائل تھے انہیں پیش کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی، بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی؛ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دونوں ان سے زیادہ افضل اور خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، ابھی ان کا وقت نہیں آیا ہے۔

اس طرح انہوں نے بہترین اخلاق و کردار کے ساتھ دونوں کی خلافت کے ایام گزارے یہاں تک کہ ایک دشمن اسلام مجوسی کے ہاتھوں خلیفۂ دوم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ ①

عثمان رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین:

ان دنوں اسلامی معاشرہ میں بعض تبدیلیاں رونما ہونے لگیں کیونکہ اسلام خوب پھیلا، بلاد فارس وروم سے جنگیں ہوئیں، ان کے ممالک فتح کئے گئے لہٰذا اُن میں سے بعض لوگوں نے اسلام ظاہر کیا اور کفر چھپایا، یہ لوگ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کی سازشیں کرتے تھے، اس کے نتیجہ میں انہی میں سے ایک شخص کے ہاتھوں عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس کافر مجوسی کے خنجر گھونپنے کے بعد بیمار تھے اُسی دوران چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کسی کے بارے میں وصیت فرما دیجئے جو آپ کے بعد خلیفہ ہو۔

---

① یہ ابولؤلؤہ مجوسی تھا، دیکھئے: تاریخ الاسلام، از امام ذہبی، عہد خلفاء راشدین، (ص: ۲۸۱)۔

انہوں نے فرمایا:

”میں اس منصب کا اُن لوگوں سے زیادہ حقدار کسی کو نہیں پاتا جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے“ پھر حضرات عثمان، علی، زبیر، طلحہ، سعد اور عبد الرحمن رضی اللہ عنہم کا نام لیا“۔

نیز فرمایا:

”عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تمہارے درمیان مشورہ میں شریک رہیں گے، انہیں کسی معاملہ کا کوئی اختیار نہیں ہوگا- یہ بات ان کی دلجوئی اور تسلی کے لئے فرمائی- اور اگر امارت سعد کے ذمہ آئے تو وہ امیر ہوں گے، ورنہ تم میں سے جو کوئی امارت کے منصف پر فائز ہو وہ ان سے مدد لے کیونکہ میں نے انہیں کسی عاجزی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے“۔

مزید فرمایا:

”میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کا خصوصی خیال رکھے، ان کے حقوق کی رعایت کرے اور ان کی تعظیم و احترام قائم رکھے۔ اسی طرح میں اُسے انصار کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جو دار الہجرت اور دار الایمان (مدینہ طیبہ) میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے پہلے سے مقیم ہیں، اور یہ کہ ان میں سے نیک کار کا عمل قبول کرے اور گنہگار کو معاف کردے، اسی طرح میں اُسے شہر والوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اسلام کے حمایتی ہیں، ان کے ذریعہ مال اکٹھا ہوتا ہے اور وہ اپنی کثرت وقوت کے ذریعہ دشمن کو غضبناک کرتے ہیں، نیز یہ کہ اُن کی رضامندی سے اُن کی ضرورت سے زائد مال ہی لیا جائے۔

اسی طرح میں اُسے دیہاتیوں کے بارے میں بھی خیر کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اصل

عرب اور اسلام کا بنیادی سرمایہ ہیں، نیز یہ کہ ان سے وہ مال لیا جائے جو سب سے عمدہ نہ ہو اور اسے ان کے فقیروں میں لوٹا دیا جائے۔

نیز میں اُسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذمہ نبھانے کی (جو اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ کیا ہے) وصیت کرتا ہوں کہ اس عہد و پیمان کو پورا کیا جائے، اگر دشمن انہیں زک پہنچانا چاہے تو ان کے تحفظ کے لئے جنگ کی جائے اور ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ ٹیکس نہ لگایا جائے۔

جب ان کی وفات ہوگئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں لے کر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے پاس آئے، عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے سلام کیا، کہا عمر بن خطاب اجازت چاہتے ہیں، خطاب کے بیٹے اجازت چاہتے ہیں، انہوں نے فرمایا: انہیں اندر داخل کرو[1]، چنانچہ انہیں اندر لے جا کر آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفنایا گیا، اور دفن

---

[1] کیونکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیماری کی شدت میں اپنے بیٹے عبداللہ کو ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا تھا تاکہ وہ جا کر اُن سے کہیں:

"يَقْرَأُ عَلَيْكِ عُمَرُ السَّلاَمَ ... وَيَسْتَأْذِنُ أَنْ يُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيْهِ. فَسَلَّمَ وَاسْتَأْذَنَ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَيْهَا، فَوَجَدَهَا قَاعِدَةً تَبْكِي، فَقَالَ: يَقْرَأُ عَلَيْكِ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ السَّلاَمَ، وَيَسْتَأْذِنُ أَنْ يُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيْهِ، فَقَالَتْ: كُنْتُ أُرِيدُهُ لِنَفْسِي، وَلَأُوثِرَنَّهُ بِهِ اليَوْمَ عَلَى نَفْسِي" (صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۶۰-۶۱)۔

عمر رضی اللہ عنہ آپ کو سلام عرض کرتے ہیں.... اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کئے جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ بہر کیف انہوں نے سلام کیا اجازت مانگی پھر ام المؤمنین کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں، فرمایا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کئے جانے کی اجازت مانگتے ہیں، انہوں نے جواب دیا: یہ چیز میں اپنے لئے چاہتی تھی، مگر آج میں اس کے لئے اُنہیں اپنی ذات پر ضرور ترجیح دوں گی۔

کے بعد یہ جماعت (عمر رضی اللہ عنہ کی نامزد کردہ شوریٰ) اکٹھا ہوئی۔

عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ اپنا معاملہ اپنے تین لوگوں کے حوالے کردو، یہ سن کر زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنا معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردیا، طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنا معاملہ عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا، اور سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنا معاملہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردیا۔

تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اب آپ دونوں میں سے جو منصب خلافت سے بیزاری اختیار کرے گا ہم اُسے اُسی کے سپرد کردیں گے، اللہ تعالیٰ اور اسلام اُس پر نگہبان ہیں ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے خیال میں کون افضل ہے۔ اس پر یہ دونوں حضرات (عثمان اور علی رضی اللہ عنہما) خاموش ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ حضرات اس انتخاب کی ذمہ داری مجھ پر ڈالتے ہیں، اللہ مجھ پر نگہبان ہے میں آپ حضرات میں سب سے افضل کا انتخاب کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا؟ دونوں صاحبان نے کہا: جی ہاں۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان دونوں میں سے ایک (علی رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: آپ کو اللہ کے رسول ﷺ سے قرابت ہے اور اسلام لانے میں سبقت کا شرف بھی حاصل ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، لہٰذا اللہ آپ کا نگراں ہے، اگر میں آپ کو خلیفہ بنادوں تو آپ ضرور بالضرور عدل وانصاف سے کام لیں گے اور اگر عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادوں تو اُن کا حکم سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے۔

اس کے بعد دوسرے صاحب کو تنہائی میں لے گئے اور ان سے بھی ایسی ہی بات کہی، اور جب ان سے عہدو پیمان لے لیا تو فرمایا: عثمان! اپنا ہاتھ بڑھایئے، اور خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کی، اسی طرح علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر اہل شوریٰ کے بعد مدینہ والے آئے

اور انہوں نے بھی بیعت کی۔ ①

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت پر اتفاق کیا، اس بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اسْتَخْلَفْنَا خَيْرَ مَنْ بَقِيَ، وَلَمْ نَأْلُهُ"۔ ②

ہم نے باقی لوگوں میں سب سے بہتر کو خلیفہ بنایا، ہمیں ان کی بابت کسی بات کی پروا نہیں۔

عثمان رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے' آپ بہترین حالت میں اور ایمان کے ٹھوس درجے پر قائم تھے، چنانچہ جب آپ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا کہ: آپ جنت اور جہنم کا تذکرہ کرتے ہیں تب تو نہیں روتے! مگر اس چیز سے روتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

"إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "**الْقَبْرُ أَوَّلُ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ، فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ**"۔ ③

یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: قبر آخرت کی پہلی منزل ہے، اگر (بندہ) اس سے نجات پالے گا تو اس کے بعد کی منزل اس سے زیادہ آسان ہے، اور اگر اس

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۶۰-۶۲)۔

② الطبقات، از امام ابن سعد (۳/ ۶۳)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۰۷)، اس کی سند صحیح ہے۔

③ کتاب الزہد، از امام احمد بن حنبل، ص (۴۲)، وسنن ترمذی (۴/ ۵۵۳)، وسنن ابن ماجہ (۲/ ۱۴۲۶)، علامہ البانی نے اسے صحیح ابن ماجہ (۲/ ۴۲۱) میں اور صحیح سنن ترمذی (۲/ ۲۶۷) میں حسن قرار دیا ہے۔

سے نجات نہ پا سکے گا تو اس کے بعد کی منزل اس سے زیادہ سخت ہے۔

اور آپ رضی اللہ عنہ تہجد میں لمبی نماز پڑھا کرتے تھے۔ [1]

احتیاط اور اہتمام:

شاید عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی پیشینگوئیوں کے جلد واقع ہونے کی توقع تھی، جس کے سبب آپ نے لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں نرمی کا رویہ رکھا اور رعایا کے ساتھ تعامل میں تسامح اور درگزر کا طریقہ اپنایا، تاکہ حتیٰ الامکان فتنوں سے بچیں اور اگر فتنے رونما ہوں تو اُن کی ضرب ہلکی ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کی پیشینگوئی کے سبب فتنوں کا رونما ہونا یقینی تھا۔

عثمان رضی اللہ عنہ اپنے پورے دورِ خلافت میں اسی تدبیر و حکمت عملی پر چلتے رہے مگر اس کے باوجود نبی کریم ﷺ کی پیشینگوئی عملی طور پر پیش آئی اور انتظار کیا جانے والا فتنہ رونما ہوا۔

یہ فتنہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری سال میں واقع ہوا۔

یہ فتنہ کیسے واقع ہوا؟ اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف کیا تھا؟ اور اس فتنہ کی آگ بھڑکنے کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف کیا تھا؟ ذیل کی سطور میں اس فتنہ کے حوادث و واقعات کی تفصیل صحیح اور حسن روایات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

---

① الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۷۵-۷۶)، والزہد، از امام احمد بن حنبل ص (۴۰) وغیرہما، اس کی سند حسن ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے وجوہِ جواز

تمہید:

میں چاہتا ہوں کہ فتنہ کی تفصیلات میں جانے سے پہلے خلیفہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی بغاوت کے وجوہِ جواز کے بارے میں تاریخی مصادر ومراجع نے جو کچھ نقل کیا ہے اس پر ایک غائرانہ نظر ڈالوں، کیونکہ لوگوں کے درمیان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کے جو اسباب جواز پھیلے ہوئے ہیں ان کا جائزہ لینے سے صحت وضعف کے اعتبار سے حسب ذیل تین قسمیں بنتی ہیں:

پہلی قسم: وہ عیوب جن کے بارے میں صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہیں وجہ جواز بنا کر باغیوں نے آپ کے خلاف بغاوت کی یا ان کی بنیاد پر آپ پر عیب لگایا۔

دوسری قسم: وہ عیوب جن کے بارے میں صحیح طور پر ثابت نہیں ہے کہ انہیں وجہ جواز بنا کر باغیوں نے آپ کے خلاف بغاوت کی، بلکہ ان کا ذکر ضعیف الاسناد روایتوں میں آیا ہے۔

تیسری قسم: وہ عیوب جن کی مجھے کوئی سند نہیں ملی، بلکہ حادثہ کے بعد کے مصادر ومراجع میں بلاسند مشتہر ہوگیا کہ بغاوت کرنے والوں نے ان عیوب کو وجہ جواز بنا کر آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

ان تینوں قسموں کے عیوب میں کچھ چیزیں عثمان رضی اللہ عنہ پر جھوٹا بہتان ہیں،

کچھ چیزیں آپ کی فضیلت و منقبت ہیں جنہیں بغض و کینہ سے بھرے دلوں نے عیب و نقص میں بدل دیا ہے، جبکہ ان میں سے بقیہ چیزیں وہ امور ہیں جن کی بنیاد پر وہی عیب جوئی کرسکتا ہے جو بد باطن ہو اور ایک باطل و بے بنیاد چیز کو وجہ جواز بنا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہو۔

آئندہ سطور میں ان تینوں قسموں کے عیوب اور ان کے تحت آنے والے وجوہِ جواز کے بارے میں تفصیلی گفتگو ملاحظہ فرمائیں:

پہلی قسم: جن صحیح چیزوں کو وجہ جواز بنا کر باغیوں نے بغاوت کی یا آپ پر عیب لگایا:

پہلی چیز: عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہونا:

غزوۂ بدر سنہ ۲ھ میں پیش آیا، اس وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قریش کے قافلہ کا پیچھا کرنے کے لئے کہا، جو لوگ تیار تھے انہیں لے کر عوالی مدینہ والوں کا انتظار کئے بغیر فوری نکلنے کے لئے کہا، کیونکہ آپ کو بالکل جلدی نکلنا تھا۔[1]

اتفاق سے عین اسی موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں بستر مرگ پر پڑی تھیں، اس بات کی سخت ضرورت مند تھیں کہ کوئی ان کی تیمار داری اور دیکھ بھال کرے، اور اس چیز کے لئے سب سے بہتر اُن کے شوہر تھے؛ کیونکہ بیوی اپنے شوہر کے

[1] اس غزوہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں: مرویات غزوۃ بدر، از علیمی، والمجتمع المدنی - الجهاد ضد المشرکین، از ڈاکٹر اکرم العمری، (۳۹، ۵۹)۔

علاوہ کسی ساتھ پوری طرح آزاد نہیں ہو سکتی، ان تمام اسباب کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے شوہر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مدینہ میں اپنی بیوی کے پاس رہ کر ان کی تیمارداری کریں، اور غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں آپ کا حصہ لگایا، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے اجر وثواب کا کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اجر بھی ملے گا''۔ [1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہوئے مگر ان کی حیثیت حاضر ہونے والوں جیسی تھی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مالِ غنیمت اور اجر وثواب میں حصہ دار بنایا تھا۔

اور صحابۂ کرام کو اس چیز کا علم تھا مگر ان میں کسی سے بھی ثابت نہیں کہ اُس نے اُن کے جنگ بدر میں حاضر نہ ہونے کو عیب جوئی کا سبب بنایا ہو، اور اسی پر معاملہ جاری رہا۔

یہاں تک کہ فتنہ کے چشمے پھوٹے اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے لوگوں کے سامنے ان چیزوں کو ظاہر کرنا شروع کیا جنہیں وجہ جواز بنا کر انہوں نے ان کے خلاف بغاوت کی، چنانچہ انہوں نے اُن پر جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کا بھی عیب لگایا۔

مگر اس بات سے جاہل لوگ ہی دھوکہ کھا سکتے ہیں ورنہ علم وبصیرت والے جانتے ہیں کہ

---

[1] صحیح بخاری مع فتح الباری (۷ / ۵۴، ۳۶۳، وسنن ترمذی (۵ / ۶۲۹)، ومسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۸ / ۱۰۱-۱۰۲، ۱۹۹--۲۰۰)، والمعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان (۳ / ۱۶۰)، ومسند طیالسی (۲۶۴)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۵۴-۲۵۶)، اسے محب طبری نے اپنی کتاب الریاض النضرۃ (۳ / ۲۴-۲۵) میں ذکر کیا ہے، اور عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ''وأجري يا رسول الله ﷺ؟'' (اے اللہ کے رسول! میرا اجر وثواب!) صرف تنہا امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (ص: ۳۰) میں ذکر کیا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ کا غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونا نبی کریم ﷺ کے حکم سے تھا، اور جو جنگ بدر میں حاضر ہوئے تھے انہیں وہ عظیم اجر و ثواب نبی کریم ﷺ کے حکم کی بجا آوری کے سبب ہی حاصل ہوا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کے حکم سے حاضر ہونے والا اور آپ کے حکم سے حاضر نہ ہونے والا دونوں بالکل برابر ہیں۔

اور اسی بنا پر امام زہری[١]، عروہ بن زبیر[٢]، موسیٰ بن عقبہ[٣]، ابن اسحاق[٤] اور دیگر لوگوں نے[٥] عثمان رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں حاضر ہونے والوں میں ذکر کیا ہے۔

اور جب ان میں سے ایک شخص[٦] ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر اُن سے عثمان رضی اللہ عنہ کے جنگ بدر میں شریک ہونے کے بارے میں پوچھنے لگا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس میں حاضر نہ تھے، یہ سن کر سوال کرنے والے نے خوشی اور شماتت ظاہر کرتے ہوئے "اللہ اکبر" کہا! تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُسے بلا کر وضاحت فرمائی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدر میں حاضر نہ ہونا ان کی اپنی جانب سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تھا، اس لئے اسے ان میں عیب شمار نہیں کیا جائے گا، چنانچہ فرمایا:

---

① تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (ص: ٢٩، ٣١)۔

② تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (ص: ٣٠)۔

③ تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (ص: ٢٩، ٣١)۔

④ تہذیب سیرت ابن اسحاق، از ابن ہشام (٢ / ٦٧٨-٦٧٩)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (ص: ٢٩، ٣٠)۔

⑤ المعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان الفسوی (٣ / ١٥٩-١٦٠)۔

⑥ احتمال ہے کہ وہ علاء بن عرار تھا، (فتح الباری، ٧ / ٣٦٤)، جبکہ بعض روایتوں میں صراحت ہے کہ وہ مصری تھا، (فتح الباری، ٧ / ٥٤، ٥٩)۔

”وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ، فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَكَانَتْ مَرِيضَةً، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ”**إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا، وَسَهْمَهُ**“۔ [1]

رہا اُن کا جنگ بدر میں حاضر نہ ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی اُن کے نکاح میں تھیں اور وہ بیمار تھیں، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً تمہیں جنگ میں شریک ہونے والے ایک شخص کا ثواب اور اس کا حصہ ملے گا۔

لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ جنگ بدر سے اجر وثواب سے بے اعتنائی یا بزدلی یا خوف کی بنا پر پیچھے نہ رہے تھے بلکہ جذبہ دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کی بنیاد پر حاضر نہ ہوئے تھے۔

نیز جیسا کہ گزر چکا ہے کہ چونکہ نفیر عام نہ تھی اس وجہ سے بہت سارے صحابہ جو عوالی میں تھے اسی طرح جو کوچ کی تیاری کے وقت موجود نہ تھے جنگ بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت جلد نکلنے کا حکم فرمایا تھا؛ اس اندیشہ سے کہیں ان کے ہاتھ سے قافلہ نکل نہ جائے۔

اس لئے جنگ بدر میں حاضر نہ ہونا ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں عیب نہ تھا جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں موجود رہنے کا حکم نہیں دیا تھا، تو بھلا اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کے

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۷ / ۵۴، ۳۶۳، حدیث: ۳۶۹۸)، وسنن ترمذی (۵ / ۶۲۹)، ومسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۸ / ۱۰۱-۱۰۲، ۱۹۹-۲۰۰)، والمعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان فسوی (۳ / ۱۶۰)، ومسند طیالسی (۲۶۴)، و تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۲۵۴-۲۵۶)، علامہ محب طبری نے اسے الریاض النضرہ (۳ / ۲۴-۲۵) میں ذکر فرمایا ہے۔

حق میں کیسے عیب ہو سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مدینہ میں رہے؟

عثمان رضی اللہ عنہ کے جنگ بدر میں حاضر نہ ہونے کو اُن کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز بنانے کی قلعی اس بات سے بھی کھل جاتی ہے کہ یہ لوگ ان صحابہ پر عیب نہیں لگاتے ہیں جن کے لئے جنگ بدر میں نکلنا ممکن نہ ہو سکا، اگر یہ کسی عذر کی بنا پر رہا ہو تو عثمان رضی اللہ عنہ کا عذر ان کے عذر سے زیادہ بڑا اور ٹھوس تھا، مگر ہمارے سامنے اس قبیل کی کوئی چیز منقول نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف ان چیزوں کی تاک میں رہتے ہیں جن سے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی راہ ہموار کر سکیں۔

نیز جن کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات میں حاضری کا سچا جذبہ موجود ہو ان کے لئے کسی عذر کی بنا پر اُس میں حاضر نہ ہونا کسی حرج و گناہ کا باعث نہیں بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خیر خواہ ہوں، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں واضح فرمایا ہے، ارشاد ہے:

﴿لَّيْسَ عَلَى ٱلضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى ٱلْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا۟ لِلَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۚ مَا عَلَى ٱلْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى ٱلَّذِينَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا۟ وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا۟ مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾﴾ [التوبہ: ۹۱-۹۲]۔

ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں۔ ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے۔ ہاں ان پر

بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری مہیا کر دیں تو آپ جواب دیتے ہیں کہ میں تو تمہاری سواری کے لئے کچھ بھی نہیں پاتا، تو وہ رنج وغم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انہیں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں۔

لہٰذا ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ اللہ نے ان کی نیکی اور اخلاص کی شہادت دی ہے۔

البتہ جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت مانگ رہے تھے درانحالیکہ وہ مالدار و بے نیاز تھے ان کے پاس کوئی عذر نہ تھا اس کے باوجود وہ جنگ سے پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہنے کے لئے راضی ہوئے، تو ایسے لوگ گنہ گار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ انکے دلوں پر مہر لگا کر سزا دے گا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّمَا ٱلسَّبِيلُ عَلَى ٱلَّذِينَ يَسْتَـْٔذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوا۟ بِأَن يَكُونُوا۟ مَعَ ٱلْخَوَالِفِ وَطَبَعَ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾﴾ [التوبہ: ۹۳]۔

بیشک انہیں لوگوں پر راہ الزام ہے جو باوجود دولتمند ہونے کے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ یہ خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں اور ان کے دلوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے جس سے وہ محض بے علم ہو گئے ہیں۔

لہٰذا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات میں سے کسی غزوہ میں خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی بنا پر شریک نہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت اور اجر وثواب میں اس کا حصہ لگائیں، وہ اُن لوگوں کے مقابل اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس پر کوئی الزام نہ ہو، جو قدرت و استطاعت نہ ہونے کے سبب جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر انہوں نے غلطی کی ہو اور بلا عذر غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوئے ہوں تو بھی یہ انہیں باندھ کر قتل کرنے کی وجہ جواز نہیں ہے، نہ ہی خلیفۂ وقت ہوتے ہوئے ان کے خلاف بغاوت کرنے ہی کی وجہ جواز بن سکتی ہے!!

اور اگر عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہونے کے سبب گنہ گار تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ان کی سرزنش کیوں نہیں فرمائی؟ کیا اس چیز کے سبب یہ عثمان رضی اللہ عنہ پر طعنہ جوئی کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دین کا علم رکھتے ہیں؟!

باوجودیکہ یہ اوباش لوگ ہیں، انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت حاصل ہے نہ کوئی فضیلت ومنقبت، نہ ہی کبھی خیر و بھلائی کے ذریعہ ان کی پہچان رہی ہے، اگر فتنہ نہ ہوتا تو یہ پہچانے بھی نہ جاتے نہ ہی ان کا کوئی ذکر ہوتا۔

علامہ ابونعیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور اگر ان پر جنگ بدر اور بیعت رضوان سے غیر حاضر رہنے کا عیب لگایا جائے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: جس غیر حاضری کی بنا پر وہ عیب جوئی کے مستحق ہوں گے وہ یہ ہے کہ ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت ہو، کیونکہ اہل بدر کو جنگ بدر میں حاضری کی جو فضیلت حاصل ہوئی اس کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور آپ کی فرمانبرداری ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا معاملہ نہ ہوتا تو بدر میں حاضر ہونے والے تمام کفار بھی اس شرف وفضیلت کے حقدار ہو جاتے! دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی وہ سبب ہے جس نے انہیں اس فضیلت ومقام تک پہنچایا، دراصل عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی بدر میں نکلنے والوں کے ساتھ نکل چکے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کی دیکھ بھال کے لئے انہیں واپس لوٹا دیا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اور آپ کے روکنے کے

سبب آپ رضی اللہ عنہ ایک عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی پر مامور ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے لئے مال غنیمت اور اجر وثواب میں حصہ مقرر فرمایا، اس طرح وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کے سبب اہل بدر کے ساتھ مال غنیمت اور اجر وثواب دونوں میں شریک رہے"۔ ①

دوسری چیز: عثمان رضی اللہ عنہ کا غزوۂ اُحد سے پشت پھیر لینا:

عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے لئے ایک وجہ جواز یہ بھی بنائی گئی کہ وہ معرکۂ اُحد میں حاضر نہ ہوئے جو شوال سنہ ۳ھ میں مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مدینہ طیبہ کے شمال میں واقع کوہِ اُحد سے قریب پیش آیا تھا۔

مسلمانوں نے جنگ کے آغاز میں غلبہ ونصرت حاصل کی اور کئی مشرکین کو قتل کیا، اس بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ ٱللَّهُ وَعْدَهُۥٓ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِۦ ۖ﴾

[آل عمران: ۱۵۲]۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ رہے تھے۔

مگر بعض مجاہدین کی جانب سے حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں مسلمانوں نے اپنی مقررہ جگہوں کو کھو دیا اور کسی منصوبہ کے بغیر یونہی لڑنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کی تمیز نہ کر سکے اور انہیں حسرت وندامت اٹھانی پڑی، بہت سے لوگ

---

① الامامۃ، از ابونعیم، بتحقیق ڈاکٹر علی ناصر فقیہی، (ص: ۳۰۱-۳۰۲)۔

میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے ، اور کچھ لوگ جنگ کرنے کے بجائے ایک کنارے کھڑے ہو گئے جبکہ کچھ لوگوں نے زندگی کے بجائے موت کو گلے لگایا اور آخری دم تک لڑتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا۔ ①

اللہ تعالیٰ نے فرار اختیار کرنے والوں کا اور انہیں معاف کر دینے کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ تَوَلَّوْاْ مِنكُمْ يَوْمَ ٱلْتَقَى ٱلْجَمْعَانِ إِنَّمَا ٱسْتَزَلَّهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُواْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝١٥٥﴾ [آل عمران:۱۵۵]۔

تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مدبھیڑ ہوئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آگئے لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور تحمل والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جنگ اُحد کے دن پشت دکھانے والے تمام لوگوں کو معاف کر دیا ہے، لہٰذا اِن معافی پانے والوں میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو فضیلت وسبقت میں عثمان رضی اللہ عنہ سے کمتر ہیں، تو عثمان رضی اللہ عنہ اپنی فضیلت، سبقت اسلام اور نیکیوں کی کثرت کے باوجود اس میں کیسے داخل نہ ہوں گے۔ ②

---

① اس غزوہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں: المجتمع المدني - الجهاد ضد المشركين ص: ۶۵، ۸۶)، ومرویات غزوۃ اُحد، از حسین باکری۔

② منهاج السنة النبوية، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶ / ۲۹۸)۔

لیکن آپ کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے اللہ کی جانب سے اس معافی کی کوئی پروا نہ کی بلکہ یہ پروپیگنڈہ کیا کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے جنگ احد سے فرار کو ان کی عیب جوئی کا سبب بنایا ہے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اس بات کو وجہ جواز بنانا کسی خطا کار مجتہد یا گمراہ جذباتی کی وجہ جواز نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ ایک گمراہ گر فساد پرور شخص کا وجہ جواز بنانا ہے جو محض وہ باتیں تلاش کرتا ہے جس سے اس کی فساد پروری کو وجہ جواز فراہم ہو سکے۔

ورنہ یہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ پر ایک ایسی بات کا عیب نہ لگاتے جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے اور اس بارے میں ان کی مغفرت کر چکا ہے، نہ ہی مسلمانوں کے درمیان ان کے ولی اُمر امیر المؤمنین خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اس کا پروپیگنڈہ کرتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے جنگ اُحد سے فرار اختیار کرنے سے اُن کا قتل حلال نہیں ہو جاتا، بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مغفرت فرما دی ہے، اور اگر وہ اس بات کے مستحق ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں سزا دیئے بغیر نہ چھوڑتے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی خلافت پر بیعت نہ کرتے۔

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگ اُحد کی بابت عثمان رضی اللہ عنہ کے موقف میں کوئی ایسی چیز محسوس نہ کی جو اُن کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے میں تردد کی موجب ہو بعد ازیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور دیگر تمام فرار اختیار کرنے والوں کو معاف کر دیا ہے۔

بلکہ اُن کے دیگر مواقف میں وہ خوبیاں اور کمالات محسوس کیا جو انہیں حکومت کی سب سے بڑی ذمہ داری یعنی منصب خلافت کا اہل بنا دیتی ہے۔

مگر آپ کے خلاف بغاوت کرنے والے محض فتنہ انگیزی، سرکشی اور خلیفہ کے قتل کے

وجوہ جواز تلاش کیا کرتے تھے، اس لئے اس معاملہ اور اس جیسے دیگر دوراز کارُ وجوہِ جواز کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان پر شیطان غالب ہو چکا تھا یہاں تک کہ انہیں اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا تھا[1] اور ان کے بدکرتوت کو ان کے لئے آراستہ کر کے انہیں راہ راست سے بھٹکا دیا تھا جبکہ وہ اپنے آپ کو راہ ہدایت پر سمجھتے تھے۔

اور جب اس خارجی[2] نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عثمان رضی اللہ عنہ کے جنگ اُحد میں شریک نہ ہونے کے بارے میں پوچھا اور اُنہوں نے ان کی عدم شرکت کی گواہی دی تو اُس خارجی نے عثمان رضی اللہ عنہ پر ہنستے ہوئے اللہ اَکبر کہا! لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس سے کہا: اِدھر آ تا کہ میں تجھے بتلاؤں اور تو نے مجھ سے جو پوچھا ہے اُس کی وضاحت کروں: رہی بات اُن کے جنگ اُحد میں حاضر نہ ہونے کی تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا ہے اور ان کی مغفرت کر دی ہے... اب اپنے ساتھ یہ گواہی اور وضاحت بھی لے جا۔[3]

---

[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿ٱسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ ٱلشَّيْطَٰنُ فَأَنسَىٰهُمْ ذِكْرَ ٱللَّهِ﴾ [المجادلۃ:۱۹]۔
ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کرلیا ہے، اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔

[2] صحیح بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ شخص مصری تھا (فتح الباری، ۷/ ۵۴)، اور حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ وہ شخص علاء بن عرار تھا (فتح الباری، ۷/ ۳۶۴)۔

[3] صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۵۴، ۳۶۳)، وسنن ترمذی (۵/ ۶۲۹)، ومسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۸/ ۱۰۱-۱۰۲، ۱۹۹-۲۰۰)، والمعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان فسوی (۳/ ۱۶۰)، ومسند طیالسی (۲۶۴)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۲۵۴-۲۵۶)، علامہ محب طبری نے اسے الریاض النضرہ (۳/ ۲۴-۲۵) میں ذکر فرمایا ہے۔

تیسری چیز: عثمان رضی اللہ عنہ کے بیعت رضوان میں حاضر نہ رہنے کا دعویٰ:

بیعت رضوان ذی القعدہ سنہ ٦ ھ کے آغاز میں ایک سمرہ کے درخت تلے مکہ مکرمہ سے قریب حدیبیہ [١] نامی مقام پر ہوئی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بیعت کی دعوت اس وقت دی تھی جب آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ والوں سے گفت وشنید اور ان کے سامنے مسلمانوں کی آمد کا مقصد واضح کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ ان کا مقصد جنگ نہیں بلکہ صرف عمرہ ادا کرنا ہے، مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے واپس آنے میں تاخیر محسوس کی اور آپ کو خبر ملی کہ مشرکین نے انہیں قتل کر دیا ہے تو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے مشرکین سے لڑنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی۔

البتہ اس خبر کے جھوٹ ہونے کے امکان کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر بیعت کی۔

اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں بیعت رضوان میں شریک صحابہ کرام کی فضیلت بیان فرمائی ہے، اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بیان فرمائی ہے۔

چنانچہ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَّقَدْ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ١٨﴾ [الفتح:١٨] [٢]۔

---

① علامہ مجد الدین ابن الاثیر فرماتے ہیں: ''یہ لفظ آخری یاء پر بغیر تشدید کے ساتھ ہے مگر بہت سے محدثین اسے تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں'' النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر (١/٣٤٩)۔

② اس آیت کریمہ کی تفسیر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں: (٤/١٩٠-١٩١)۔

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔
ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث میں سے ایک حدیث میں حدیبیہ کے روز بیعت رضوان میں حاضر صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا:

''أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الأَرْضِ''۔ [1]

تم دنیا کے سب سے بہتر لوگ ہو۔

اسی طرح دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

''لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ، الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا''۔ [2]

ان شاء اللہ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے' اُن میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اس بیعت کی ادائیگی کے بعد ہی سے یہ اُس میں حاضر ہونے والوں کے لئے فخر و منقبت کا سبب رہی، لوگ ان کی فضیلت اور قدر و منزلت جانتے ہیں، اور مدینہ طیبہ اور دیگر مقامات پر رہنے والے جو مسلمان اس بیعت میں شریک نہ ہوئے تھے ان پر اس بیعت میں حاضر نہ ہونے کا عیب نہیں لگایا جاتا۔ البتہ جب لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی شروع کی اور عیب جوئی کے اسباب ڈھونڈھنے لگے تب انہوں نے ظاہر

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۴۴۳، حدیث: ۴۱۵۴)۔
② صحیح مسلم (حدیث: ۲۴۹۶)، ومسند احمد (۶/ ۴۲۰)۔

کیا کہ کئی اسباب کو وجہ جواز بنا کر ان کے خلاف بغاوت کی ہے، جن میں سے کچھ چیزیں محض جھوٹ اور بہتان ہیں جبکہ کچھ چیزیں درحقیقت ان کے لئے فضیلت ومنقبت ہیں۔

لیکن چونکہ لوگوں کی عقلیں ناقص اور ان کے دل بغض ونفرت سے پُر ہیں، اسی لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرنے والے نے کہا: کیا عثمان رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں حاضر تھے؟

تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس سے کہا: نہیں، اور اس کے واپس ہونے سے پہلے وضاحت فرمائی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا بیعت رضوان میں شریک نہ ہونا اُن پر عیب شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اُس میں ان کی عظمت ومنقبت ہے، کیونکہ بیعت رضوان سے ان کی غیر حاضری کا سبب یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ایک ہاتھ سے عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے بیعت فرمائی تھی [1] اور ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے بیعت کرنے والے کے ہاتھ سے بہتر تھا۔

چنانچہ اس سلسلہ میں امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رہا معاملہ بیعت رضوان کا تو یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ہوئی تھی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اہل مکہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا اس لئے کہ وہ سرداری، دینداری اور گہری قرابت میں خاص حیثیت کے حامل تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ اُنہیں قتل

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۷ / ۵۴، ۳۶۳)، وسنن ترمذی (۵ / ۶۲۹)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۴ / ۴۴۲-۴۴۳)، ومسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۸ / ۱۰۱- ۱۰۲، ۱۹۹--۲۰۰)، ومسند ابو داود طیالسی (۲۶۴)، والمعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان فسوی (۳ / ۱۶۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۲۵۴-۲۵۶)، علامہ محب طبری نے اسے الریاض النضرہ (۳ / ۲۴-۲۵) میں ذکر فرمایا ہے۔

کر دیا گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے اُن کی خاطر مکہ والوں سے انتقام لینے کے لئے موت پر بیعت کی۔ [1]

لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیعت رضوان سے غیر حاضر رہنا ان کی خوبی شمار کیا جاتا ہے اس میں ان کے لئے کوئی عیب کی بات نہیں ہے، مگر کینہ والے دلوں نے اسے معیوب بنا دیا اور اس کے ذریعہ ان کی عیب جوئی کی۔

اس خوبی کا خلاصہ حسب ذیل چار امور میں ظاہر ہوتا ہے:

اول: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اس ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے منتخب فرمایا تھا، یہ چیز ان کی فضیلت اور اہلیت ولیاقت کی دلیل ہے۔

دوم: یہ کہ وہ اہل بیعت رضوان میں سے ہیں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر اُن کی جانب سے بیعت فرمائی تھی۔

سوم: یہ کہ وہ بیعت میں شریک ہونے والے بقیہ لوگوں سے اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جانب سے اپنے دست مبارک سے بیعت فرمائی تھی، اور بلاشبہہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے بہتر اور افضل ہے۔

چہارم: یہ کہ وہ بیعت اُنہی کے لئے منعقد کی گئی تھی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں اُن کا مقام ومرتبہ واضح ہوتا ہے۔

چوتھی چیز: عثمان رضی اللہ عنہ کا چراگاہ کو کشادہ کرنا اور دیگر لوگوں کے استعمال پر پابندی لگانا:

عثمان رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا کہ انھوں نے چراگاہ کو کشادہ کیا اور

[1] الامامۃ، از ابونعیم، بتحقیق ڈاکٹر علی ناصر فقیہی، (ص: ۳۰۴)۔

لوگوں پر اس کے استعمال سے پابندی لگائی [۱]، چنانچہ جب اہل مصر مدینہ آئے اور عثمان رضی اللہ عنہ ان کے روبرو ہوئے تو اُنہوں نے اُن سے کہا: مصحف منگوائیے، عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف منگوایا تو انہوں نے کہا: ساتویں سورت (یعنی سورہ یونس) کھول کر پڑھئے۔ سورہ یونس کو ساتویں سورت کہتے تھے۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ فرمان باری:

﴿قُلْ ءَآللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى ٱللَّهِ تَفْتَرُونَ ۝٥٩﴾ [یونس:۵۹]۔

آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افترا ہی کرتے ہو؟

پر پہنچے تو کہا: رک جائیے، بتائیے کہ آپ نے چراگاہ پر جو پابندی لگائی ہے کیا آپ کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے یا آپ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں؟

عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بات چھوڑ دو کیونکہ یہ آیت فلاں فلاں مسئلہ کے بارے مین اتری ہے [۲]، رہی بات چراگاہ پر پابندی عائد کرنے کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پہلے صدقہ کے اونٹوں کے لئے چراگاہ متعین فرمایا تھا، البتہ جب مجھے خلافت سونپی گئی تو صدقہ کے اونٹوں کی تعداد بڑھ گئی، لہٰذا صدقہ کے اونٹوں کی تعداد بڑھنے کے سبب میں نے چراگاہ میں بھی اضافہ کر دیا، اس سے آگے بڑھو۔۔۔ [۳]

---

① ''الحمی''، ممنوع جگہ کو کہا جاتا ہے، جو مباح کے خلاف ہو، فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۵ / ۴۴)۔

② روایت میں اسی طرح آیا ہے۔

③ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۶۸-۱۶۹)، ومسند بزار، کشف الأستار (۴ / ۹۰-۹۱)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵ / ۲۱۵-۲۲۰)، وتاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴ / ۳۵۴-۳۵۶)، ومسند اسحاق بن راہویہ، جیسا کہ المطالب العالیۃ میں ہے (۴ / ۳۵۴-۳۵۶)، اسے علامہ محب طبری نے اپنی کتاب الریاض النضرۃ (۳ / ۶۰) میں ذکر کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے، امام ہیثمی فرماتے ہیں: اسے امام بزار نے روایت کیا ہے، اس کے راویان صحیح کے راویان ہیں سوائے ابوسعید مولیٰ ابواسید کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔ دیکھئے: مجمع الزوائد (۷ / ۲۲۸-۲۲۹)۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے باغیوں سے کہا: تم ہمارے پاس جو اعتراضات لے کر آئے تو ہم تمہیں اس کا جواب بتاتے ہیں، سنو: تم لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر تین باتوں کا عیب لگایا ہے: اور اس میں انہوں نے جائے غمامہ کا ذکر کیا، یعنی چراگاہ کا۔ [1]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باغیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے چراگاہ متعین کر کے پابندی لگانے کو ان کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز بنایا تھا، البتہ انہوں نے اس جگہ کی صراحت نہیں کی تھی جس سے عثمان رضی اللہ عنہ نے پابندی لگائی تھی، مگر عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد صدقہ کے اونٹوں کے لئے چراگاہ متعین کرنا ہے، اور اس جواب کے بعد انہوں نے اُن پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

جبکہ محب طبری ذکر کرتے ہیں کہ اس سے مراد بقیع مدینہ ہے، عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس سے منع کر دیا تھا اور چراگاہ میں بقیع سے کئی گنا زیادہ کا اضافہ کیا تھا، مگر انہوں نے اس کی کوئی سند ذکر کی ہے نہ کوئی حوالہ دیا ہے [2] نیز وہ بعد کے دور کے ہیں، اس وقت کے حالات و واقعات سے بعید ہیں، کیونکہ وہ سنہ ۶۹۴ھ میں وفات پائے۔

بہر کیف عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل مصر کو جو جواب دیا تھا وہ کافی اور مسکت تھا، انہوں نے انہیں دھول چٹا کر لاجواب اور گونگا کر دیا تھا، کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے چراگاہ متعین

---

① اسے عبداللہ بن امام احمد نے روایت کیا ہے، فضائل الصحابۃ، از احمد بن حنبل (۱/ ۴۵۲)، اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبدالملک بن عمیر ہے جو اختلاط کا شکار ہو گیا تھا اور یہ واضح نہ ہو سکا کہ راوی نے اس سے اختلاط سے پہلے روایت کیا ہے یا اس کے بعد، نیز اس میں عبدالملک نے ''عن'' سے روایت کیا ہے جبکہ وہ مدلس ہے، حافظ ابن حجر نے اسے مدلسین کے تیسرے درجہ میں ذکر فرمایا ہے۔

② الریاض النضرۃ (۳/ ۸۳، ۹۳)۔

کرکے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی تھی، بلکہ ان سے پہلے یہ کام خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا بایں طور کہ انہوں نے صدقہ کے اونٹوں کے لئے شرف اور ربذہ[1] نامی جگہوں کو چراگاہ مقرر کیا تھا[2]، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فی نفسہ خلیفۂ وقت کے لئے چراگاہ مقرر کرنا جائز ہے، یہی شوافع کا بھی مسلک ہے، بلکہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اختیار میں ریاستوں کے گورنروں کو بھی شامل کیا ہے۔[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اصل جائز ہے تو حسب حاجت اس میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے، اور عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صدقہ کے اونٹوں کی کثرت کے سبب احاطہ شدہ چراگاہ کو بڑھانے کی ضرورت آن پڑی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دورِ خلافت میں مال واسباب کی فراوانی ہوگئی تھی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث: ''لَا حِمَى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ''۔[4] چراگاہ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔

میں جو چراگاہ مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے وہ دراصل دورِ جاہلیت میں ہونے والی زمین کی گھیرابندی سے ممانعت ہے جسے قبیلہ کا سردار دوسروں کے علاوہ صرف اپنے لئے خاص کرلیتا تھا۔[5]

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری تعلیقاً (فتح الباری ۵ / ۴۴)، اور شرف مکہ سے قریب ایک جگہ کا نام ہے، جبکہ ربذہ مکہ اور مدینہ کے مابین ایک مقام کا نام ہے، فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۵ / ۴۵)۔

② اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، اس کی سند کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵ / ۴۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

③ فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۵ / ۴۴-۴۵)۔

④ صحیح بخاری مع فتح الباری (۵ / ۴۴-۴۵، حدیث: ۲۳۷۰)۔

⑤ فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۵ / ۴۴-۴۵)۔

لیکن عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو کیا تھا وہ مسلمانوں کی مصلحت کے لئے تھا جسے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کیا تھا:

''كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ؛ فَالإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ... فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ''۔[1]

تم سب ذمہ دار ہو اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی؛ چنانچہ امام اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور آدمی اپنے گھروالوں کا ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی... لہٰذا تم سب ذمہ دار ہو اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے چراگاہ مقرر کرنے کے بارے میں اُن پر جو عیب لگایا ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے[2] اس میں وہ بات بھی ہے جسے محب الدین طبری نے

---

[1] صحیح بخاری مع فتح الباری (۵ / ۱۸۱، حدیث: ۲۵۵۸)۔

[2] دراصل مجھے اس چیز کو اس فصل کے تیسرے مبحث میں ذکر کرنا چاہئے تھا مگر میں نے اسے یہاں ذکر کرنے کو ترجیح دیا کیونکہ یہ چراگاہ مقرر کرنے کے عموم میں داخل ہے، اور باغیان نے اس چیز کی بنا پر بھی عثمان رضی اللہ عنہ پر عیب لگایا تھا، لہٰذا چراگاہ سے متعلق یہ پہلو اس میں داخل ہیں۔

ذکر کیا ہے کہ: لوگوں نے ان پر یہ عیب لگایا کہ انہوں نے مدینہ کے بازار کو کچھ چیزوں کی خرید وفروخت کے لئے محدود کرلیا تھا، لہٰذا ان لوگوں نے کہا: ان سے کوئی بھی شخص گٹھلیاں نہ خریدے یہاں تک کہ اُن کا وکیل عثمان رضی اللہ عنہ کے اُونٹوں کے لئے چارا خریدے جس کی انہیں ضرورت ہو۔ ①

پھر اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ عثمان رضی اللہ عنہ پر گھڑا ہوا جھوٹا بہتان ہے جو بے بنیاد بات ہے، اس کی کوئی سند موجود نہیں ہے، اگر بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ نے صدقہ کے اونٹوں کے لئے ایسا کیا تھا اور اس جگہ کو ان کی چراگاہ میں شامل کردیا تھا، کیونکہ یہ اسی معنیٰ میں تھا''۔

اسی طرح محب الدین طبری نے یہ بھی ذکر کیا ہے لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے لئے اس بات کو بھی وجہ جواز بنایا تھا کہ انہوں نے سمندر کے کچھ حصے کو اپنے لئے محدود کرلیا تھا کہ اس میں صرف انہی کی تجارتی کشتی چلے گی!!

پھر فرمایا:

''کوئی عقلمند یہ بات نہیں کہہ سکتا، البتہ (بالفرض) اس بات کو صحیح مان لینے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ کشتیاں اُنہی کی ملکیت تھیں، کیونکہ وہ لمبی چوڑی تجارت کے مالک تھے، آپ کے پاس جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں مال فراواں موجود تھا، اس لئے آپ نے سمندر کو نہیں محدود کیا تھا بلکہ اپنی کشتیوں کو محدود کیا تھا کہ اُن میں آپ کے سامان کے سوا دوسروں کا سامان نہیں

---

① الریاض النضرۃ (۳/ ۸۳)۔

ڈھویا جائے گا''۔ ①

یہ محب الدین طبری رحمہ اللہ کے جوابات ہیں (بفرض صحت واقعہ) لیکن ان میں سے کسی بھی بات کی کوئی معتبر سند موجود نہیں ہے۔

پانچویں چیز: جمع قرآن:

صحیح سند کے ساتھ وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والے آپ کے جمع قرآن پر عیب لگاتے تھے، نیز علی رضی اللہ عنہ اُن سے کہتے تھے: اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو نہ کرو، اُن سے بھلی بات ہی کہو، یا مصاحف اکٹھا کرنے کی بابت ان سے بھلی بات ہی کہو، کیونکہ اللہ کی قسم! انہوں نے مصاحف کے بارے میں جو بھی کیا ہے ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا ہے''۔ ②

نیز ابومجلز (وفات: ۱۰۶ھ یا ۱۰۹ھ) تک صحیح سند سے وارد ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر مصاحف پھاڑنے کا عیب لگایا اور ان کے پاس جو خطوط لکھے گئے اُن پر یقین کیا''۔ ③

محب الدین طبری نے ذکر کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ بھی عیب لگایا گیا کہ انہوں نے ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے مصحف کو جلا دیا اور لوگوں کو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مصحف پر جمع کیا۔ ④

---

① الریاض النضرۃ (۳/ ۹۳)۔

② المصاحف، از ابن ابی داود (۲۸۰۲۹)، ایڈیشن دار الکتب العلمیۃ۔

③ مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۱۰) (نمبر: ۳۷۶۷۸)۔

④ الریاض النضرۃ (۳/ ۸۷)۔

پھر ان کی تردید فرمائی۔ [1]

اسی طرح ابو بکر ابن العربی نے ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

''عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی جمع و تالیف کرنے اور مصاحف کو جلانے کی بدعت شروع کی''، [2] پھر ان کی تردید فرمائی۔ [3]

میں عثمان رضی اللہ عنہ پر چسپاں کردہ اس عیب کا بطلان واضح کرنے سے پہلے جمع قرآن کا مکمل واقعہ خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں شروع ہو کر خلیفہ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں ختم ہونے تک بیان کرتا ہوں تاکہ صورتحال پورے طور پر واضح اور نمایاں ہو سکے۔

آئیے ہم جنگ یمامہ کے نتائج کی طرف پلٹیں جب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ قراء و علماء صحابہ کی ایک خاصی تعداد اس جنگ میں شہید ہوگئی ہے تو انہوں نے دور نگاہی اور درست سوجھ بوجھ سے آراستہ اپنی پختہ عقل کے ذریعہ امت اسلام پر اس حادثہ کے اثرات پر غور کیا، تو انہیں خوف ہوا کہ کہیں جنگوں میں قراء صحابہ کی بہت زیادہ شہادت نہ ہو جائے [4] جس کے نتیجہ میں قرآن کریم کا زیادہ حصہ ضائع ہو جائے لہٰذا انہوں نے خلیفہ وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے اپنے اندیشے کا ذکر کیا پھر اُنہیں جمع قرآن کا حکم دینے کی تجویز پیش کی، مگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو ماننے میں تردد کیا اور

---

(۱) الریاض النضرۃ (۳/ ۹۳)۔

(۲) العواصم من القواصم (۷۶)۔

(۳) العواصم من القواصم (۸۰-۸۵)۔

(۴) یستحر: استحر القتل کے معنیٰ ہیں بہت زیادہ قتل ہونا۔ القاموس المحیط، از فیروز آبادی (۲/ ۸)۔

فرمایا: بھلا ہم ایک ایسی چیز کیسے کر سکتے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ بہت بڑا خیر ہے، اور اس بارے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسلسل مراجعہ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا اور وہ بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق ہو گئے۔

پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور انہیں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے مطلع کیا اور یہ بھی بتلایا کہ آپ نے اس محاذ کے لئے اُنہیں منتخب کیا ہے۔ یہ سن کر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی کہا: آپ لوگ ایک ایسی چیز کیسے کر رہے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا؟ بہر کیف ابو بکر رضی اللہ عنہ اُن سے مسلسل گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے ان کا بھی سینہ کھول دیا جس کی بابت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو شرح صدر حاصل ہوا تھا۔

پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُنہیں اس محاذ کے لئے منتخب کرنے کا سبب بتلایا کہ وہ ایک سمجھدار نوجوان ہیں جن پر انہیں کوئی اتہام نہیں ہے نیز وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے۔

پھر آپ نے اُنہیں قرآن کریم تلاش کر کے اُسے جمع کرنے کا حکم دیا، یہ ذمہ داری زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے بڑی گراں بار تھی، یہاں تک کہ وہ کہتے تھے:

”فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ القُرْآنِ“۔ [1]

اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کا مکلف کیا ہوتا تو وہ

[1] صحیح بخاری (حدیث: ۴۹۸۶)۔

میرے لئے اتنا مشکل نہ ہوتا جتنا انہوں نے مجھے جمع قرآن کا حکم دیا۔

بہر کیف زید رضی اللہ عنہ قرآن کریم کو کھجور کی ٹہنیوں[1] سفید پتھروں[2] اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کر کے جمع کرنے لگے یہاں تک کہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

پھر جن صحیفوں میں قرآن کریم جمع کیا گیا تھا وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اور آپ کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے پاس منتقل ہوئے اور عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کی بیٹی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہوا۔[3]

معاملہ ایسے ہی چلتا رہا یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا مکمل ایک سال گزر گیا[4] یہ اس وقت کی بات ہے جب عراق و شام کی اسلامی فوج نے آرمینیہ اور آذربیجان فتح کیا۔

اس عظیم لشکر میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے لشکر کی صفوں اور فوجیوں کے درمیان قرآن کریم پڑھنے میں اختلاف دیکھا حتیٰ کہ انہوں نے ان کے اختلاف میں کچھ ناپسندیدہ باتیں بھی سنیں۔[5]

اسی طرح انہوں نے بصرہ میں بھی تقریباً ایسی ہی چیزیں دیکھیں، چنانچہ ولید بن عقبہ

---

① العسب: عسیب کی جمع ہے، یعنی کھجور کی ٹہنی، وہ شاخ جس پر پتے نہیں اگتے۔ النھایۃ فی غریب الحدیث والأثر، از مجد الدین ابن الأثیر (۳/ ۲۳۴)۔

② اللخاف: لخفۃ کی جمع ہے، ایک قسم کے سفید شفاف پتھر کو کہتے ہیں۔ النھایۃ فی غریب الحدیث والأثر، از مجد الدین ابن الأثیر (۳/ ۲۴۴)۔

③ صحیح بخاری مع فتح الباری، (۸/ ۳۴۴)، (۹/ ۱۰-۱۱)۔

④ فتح الباری، از حافظ ابن حجر عسقلانی (۹/ ۱۷)۔

⑤ صحیح بخاری مع فتح الباری (۹/ ۱۱)، ومسند الشامیین، از طبرانی (۲۹۹۱)، بسند صحیح۔

کے دورِ حکومت میں ایک دن وہ بصرہ کی کسی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے؛ کہ یکا یک کسی کو یہ آواز لگاتے ہوئے سنا: جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھتا ہو وہ ابواب کندہ کے پاس والے گوشے میں آجائے، اور جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھتا ہو وہ عبداللہ کے گھر کے پاس والے گوشے میں آجائے۔

سب لوگ اکٹھا ہو گئے اور پڑھنے کے دوران سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں اختلاف کر بیٹھے، ان میں سے ایک نے پڑھا: ''وأتموا الحج والعمرة للبيت'' (خانۂ کعبہ کے لئے حج اور عمرہ مکمل کرو) جبکہ دوسرے نے پڑھا:

﴿وَأَتِمُّواْ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ [البقرة:۱۹۶]۔

حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔

یہ منظر دیکھ کر حذیفہ رضی اللہ عنہ سخت غصہ ہوئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، پھر آپ اُٹھے اور اپنی قمیص پھاڑ کر اپنے کمر پر باندھ لی، اور ان میں سے ایک شخص سے کہا: یا تو آپ سواری لے کر امیر المؤمنین کے پاس جائیں یا میں جاؤں، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا، انہوں نے ایمان والوں کے ساتھ پشت پھیرنے والوں سے جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ عطا کیا، پھر اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا، آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے اسلام میں تیز رفتار گھوڑے جیسی ضرب لگائی، پھر اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا وہ ایک مدت تک اس منصب پر فائز رہے، پھر اللہ نے انہیں اٹھا لیا تو لوگوں نے اسلام میں تیز رفتار گھوڑے جیسی ضرب لگائی، پھر اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا

تو لوگ اسلام کے درمیان میں آگئے، پھر اللہ نے انہیں اٹھالیا تو لوگوں نے اسلام میں تیز رفتار گھوڑے جیسی ضرب لگائی، پھر اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا، اللہ کی قسم! قریب ہے کہ تم اس میں ایسی ضرب لگاؤ گے کہ اُسے پوری طرح نابود ہی کر دو گے۔ [۱]

اس کے بعد سوار ہو کر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے [۲] اور ان سے کہا: اے امیر المؤمنین !اس امت کو سنبھال لیجئے قبل ازیں کہ وہ قرآن کریم میں اسی طرح اختلاف کر بیٹھیں جیسے یہود ونصاریٰ نے اپنی کتابوں میں اختلاف کیا ہے، یہ سن کر عثمان رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا جن میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور فرمایا:

آپ لوگ اس قراءت کے بارے میں کیا کہتے ہیں، کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں: میری قراءت آپ کی قراءت سے بہتر ہے، جبکہ اندیشہ ہے کہ یہ چیز کفر ہو؟

لوگوں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: ہمارا خیال یہ ہے کہ لوگوں کو ایک مصحف پر اکٹھا کر دیا جائے تاکہ کوئی اختلاف یا تفرقہ نہ رہے، لوگوں نے کہا: بہت اچھی رائے ہے۔

چنانچہ انہوں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ جن صحیفوں میں قرآن کریم جمع کیا گیا تھا اُنہیں ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم انہیں مصاحف میں نقل کروالیں، پھر انہیں آپ کو لوٹا دیں گے، لہٰذا انہوں نے وہ صحیفے

---

(۱) المصاحف، از ابن ابی داود، ایڈیشن دار الکتب العلمیۃ (۱۸)، اور انہی کی سند سے تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے روایت کیا ہے، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۳۳-۲۳۴)، اس کی سند میں ایک راوی ہے جسے صرف ابن حبان سے ثقہ قرار دیا ہے، لیکن ان کے قرآن کریم میں اختلاف کرنے پر حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غصہ ہونے کا ایک شاہد ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے لہٰذا اس سے یہ روایت حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

(۲) مسند الشامیین، از طبرانی (۲۹۹۱)، بسند صحیح۔

عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیئے۔

اب عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کو اپنے اپنے پاس موجود قرآن کا حصہ اُن کے حوالے کرنے پر ابھارنے لگے، یہ کہہ کر کہ: اے لوگو! ابھی تمہارے نبی کی وفات کو تیرہ سال ہی گزرے ہیں [1] اور تم قرآن کریم میں شک کر رہے ہو، کہتے ہو: ابی رضی اللہ عنہ کی قراءت! عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت! کوئی شخص کہتا ہے: اللہ کی قسم! تم درست نہیں پڑھتے ہو! اس لئے میں تم میں سے ہر شخص پر لازم کرتا ہوں کہ جس کے پاس قرآن کریم کا جو بھی حصہ موجود ہو وہ اُسے میرے پاس لے آئے۔

لوگوں نے آپ کی بات مان لی، چنانچہ کوئی شخص ورقہ لے کر آتا، کوئی کھال لے کر آتا جس میں قرآن لکھا ہوتا، یہاں تک کہ اس قسم کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا ہوگیا۔

پھر عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اُن لوگوں کو فرداً فرداً بلایا اور انہیں اللہ کی قسم کھلوائی کہ: یقیناً تم نے یہ آیت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے درانحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تمہیں املا کرائی ہے؟ وہ شخص کہتا: جی ہاں۔

پھر آپ نے فرمایا: سب سے اچھا لکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا: کاتب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

پھر کہا: سب سے زیادہ عربی دان کون ہے؟ لوگوں نے کہا: سعید بن العاص رضی اللہ عنہ [2] چنانچہ زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبد الرحمن بن حارث بن ہشام

---

① دیکھئے: فتح الباری، از حافظ ابن حجر عسقلانی (۹/ ۱۷)۔

② المصاحف، از ابن ابی داود، ایڈیشن قرطبہ (۲۳-۲۴)، وایڈیشن دار الکتب العلمیۃ (۳۱)، اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ صحیفوں سے آیتیں نقل کریں، اور تینوں قرشیوں کی جماعت سے کہا: جب بھی قرآن کریم کی کسی آیت میں تمہارا اور زید بن ثابت کا اختلاف ہو تو اُسے قریش کی زبان میں لکھو، کیونکہ قرآن کریم اُنہی کی زبان میں اترا ہے، انہوں نے ایسا ہی کیا[۱] اور صحیفوں کو مصاحف میں نقل کر دیا، پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس لوٹا دیئے۔

اور نقل کردہ قرآنی نسخوں میں سے ایک ایک نسخہ ہر علاقہ میں بھیجوا دیا ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کے سوا قرآن کریم کا جو بھی حصہ کسی کاغذ یا مصحف میں لکھوا ہوا ہو اُسے جلا دیا جائے چنانچہ اس وقت ان مصاحف کو نذر آتش کر دیا گیا۔[۱]

جمع قرآن کا اول تا آخر پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد ہم بعض لوگوں سے منقول اس موقف کی طرف لوٹتے ہیں جنھوں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے منجملہ فضائل میں سے اس فضیلت کو عیب میں بدل دیا۔

کیونکہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جمع کر کے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی؛ بلکہ اُن سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ کام کر چکے تھے، نیز انہوں نے یہ کام خود اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے کیا تھا، جنہوں نے اس کام سے خوشی کا اظہار کیا اور کہا: یہ آپ کی بڑی اچھی رائے ہے، نیز کہا کہ: انہوں نے بڑا اچھا کام کیا، یعنی مصاحف کو جمع کر کے بڑا اچھا کام کیا۔

چنانچہ مصعب بن سعد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ جس وقت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے باقیماندہ ....

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۹/۹)۔

② مسند الشامیین، از طبرانی (۲۹۹۱)، اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے، دیکھئے: فتح الباری (۹/۱۱)۔

مصاحف کو جلایا[1] وہ اُن کے اس فعل سے بہت خوش ہوئے۔[2]

اسی طرح جو لوگ جمع مصاحف کے سبب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی کرتے تھے علی رضی اللہ عنہ اُنہیں اس سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے:

اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو نہ کرو اور ان کے بارے میں بھلی بات ہی کہو۔ یا بھلی بات کہو۔ کیونکہ اللہ کی قسم! انہوں نے مصاحف کے بارے میں جو بھی کیا ہے ہم تمام لوگوں یعنی صحابہ کرام کی موجودگی میں کیا ہے... اللہ کی قسم! اگر میں ذمہ دار ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو انہوں نے کیا ہے"۔[3]

جمع مصاحف کے اس مبارک کام پر دنیا کے سب سے بہتر لوگوں کی اس فاضل جماعت کے اتفاق کے بعد نفس پرستی سے آزاد ہر شخص کے لئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے مسلمان پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس کارنامے سے راضی وخوش ہونا واجب ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی۔

اور یہ بات ثابت نہیں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی، بلکہ میری معلومات کے مطابق جتنی بھی روایتیں اس سلسلہ میں مروی ہیں سب کی سندیں ضعیف ہیں۔

البتہ یہ ضعیف روایتیں جن میں یہ بات آئی ہے، ثابت کرتی ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

---

(۱) مشق: جلانے کو کہتے ہیں۔ لسان العرب، از ابن منظور (۱۰/ ۳۴۴)۔

(۲) التاریخ الصغیر، از امام بخاری (۱/ ۹۴)، اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔

(۳) المصاحف، از ابن ابی داود، ایڈیشن دار الکتب العلمیۃ (۲۸-۳۰)، اور ان کی سند سے تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے روایت کیا ہے، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۴۲-۲۴۱)، نیز ان کے علاوہ دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے (۲۳۷-۲۳۹)، اس کی سند صحیح ہے، اسے حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری (۹/ ۱۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

نے جمع قرآن کی بابت صحابہ رضی اللہ عنہم کے متفقہ موقف کی طرف رجوع کرلیا نیز لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اس کا اعلان فرمایا اور اس بارے میں اُنہیں مسلمانوں کی جماعت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔

نیز فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ علم کو دلوں سے کھینچ کر نہیں اٹھائے گا بلکہ علماء کے چلے جانے سے اٹھائے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ امت محمد ﷺ کو کسی گمرہی پر اکٹھا نہیں کرتا، اس لئے اُن کے اس متفقہ موقف میں اُن کے ساتھ متحد ہو جاؤ کیونکہ حق اُسی میں ہے جس پر وہ متفق ہیں...اور اس بارے میں عثمان رضی اللہ عنہ کو خط بھی لکھا۔ (۱)

اسی طرح یہ بھی ثابت نہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کو جلایا تھا، بالفرض اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو محب الدین طبری کا خیال ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل دین اسلام میں ایک بڑے فساد کے سد باب کے لئے تھا کیونکہ علماء قرآن کریم کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ناپسندیدہ شذوذ کی کثرت تھی، نیز انہوں نے معوذتین کو اپنے مصحف سے حذف کر رکھا تھا حالانکہ صحابۂ کرام کے یہاں معروف تھا کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کا ثابت حصہ ہیں۔ (۲)

شاید اس شذوذ کا سبب یہ رہا ہو کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن کی اترنے والی وحی اپنے مصحف میں لکھتے تھے جب بھی انہیں کچھ آیتوں کے اترنے کا علم ہوتا تھا، جس کے نتیجہ میں اُن کے مصحف کی ترتیب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی نمایاں ترتیب سے مختلف ہوگئی ہو جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے آخری پیشی کے مطابق تھی جسے صحابۂ کرام نے حد درجہ

---

(۱) تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۴۰-۲۳۹) بروایت سیف بن عمر تمیمی، جو کہ کذاب ہے۔

(۲) الریاض النضرۃ (۳/ ۹۹)۔

جدو جہد اور کوششوں کے ذریعہ پیش کیا تھا جسے اُن کے اجماع کی تائید حاصل تھی۔

نیز اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں وہ آیتیں چھوٹ گئی ہوں جنہیں زید بن ثابت اور اُن کے رفقاء نے تلاش کر کے جمع کیا تھا جو چند دیگر قراء صحابہ کے یہاں موجود تھیں، مزید یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر ان کی قوم قبیلۂ ہذیل کا لہجہ غالب تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود جیسے صحابہ کو رخصت دے رکھی تھی کہ وہ اپنے خاص لہجوں میں قرآن پڑھ سکتے ہیں۔

لہٰذا یہ بڑی بھلائی کی بات ہوئی کہ امت کو اپنے رب کی کتاب مُضری لہجے میں پڑھنے پر متحد کر دیا جائے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائم تھے، اور امام طحاوی، باقلانی اور ابن عبد البر رحمہم اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم کو سات زبانوں پر پڑھنے کی رخصت آغاز اسلام میں تھی، پھر زوالِ عذر، حفظ کی آسانی، کثرت ضبط اور کتابت سیکھ لینے کے بعد یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ [۱]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو بات ذکر کی گئی ہے کہ انہوں نے کوفہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''حمد و صلاۃ کے بعد: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ﴾ [آل عمران:۱۶۱]۔ (ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا) اور میں اپنے مصحف کی خیانت کرنے والا ہوں، لہٰذا تم میں سے جسے اپنے مصحف کی خیانت کرنے کی استطاعت ہو اُسے کرنا چاہئے''۔ [۲]

---

(۱) اسے محب الدین خطیب نے ذکر کیا ہے، دیکھئے: العواصم من القواصم (ص: ۸۴) حاشیہ نمبر: (۸۴)۔

(۲) العواصم من القواصم، از ابن العربی (ص: ۸۴)، نیز دیکھئے: مسند احمد (۱/ ۴۱۴)، والمصاحف، از ابن ابی داود، ایڈیشن دار الکتب العلمیۃ (۲۱-۲۳)، ان دونوں میں مروی ہے کہ یہ بات ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہی ہے، البتہ روایت میں یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اسے کوفہ میں خطبہ کے دوران کہی تھی۔

تو مجھے اس کی کوئی سند نہیں مل سکی، سب سے پہلے جس نے اس بات کو ذکر کیا ہے وہ امام ابن العربی (وفات: ۵۴۳ھ) ہیں، اُن کے اور اس واقعہ کے درمیان پانچ صدیوں سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔

کیا بھلا اُس شخص سے ایسی بات کی توقع کی جاسکتی ہے جس نے اختلاف اور فتنہ کے خوف سے نیز خلیفۂ وقت کی پیروی کرتے ہوئے منیٰ میں قصر چھوڑ دیا تھا؟ نہیں اللہ کی قسم! اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ منبر پر کھڑے ہوں اور لوگوں کو خلیفۂ وقت کی مخالفت پر اکسائیں؟ باوجودیکہ منیٰ میں قصر کرنے پر واضح دلائل موجود ہیں جو اس مسئلہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تائید کرتے ہیں، برخلاف جمع قرآن کے کہ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے، تو کیا یہ معقول ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں محض اختلاف کے خوف سے عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی کریں جس میں اُن کے خلاف واضح دلیل دلالت کرتی ہو، اور جس مسئلہ میں ان کے برادران صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہو اُس میں اُن کی مخالفت کریں بلکہ کوفہ کے منبر سے اُن کی مخالفت کرنے پر لوگوں کو اکسائیں، جبکہ انہوں نے ہی کہا ہے: ''اَلْخِلَافُ شَرٌّ'' (اختلاف بُری چیز ہے)۔

یہ واقعہ کس قدر پھسپھسا اور اسے گھڑنے والا کس قدر احمق اور نادان ہے۔

رہا مسئلہ مصحف عثمانی کے علاوہ باقیماندہ مصاحف کو جلانے یا اُسے پھاڑ کر ضائع کرنے کا تو اگر اس کے باقی رہنے میں فساد ہو، یا اس میں ایسی چیز موجود ہو جو قرآن کا حصہ نہ ہو، یا وہ منسوخ ہو چکا ہو، یا قرآن کریم کے نظم کے خلاف ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اور اسے تمام صحابہ کرام نے تسلیم کیا تھا۔ [1]

---

(1) العواصم من القواصم، از امام ابن العربی (ص: ۸۳)۔

لہٰذا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مصحف کی جمع وتدوین، تثبیت وتوثیق اور رسم الخط کی یکسانیت کا جو کارنامہ انجام دیا وہ مسلمانوں پر اُن کا ایک عظیم احسان ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اپنے اس وعدہ کو سچ کر دیا ہے جو اس نے اپنے فرمان میں کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ۝٩﴾ [الحجر:۹]۔

ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام کروایا اور اس کے رسم الخط اور تلاوت کو اپنے زیر اختیار تمام شہروں میں نافذ فرمایا، اور عہد اول میں مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ اُن کی عظیم نیکیوں میں سے ہے نیز خود ان کے باغیان جنہوں نے اس سلسلہ میں ان کی عیب جوئی کی ہے وہ بھی اُن کے دورِ خلافت میں اور اس کے بعد بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی تلاوت کیا کرتے تھے جن پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا تھا۔ [۱]

اس سے مراد فریب خوردہ لوگوں میں سے وہ چند لوگ ہیں جن میں کچھ بھلائی تھی، رہا معاملہ عبداللہ بن سبا جیسے بد باطن بے دین زندیقوں کا تو ان سے تلاوت قرآن یا کسی اور عبادت کی انجام دہی کی توقع نہ رکھیں سوائے از راہِ منافقت اپنی حقیقت چھپانے کے لئے اور حقیقت سے ناواقف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے، کیونکہ اگر وہ قرآن بھی پڑھیں گے تو وہ ان کے حلق سے اوپر نہ جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کی صفت بیان کرتے ہوئے اس بات کی خبر دی ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جمع قرآن کے واقعہ سے اختلاف کی ممانعت

---

[۱] یہ بات محب الدین خطیب نے ذکر کی ہے، العواصم من القواصم، از امام ابن العربی (ص: ۸۲)، حاشیہ: (۸۰)۔

سے متعلقہ آیات کی بابت صحابہ کرام کے فہم کا معیار ظاہر ہوتا ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف سے منع کیا اور اس سے ڈرایا ہے، چنانچہ ان آیات کی بابت صحابہؓ کرام کے فہم کی گیرائی کے سبب جونہی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھنے میں اختلاف کی ابتدائی باتیں سنیں فوراً مدینہ طیبہ کا سفر کیا اور جو کچھ دیکھا سنا تھا عثمان رضی اللہ عنہ کو اُس کی خبر دی، عثمان رضی اللہ عنہ بلا تاخیر اٹھے اور لوگوں کو خطاب کر کے اُنہیں اس اختلاف کے انجام سے ڈرانے اور آگاہ کرنے لگے، اور اس فتنہ کو جو ابھی ظاہر ہونا شروع ہوا تھا حل کرنے کے لئے صحابہ کرام سے مشورہ کرنے لگے، اور تھوڑی ہی مدت میں اس کی جڑ کاٹ دی بایں طور کہ نہایت موثوق و معتبر مصادر سے قرآن کے صحیفوں اور اس کے نسخوں کو ایک مصحف میں جمع کر کے اختلاف کے دروازہ کو کھلنے سے پہلے ہی بند کر دیا۔

فتنہ کا یہ دروازہ بند کرنے سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جبکہ منافقین جو اختلاف کے آغاز سے خوش ہو رہے تھے جس کا بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے اور اسے ہو دینے کی کوشش کر رہے تھے، غیظ و غضب سے اُبل پڑے۔

جب اختلاف کی جڑ کٹ گئی اور انہیں اُسے ہوا دینے کا کوئی راستہ نہ ملا تو اختلاف کی جڑ کاٹنے اور اس کا دروازہ بند کرنے والے کے خلاف ان کا کینہ بڑھ گیا، وہ ان کی عیب جوئی کرنے لگے اور ان کی اِس نیکی کو برائی کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کرنے لگے اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ناپائیدار تار عنکبوت کا سہارا لینے لگے تاکہ اُن پر طعنہ زنی کریں اور اس کے ذریعہ اُن کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز نکالیں بایں طور کہ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ یہ نیکی بدی ہے جو اُن کے خلاف بغاوت کی موجب ہے۔

یہ چیز ہر دَور کے مسلمانوں کو آگاہ کرتی ہے اور ان کے دانشوران اس سے عبرت لیتے

ہیں چنانچہ اپنے باہمی اختلاف کو اسلامی اصولوں کی پابندی کے ساتھ صحیح بنیاد پر ختم کرنے میں جلدی کرتے ہیں، حق سے تنازل یا عقیدہ وشریعت کے کسی اصول میں تسامح یا نرمی نہیں کرتے۔

کیونکہ اگر اتحاد واتفاق صحیح عقیدہ پر نہ ہو تو اس میں کوئی بھلائی نہیں، بلکہ وہ اختلاف میں اضافہ کا پیش خیمہ اور ایسا اتحاد ہے جو مزید خلا پیدا کرنے کا سبب ہے، بنابریں رفع اختلاف کے دعویٰ کے نام پر اسلامی اصولوں کو نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ صحیح عقیدہ کے مخالف پر واجب ہے کہ انحراف کی گھیرابندی سے نکل کر صحیح عقیدہ کو گلے لگائے تاکہ اس کے ذریعہ اختلاف کافور ہو جائے؛ اسی جیسا وہ شخص بھی ہے جو اتحاد واتفاق اور یگانگت ویکجہتی کے دعویٰ تلے عقیدہ کی تصحیح کرنا چھوڑ دے، یہ بھی حسب سابق پہلے سے زیادہ تفرقہ اور انتشار وتشتت اور اتحاد واتفاق کی رسی کو پارہ پارہ کرنے کا سبب ہے، آج اسلامی میدان میں اس کے حسی شواہد کا انکار وہی کر سکتا ہے جو غافل ہو یا تغافل برتنے والا ہو۔

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہر قاری کو اس کی صحیح قراءت پر نہیں چھوڑا، بلکہ ان سب کو ایک قراءت پر جمع کیا جس سے ان میں اتحاد قائم ہو گیا اور کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔

مسلمانوں میں باہمی اتحاد واتفاق کا یہی صحیح راستہ ہے؛ چنانچہ ان میں کتاب وسنت کی طرف رجوع اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق ان دونوں کی صحیح فہم کے بغیر اتحاد ممکن نہیں، ان پر واجب ہے کہ کتاب وسنت کو حرز جاں بنائیں تاکہ ان میں حقیقی طور پر اتحاد واجتماعیت قائم ہو سکے، جس کے نتیجہ میں وہ اپنے دشمن کے خلاف متحد ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بزدلی اور پسپائی دور فرمادے باہمی تنازع کے سبب وہ جس کے مستحق ہو چکے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ...﴾ [الأنفال:۴۶]۔

آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

یہ خلفاء راشدین کی تاریخ پڑھنے کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے جو عبرت ونصیحت اور عمدہ آئیڈیل کے نقوش سے لبریز ہے۔

سلف صالحین جس منہج پر قائم تھے اُس کی حقیقت تک پہنچ جانے کے بعد ہمارے سامنے ان لوگوں کی دوری ومحرومی نمایاں ہو جاتی ہے جو قرآن وسنت کی دلالت کو پس پشت ڈال کر اپنی عقل کو حاکم وفیصل بناتے ہیں، اور قرآن وسنت کی دعوت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں کہ ''مصلحت'' ان دونوں کے علاوہ میں ہے۔

جو شخص کوئی صحیح متواتر قراءت پڑھتا ہو اُس کے لئے بہتر ہے کہ اُسے حق کی طرف لوٹا جائے، کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی دلالت کی طرف لوٹایا جائے، جو کچھ خیال کرتا ہو اور جو کچھ اس کی ناقص عقل ایجاد کرتی ہو اُسے ترک کرنے کی طرف لوٹا جائے، صحیح صریح نصوص کے معنیٰ ومدلول کی طرف لوٹایا جائے، بایں طور کہ کسی حکم، یا فکرہ یا وسیلہ وذریعہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے نہ بڑھائے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس بات کی دعوت دی ہے اُس کی طرف لوٹ جائے، ارشاد باری ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُقَدِّمُواْ بَيْنَ يَدَيِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۖ﴾ [الحجرات:۱]۔

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝٥٩﴾ [النساء:۵۹]۔

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر

تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

ذرا معاملات کی صحیح انجام دہی کی کیفیت پر غور کریں، کیونکہ قراء کرام جانتے تھے ان کی قراءت صحیح ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا تھا، اس کے باوجود انہوں نے خلیفہ کے حکم پر اُس سے تنازل کرلیا اور ایک مصحف میں ایک قراءت پر اکٹھا ہو گئے۔

اور ملاحظہ کریں کہ عثمان اور حذیفہ رضی اللہ عنہما بھی اس بات کو جانتے تھے، مگر دونوں نے ہر قاری سے نہیں کہا کہ: تم حق پر ہو، متواتر قراءت پر ہو، کیونکہ تم اُبی کی قراءت پر ہو، اور تم ابن مسعود کی قراءت پر ہو، جبکہ وہ دونوں صحابی تھے دونوں نے قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سیکھا تھا، لہٰذا ہر شخص جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی قراءت پر پڑھتا وہ حق پر ہے۔

مگر ان دونوں نے اِس حق کو ترک کر کے اس چیز کو مقدم کیا جو اس سے زیادہ اہم تھی یعنی اجتماعیت اور عدم افتراق، تو بھلا اس شخص کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو اجتماعیت اور اتحاد و اتفاق کے دعویٰ تلے، اسی طرح **''جس چیز پر ہمارا اتفاق ہے اس میں ہم اکٹھا ہوتے ہیں اور جس میں ہمارا اختلاف ہے اس میں ہم ایک دوسرے کو معذور سمجھتے ہیں''** کے شعار کے تحت کسی غلطی یا شبہہ کو باقی اور برقرار رہنے دے۔

بلکہ بعض لوگ اِن بظاہر رجھانے والے شعاروں کے تحت اس سے بھی تجاوز کر کے صحیح عقیدہ والوں کو اُس حق سے دستبردار ہونے کی دعوت دیتے ہیں جس پر صحیح دلائل دلالت کرتے ہیں محض اس لئے کہ دوسرے لوگ اس حق میں اُن کے مخالف ہیں۔

لہٰذا تعجب ہے ان لوگوں پر! آخر یہ لوگ حق پرستوں کو حق پر کیوں نہیں رہنے دیتے

اگر چہ اختلاف ہو؟ اور باطل پرستوں یا کم از کم شبہات والوں سے مطالبہ کرتے کہ وہ اپنے باطل یا شبہہ کو چھوڑ دیں، اس لئے تا کہ حق پر اور حق کے ساتھ اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت قائم رہے۔

چھٹی چیز: منیٰ میں نماز مکمل کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام حج میں منیٰ میں چار رکعت والی نمازیں دو رکعت پڑھا کرتے تھے، اس میں آپ کے دو خلیفہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی آپ کی پیروی کی، جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی چھ سالوں میں ایسا ہی کیا پھر اس کے بعد اجتہاد کیا اور نماز مکمل چار رکعت پڑھنے لگے۔

اس مسئلہ میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُن کی مخالفت کی جن میں ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے واضح کیا کہ منیٰ میں سنت قصر ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر صدیق، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اپنے دورِ خلافت کے ابتدائی سالوں میں کرتے رہے۔ [1]

روایتوں میں ہے کہ لوگوں نے اس سلسلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کو ٹوکا، تو انہوں نے اُن کے سامنے اپنے مکمل کرنے کا سبب [2] اور اس کی دلیل واضح فرمائی [3]، روایتوں میں اس

---

(1) صحیح بخاری مع فتح الباری (۲/ ۵۶۳، ۳/ ۵۰۹)، وصحیح مسلم (ص: ۴۸۲)، وموطا امام مالک (ص: ۱۴۹، ۴۲۰)، وسنن دارمی (۲/ ۵۶)۔

(2) مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۵۱)، اور ان کی سند سے تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے روایت کیا ہے، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۴۹/ ۲۵۰)، اس کی سند میں عکرمہ بن ابراہیم باہلی ہے جو ضعیف ہے، اور عبد الرحمن بن ابو ذباب ہے جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے لیکن اس کے کچھ شواہد ہیں جن سے یہ حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

(3) فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۲/ ۵۷۱)۔

سلسلہ میں کئی اعذار مذکور ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

پہلا عذر:

عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں ایک عذر یہ پیش کیا کہ جب سے وہ مکہ آئے ہیں انہوں نے مکہ میں شادی کر لی ہے، اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"مَنْ تَأَهَّلَ فِي بَلَدٍ فَلْيُصَلِّ صَلاةَ الْمُقِيمِ"۔ (۱)

جو کسی شہر میں شادی کر لے وہ مقیم کی نماز پڑھے۔

چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو مکہ کو وطن بنا لینے والا سمجھا، لہٰذا اپنے لئے مقیم کا حکم طے فرما لیا۔ (۲)

اس عذر کے سلسلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے کئی طرق آئے ہیں جو ایک دوسرے کو قوت پہنچاتے ہیں، مگر متن میں نکارت ہے؛ کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں اور اُن کے لئے مکہ میں مقیم ہونا حرام ہے۔ (۳)

---

(۱) [مسند احمد، حدیث: ۴۴۳، و ۵۵۹، اس روایت کو علامہ البانی اور دیگر محققین نے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے: مسند احمد، حوالہ مذکور، وضعیف الجامع، حدیث: ۵۵۱۱، وسلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ، حدیث: ۴۵۷۰، و ۶۹۲۶، و الأحادیث المختارۃ، حدیث: ۳۷۴]۔ (مترجم)۔

(۲) مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/۳۵۱)، اور ان کی سند سے تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے روایت کیا ہے، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۴۹/۲۵۰) بروایت عبد الرحمن بن ابو ذباب، اور اس کی سند ہے لیکن اس کے کچھ شواہد ہیں:

ان میں سے ایک وہ ہے جسے امام ابو داود نے ابراہیم نخعی کے طریق سے اپنی سنن میں روایت کیا ہے (۲/۱۹۹)، اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اسی طرح یہ بات امام زہری تک صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، مگر زہری اور عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان سند منقطع ہے اس لئے کہ زہری کی عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ نیز اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/۱۷۵) میں عبد الرزاق کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ: یہ مرسل ہے۔

(۳) فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۲/۵۷۱)۔

اور وہ -بلاشبہہ- اس بات کو جانتے تھے، چنانچہ مغیرہ بن شعبہ نے محاصرہ کے دوران اُن سے کہا: آپ اپنی سواریوں پر سوار ہو کر مکہ چلے جائیں، تو انہوں نے فرمایا: ''میں اپنی ہجرت کی سرزمین ہرگز نہ چھوڑوں گا''۔ [۱]

دوسرا عذر:

یہ کہ انہوں نے طائف میں مال و جائداد بنالی ہے اور وہیں قیام کا ارادہ کرلیا ہے [۲] اس بات کی سند ضعیف ہے، لہٰذا اس کے متن کو اُسی طرح رد کر دیا جائے گا جس سے پہلے قول کو رد کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہل طائف کو مکہ والوں میں نہیں شمار کیا جاتا، بنابریں طائف میں مال و جائداد بنالینا آدمی کو اہل مکہ میں شامل نہیں کرسکتا، لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ یہ عذر پیش کریں اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

تیسرا عذر:

یہ پیش کیا کہ انہوں نے سنا کہ سال گزشتہ جن دیہاتیوں نے آپ کے ساتھ حج کیا تھا انہوں نے واپس جا کر اپنے وطن میں بھی نماز قصر کر کے پڑھی اور بطور دلیل منیٰ کی نماز کا حوالہ دیا؛ لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ نے مکمل نماز پڑھی تا کہ انہیں بتائیں کہ نماز چار رکعت ہے، ایسا اس اندیشہ سے کیا کہ کہیں وہ اِسی چیز کو سنت نہ سمجھ لیں، چنانچہ انہوں نے لوگوں کو خطاب

---

① مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۶۹)، اور ان کی سند سے تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے روایت کیا ہے، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۸۷-۳۸۸)، مگر اس میں انقطاع ہے، دیکھئے: ضمیمہ، روایت نمبر (۱۷۰)، اور حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری (۲/ ۵۷۲) میں ذکر کیا ہے اور اس کے پہلے ''ثبت'' (یعنی ثابت ہے) کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

② اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/ ۵۷۱) میں ذکر کیا ہے اور بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔

فرمایااورانہیں بتایا کہ اصل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے،لیکن لوگوں کی جانب سے یہ چیز پیش آئی تو اُنہیں خوف ہوا کہ لوگ اسی طریقہ پر چل پڑیں گے [1] ’’یعنی اسی کو سنت بنالیں گے‘‘۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام زہری نے فرمایا:

’’إنما صلى عثمان بمنى أربعاً؛ لأن الأعراب كانوا كثروا في ذلك العام، فأحب أن يعلمهم أن الصلاة أربع‘‘۔ [2]

دراصل عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ چار رکعت اس لئے پڑھی تھی کہ اُس سال دیہاتی بہت زیادہ تھے،لہٰذا آپ نے چاہا کہ انہیں بتائیں کہ نماز چار رکعت ہے۔

اور ابن جریج سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے اُنہیں منیٰ میں آواز دی،کہا: اے امیر المؤمنین! میں نے جب سے آپ کو پہلے سال دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، تب سے دو ہی رکعت پڑھ رہا ہوں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، پھر ان روایات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

’’یہ ساری روایتیں ایک دوسرے کو قوت پہنچاتی ہیں، اور کوئی مانع نہیں کہ مکمل نماز پڑھنے کا اصل سبب یہی ہو‘‘۔ [3]

---

① سنن ابوداود (۲/ ۱۹۹) امام زہری تک صحیح سند کے ساتھ۔

② اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/ ۵۷۱) میں ذکر کیا ہے اور بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔

③ فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۲/ ۵۷۱)۔

چوتھا عذر:

ان کے نماز مکمل کرنے کا سبب اُن کا یہ خیال تھا کہ قصر اس شخص کے لئے خاص ہے جو مسلسل چلنے والا ہو، جبکہ جو دوران سفر کہیں ٹھہر جائے اُس کا حکم مقیم کا ہے، لہٰذا وہ نماز مکمل کرے گا۔

اس قول کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور اس کے لئے عباد بن عبد اللہ بن الزبیر سے مروی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جب معاویہ رضی اللہ عنہ سفر حج میں ہمارے پاس آئے تو ہمیں مکہ میں صلاۃ ظہر دو رکعت پڑھائی، پھر نماز سے فارغ ہو کر دار الندوہ گئے، تو ان کے پاس مروان اور عمرو بن عثمان آئے اور کہا: آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کے معاملہ کو عیب دار کر دیا ہے، کیونکہ انہوں نے مکمل نماز پڑھی تھی، کہا: جب عثمان رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لاتے تھے تو یہاں نماز مکمل پڑھتے تھے یعنی ظہر، عصر اور عشاء چار چار رکعت پڑھتے تھے اور جب منیٰ اور عرفہ جاتے تھے تو نماز قصر کرتے تھے، پھر جب حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام فرماتے تھے تو نماز مکمل پڑھتے تھے''۔ ①

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اُن کا اس قول کو اختیار کرنا تیسرا قول اختیار کرنے کے معارض نہیں ہے، بلکہ اُسے تقویت پہنچاتا ہے بایں طور کہ قیاس کے مطابق دوران سفر قیام کی حالت مطلق اقامت کی حالت سے زیادہ قریب ہے برخلاف سفر میں چلنے والے کے، پھر فرماتے ہیں: یہی عثمان رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔ ②

---

① مسند احمد (۴/ ۹۴، حدیث: ۱۶۸۵۷) حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو فتح الباری (۲/ ۵۷۱) میں صحیح قرار دیا ہے۔

② فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۲/ ۵۷۱)۔

پانچواں عذر:

ابن بطال فرماتے ہیں: ”اس سلسلہ میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ عثمان اور عائشہ رضی اللہ عنہما کا یہ خیال تھا ہی نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصر کیا ہے؛ بلکہ دراصل آپ نے اس مسئلہ میں اپنی امت کے حق میں آسان تر معاملہ اپنایا تھا، لہٰذا ان دونوں صاحبان نے اپنی ذات کے لئے سختی اپنائی“۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس قول کو اہل علم کی ایک جماعت نے راجح قرار دیا ہے جن میں بعد کے لوگوں میں امام قرطبی ہیں، لیکن اس سے پہلے والی وجہ (یعنی چوتھا قول) زیادہ مناسب ہے کیونکہ اُس میں راوی نے سبب کی صراحت کی ہے“۔

وہ یہ کہ: عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز اس لئے مکمل کی تھی تاکہ دیہاتیوں کو معلوم ہو جائے کہ چار رکعت والی نمازیں چار ہی ہیں، اور آپ نے منیٰ میں اس پر عمل کیا تھا؛ کیونکہ آپ وہاں ایک طرح سے مقیم تھے بایں معنیٰ کہ عملی طور پر سفر میں چل نہیں رہے تھے، اور اس سے تیسرے اور چوتھے دونوں اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول: ”فَلَيْتَ حَظِّي مِنْ أَرْبَعِ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ“[1] (کاش میرے حصے میں چار میں سے دو مقبول رکعتیں ہی آجائیں“ پر نوٹ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام داودی فرماتے ہیں:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ڈر ہوا کہ کہیں چار رکعت پڑھنے والے کی نماز درست نہ ہو، مگر اختلاف سے گریز کرتے ہوئے عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی کی، ساتھ ہی اپنے موقف

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث (۱۰۸۴، ۱۶۵۷)، وصحیح مسلم، حدیث (۶۹۵)۔

کے بارے میں بتلا دیا۔

دوسرے علماء فرماتے ہیں:

ان کی مراد یہ تھی کہ اگر تکلف کرتے ہوئے چار رکعت پڑھ لوں تو کاش اس میں سے دو رکعتیں ہی قبول ہو جائیں۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کیونکہ وہ غیب نہیں جانتے تھے کہ آیا اللہ تعالیٰ اُن کی نماز قبول کرے گا یا نہیں؟ لہٰذا تمنا فرمائی کہ وہ جو چار رکعتیں پڑھ رہے ہیں اُن میں سے دو ہی قبول ہو جائیں، زائد قبول نہ ہوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے یہاں مسافر کو قصر اور اتمام میں اختیار رہے، البتہ دو رکعتیں لازم ہیں، اس کے باوجود وہ ڈرتے تھے کہ کہیں اُن کی نماز سرے سے قبول نہ ہو۔

لہٰذا حاصل کلام یہ کہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی میں نماز مکمل کر رہا ہوں، کاش میری چار رکعتوں میں سے دو رکعتیں ہی قبول ہو جائیں۔ (۱)

لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں اور ان کے پاس دلیل ہے، نیز وہ کبار فقہاء صحابہ میں سے ایک بڑے فقیہ ہیں بالخصوص مناسک حج کے علم میں، یہاں تک کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: صحابہ رضی اللہ عنہم میں احکام حج کے سب سے بڑے عالم عثمان رضی اللہ عنہ تھے، ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ"۔ (۲)

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ ان کا اجتہاد بے دلیل تھا، تو بھی یہ چیز ان کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز نہیں ہے چہ جائے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

---

(۱) فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۲ / ۵۷۲)۔

(۲) الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۶۰) بسند صحیح۔

دوسری قسم:

اس بارے میں مروی وہ چیز جس کی سند صحیح نہیں ہے:

وہ عیوب جو ضعیف سندوں سے مروی ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ باغیان عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسے آپ کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز بنایا، ان میں سے چند باتیں درج ذیل ہیں:

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مارنا:

مجھے صحیح سند کے ساتھ کوئی روایت نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کو مارا ہو، نہ ہی یہ کہ باغیان نے اسے اُن کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز بنایا ہو۔

ہاں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے ذکر کیا ہے کہ باغیان عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوڑے اور لاٹھی سے مارنے کے سبب معتوب کیا ہے [1] شاید اس سے مراد عثمان رضی اللہ عنہ کے عمار رضی اللہ عنہ کو مارنے کی افواہ ہو گی۔

اسی طرح ضعیف سند سے یہ بھی مروی ہے کہ سعد اور عمار رضی اللہ عنہما کو عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا گیا اور اُن سے کہا گیا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، کیونکہ ہم آپ سے کچھ چیزیں ذکر کرنا چاہتے ہیں جنہیں آپ نے ایجاد کیا ہے، یا جنہیں آپ نے انجام دیا ہے، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی کام میں مشغولیت کے سبب آنے سے معذرت کر لی، اور ان

---

[1] اسے عبد اللہ بن امام احمد نے روایت کیا ہے، فضائل الصحابۃ، از احمد بن حنبل (۱/ ۴۵۲)، اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبد الملک بن عمیر ہے جو اختلاط کا شکار ہو گیا تھا اور یہ واضح نہ ہو سکا کہ راوی نے اس سے اختلاط سے پہلے روایت کیا ہے یا اس کے بعد، نیز اس میں عبد الملک نے ''عن'' سے روایت کیا ہے جبکہ وہ مدلس ہے، حافظ ابن حجر نے اسے مدلسین کے تیسرے درجہ میں ذکر فرمایا ہے۔

دونوں کو واپس جانے کا حکم دیا نیز ان سے ایک مقررہ وقت طے کیا جس میں وہ ان دونوں سے گفت وشنید کے لئے تیار ہوں گے، چنانچہ سعد واپس ہو گئے مگر عمار نے واپس ہونے سے انکار کر دیا، جس کے سبب عثمان رضی اللہ عنہ کے قاصد نے انہیں پکڑا اور مارا۔

چنانچہ جب وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اکٹھا ہوئے تو اُن سے کہا: ہمیں آپ پر یہ اعتراض ہے کہ آپ نے عمار رضی اللہ عنہ کو مارا ہے، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پورا واقعہ بتلایا، اور بتایا کہ انہوں نے اُنہیں مارنے کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ اُن کے قاصد نے اُن کے حکم کے بغیر مارا تھا، پھر ان کے سامنے قسم کھائی کہ انہوں نے مارنے کا حکم دیا تھا نہ اُس سے راضی تھے، اور یہ بھی کہا کہ: یہ میرا ہاتھ عمار کے لئے حاضر ہے وہ مجھ سے قصاص لے لیں۔ ①

عمار رضی اللہ عنہ کو مارنے کے سلسلہ میں یہ بات آئی ہے جس کی سند ضعیف ہے، بالفرض اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کو مارا تھا، تو بھی یہ چیز دونوں میں سے کسی میں عیب وقدح کا سبب نہیں ہے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ دونوں جنتی ہیں اور دونوں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ شعار اکابر اولیاء میں سے ہیں، اور اللہ کے ولی سے بسا اوقات ایسی چیز صادر ہو سکتی ہے جس پر وہ شرعی سزا کا مستحق قرار پائے، تو تنبیہی سزا کی کیا بات ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے چلتے دیکھا تو اُنہیں کوڑے سے مارا، انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین یہ کیا ہے؟! فرمایا: یہ تابع کے

---

① مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵ / ۲۲۰ - ۲۲۲)، اس میں حصین بن عبد الرحمن نامی راوی ہے جو اختلاط کا شکار ہو گیا تھا اور اس سے روایت کرنے والے راوی حصین بن نمیر نے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے، نیز اس کے اندر ناصبیت بھی پائی جاتی ہے، اسی طرح اس میں جہیم فہری ہے جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے (۴ / ۱۱۹)۔

لئے ذلت اور متبوع کے لئے فتنہ کا باعث ہے۔ ①

اور اگر عثمان رضی اللہ عنہ نے عمار کو تادیباً مارا ہے تو یا تو وہ اُنہیں تادیبی سزا دینے میں حق بجانب ہوں گے کیونکہ سچ مچ وہ اُس کے مستحق تھے، اور یا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے جس چیز پر عمار کو سزا دی تھی اُس سے انہوں نے توبہ کرلیا ہوگا، یا تادیبی سزا و دیگر مصائب کے ذریعہ یا اُن کی عظیم نیکیوں کے ذریعہ یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعہ اُن کی غلطی کا کفارہ ہوگیا ہوگا۔

رہا یہ کہنا کہ: وہ مطلق طور پر مظلوم تھے، تو جیسے یہ بات اُن کے بارے کہی جاسکتی ہے ویسے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہونی چاہئے، بلکہ اُن سے زیادہ ہونی چاہئے، کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ اُن سے افضل ہیں اور مغفرت و رحمت کے زیادہ حقدار ہیں۔

اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ امام وقت سزا دینے میں مجتہد اور اُس پر ثواب کا مستحق ہو، اور عمار نے جو کچھ کیا اُس میں وہ مجتہد ہوں، لہٰذا گنہگار نہ ہوں بلکہ اپنے اجتہاد کے سبب ثواب کے مستحق ہوں۔ ②

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا عمار رضی اللہ عنہ کو مارنا درست ہے نہ باغیوں کا اسے بغاوت کے لئے وجہ جواز بنانا، اس میں زیادہ سے زیادہ اتنی سی بات ہے کہ ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاصد نے اُن کے علم کے بغیر عمار کو

---

① سنن دارمی (۱/ ۱۳۲-۱۳۳)، اس کی سند میں سلیم بن حنظلہ نامی راوی ہے جس کی سوانح مجھے نہ مل سکی، نیز اس میں ہارون بن عنترہ ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے: ''لابأس بہ'' جبکہ حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۳/ ۱۴۳۰خ) میں ذکر کیا ہے کہ وہ سلیم بن حنظلہ بکری سے روایت کرتا ہے، اور مجھے اس کی بھی سوانح نہیں مل سکی۔

② منہاج السنۃ النبویۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶/ ۲۵۵-۲۵۶)۔

مارا، نیز عثمان رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ اُنہوں نے اپنے قاصد کو مارنے کا حکم دیا تھا نہ اُس کے اس فعل سے راضی تھے، بلکہ انہوں نے اختلاف ختم کرنے کے لئے تنازل کرتے ہوئے عمار سے مطالبہ کیا کہ اُن سے اس کا قصاص لے لیں۔

اور اگر فرض کیا جائے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے اجتہاد سے نہیں مارا تھا، تو بھی مغفرت کے اسباب بہت ہیں، اور عثمان رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جو اُس کے سب سے زیادہ سزاوار ہیں۔ [1]

یہ چیز ان پر طعنہ زنی کی وجہ جواز نہیں بن سکتی چہ جائیکہ اُنہیں قتل کر دیا جائے۔

اور جو کہا جاتا ہے: کہ پچاس مہاجرین و انصار اکٹھا ہوئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے نئے نئے کام اور قابل اعتراض باتیں ایک خط میں لکھیں، اور عمار رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ خط عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچا دو کہ اُسے پڑھ لیں تاکہ شاید اس منکر سے رجوع کر لیں، اور اُس میں اُنہیں ڈرایا کہ اگر رجوع نہ کریں گے تو وہ اُنہیں اس منصب سے معزول کر کے اُن کے بدلے دوسرے کو منتخب کر لیں گے۔

نیز یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسے پڑھنے کے بعد پھینک دیا، تو عمار نے اُن سے کہا: اس خط کو پھینکئے مت بلکہ اس پر غور کیجئے، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا خط ہے، اور اللہ کی قسم! میں آپ کا خیر خواہ اور آپ کے بارے میں ڈرنے والا ہوں، تو اُنہوں نے فرمایا: سمیہ کے بیٹے! تم جھوٹ بول رہے ہو، اور انہوں نے اپنے لڑکوں کو حکم دیا اُنہوں نے اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو کر اپنے پہلو کے بل گر پڑے، پھر عثمان اُٹھے اور اُن کے پیٹ اور عضو تناسل کو

---

① ان اسباب مغفرت میں سے کچھ چیزوں کے لئے ملاحظہ فرمائیں: منہاج السنۃ النبویۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶/ ۲۰۵-۲۳۸)۔

روند ڈالا، یہاں تک اُن کے خصیے پھٹ گئے اور وہ چار نمازوں تک بیہوش پڑے رہے، جسے انہوں نے افاقہ ہونے کے بعد قضا کیا، نیز انہوں نے اپنے کپڑے کے نیچے جانگیا پہنا، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خصیہ پھٹ جانے کے سبب جانگیا پہنا، اس صورتحال کے نتیجہ میں بنو مخزوم کے لوگ عمار کے لئے سخت غضبناک ہوئے اور کہا: اللہ کی قسم! اگر اس مار کے سبب عمار کی موت ہوگئی تو وہ بنو امیہ کے ایک بڑے بزرگ کو قتل کر دیں گے۔ان کی مراد عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔اور عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کو لازم پکڑ لیا، یہاں تک کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا جانکاہ فتنہ رونما ہوا۔ [۱]

تو ان باتوں کی مجھے کوئی سند نہیں ملی، جس کے ذریعہ اس کی صحت کا درجہ معلوم ہو سکے، جس نے یہ ساری تفصیلات ذکر کیا ہے وہ محب الدین طبری (وفات: ۶۹۴ھ) ہیں، انہوں نے ان باتوں کی کوئی سند ذکر کی ہے نہ کسی کا حوالہ دیا ہے، بلکہ اس کی صحت میں عیب لگاتے ہوئے کہا ہے: ''اس واقعہ کا سیاق صحیح نہیں ہے''۔

پھر سابقہ بیان کردہ ضعیف روایت کا کچھ مضمون ذکر کیا ہے جس میں یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے سامنے قصاص کی پیشکش کی، پھر فرمایا ہے کہ: ''یہ انصاف کا انتہائی اعلیٰ نمونہ ہے'' نیز یہ بھی مروی ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے عمار کے سامنے عمدہ عذر کے ذریعہ انصاف پیش کیا تو وہ اُن سے راضی ہو گئے''، پھر فرمایا: ''آخر بدعتیوں کا کیا معاملہ ہے کہ وہ راضی نہیں ہوتے، اس صورت میں ان کی مثال میں یہی کہا جا سکتا ہے: کہ فریقین راضی ہو گئے مگر قاضی نہ ہوا''۔

اور عمار کے عثمان رضی اللہ عنہما سے راضی ہونے پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا اور پانی بند کر دیا گیا تو عمار رضی

---

(۱) الریاض النضرۃ، از محب الطبری (۳/ ۸۵)۔

اللہ عنہ نے بلوائیوں سے کہا: سبحان اللہ! بئر رومہ انہوں نے ہی خرید اہے اور تم ان کے لئے اس کا پانی بند کر رہے ہو! پانی کا راستہ چھوڑ دو، پھر وہ علی کے پاس آئے اور ان سے عرض کیا کہ اُن کے پاس پانی پہنچا دیں، چنانچہ انہوں نے ایک مشکیزہ پانی پہنچانے کا حکم دیا۔[1]

امام ابن العربی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ انہوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو اتنا مارا کہ اُن کی آنتیں پھٹ گئیں۔[2] پھر فرمایا کہ: ''یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے''۔ اگر اُن کی آنتیں پھٹ گئی ہوتیں تو وہ ہرگز زندہ نہ رہتے۔ علماء کرام نے کئی وجوہ سے اس کا اعتذار کیا ہے جس میں مشغول ہونا مناسب نہیں؛ کیونکہ وہ باطل پر مبنی ہیں اور کوئی حق باطل پر مبنی نہیں ہوسکتا، انسان پر واجب ہے کہ اُس کا وقت جاہلوں کے ساتھ چلنے میں ضائع نہ ہو؛ کیونکہ اس کا کوئی آخر نہیں ہے۔[4]

اللہ کی قسم! انہوں نے سچ فرمایا ہے کیونکہ عمار رضی اللہ عنہ کو مارنے کی بات بے اصل ہے، لیکن چونکہ عوام الناس اور بھولے بھالے سادہ لوح لوگوں کے سامنے جو صحیح غلط کی تمیز نہیں کر سکتے، باطل پروپیگنڈہ کرنے والے موجود ہیں، اس لئے اہل حق اور علماء کرام پر واجب ہے کہ اس باطل کو بے نقاب کریں، تاکہ لوگوں میں باطل قبول کرنے سے دوری اختیار کرنے میں اضافہ ہو، نیز ان جھوٹے پروپیگنڈہ کرنے والوں کا پردہ فاش ہو، اور عالم و جاہل تمام لوگوں کے یہاں ان کے عقیدہ کا باطل ہونا آشکارا ہو جائے۔

---

[1] الریاض النضرۃ، از محب الطبری (۳ / ۸۵)، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو انہوں نے سند کے ساتھ ذکر نہیں ہے، اور مجھے یہ حدیث ان کے علاوہ کہیں اور نہ مل سکی۔

[2] العواصم من القواصم (۷۶)۔

[3] العواصم من القواصم (۷۷)۔

[4] العواصم من القواصم (۷۸-۷۹)۔

اور امام طبری [1] نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے کہ ایک سوال کرنے والے نے سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے کا سبب پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: اُن کے اور عباس بن عتبہ بن ابولہب کے درمیان کچھ تند کلامی تھی، لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو مارا، جس کے نتیجہ میں آل عمار اور آل عتبہ کے درمیان آج نفرت و برائی پیدا ہوگئی، اور انہوں نے کنایہ میں دونوں کو مارنے کی وجہ اور اس کا سبب بتلایا۔

یہ روایت جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں' اس کی سند ضعیف ہے قابل حجت نہیں ہے، اس لئے اس میں عمار کے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے، عثمان رضی اللہ عنہ کے عمار کو مارنے اور مارنے کے سبب وغیرہ کے بارے جو کچھ بھی ذکر کیا گیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

تیسری قسم:

سبب بغاوت کے بارے میں مشہور باتیں جو بے سند ہیں:

بعض کتابیں جن کی روایتیں غیر مستند ہیں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چند عیوب ذکر کرنے میں منفرد ہیں جنہیں باغیان عثمان نے اُن کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز بنایا، ان باتوں کی سندوں کا عدم وجود باغیان کی جانب سے ان چیزوں کے سرزد ہونے کی صحت میں شک پیدا کرتا ہے، شاید یہ چیزیں دشمنان عثمان کی جانب سے صادر ہوئی ہوں، ان میں سے چند عیوب حسب ذیل ہیں:

---

① تاریخ الأمم والملوک (۴/ ۳۹۹)، اس میں شعیب بن ابراہیم نامی راوی ہے جو ایسی باتیں روایت کرتا ہے جن میں سلف پر طعنہ زنی ہو' اسی طرح سیف بن عمر تمیمی ہے جسے ائمہ کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔

پہلا عیب: عبیداللہ بن عمر پر حد قائم نہ کرنا:

سب سے پہلے جس نے اس چیز کو عثمان رضی اللہ عنہ کے عیوب میں ذکر کیا ہے وہ محب الطبری ہیں، انہوں نے اسے بلا سند ذکر کیا ہے [1]، جبکہ محب طبری بعد کے دور کے ہیں ان کی وفات سنہ ۶۹۴ھ میں ہوئی ہے۔

پھر ان کے بعد ابن المطہر حلی (وفات: ۷۲۶ھ) نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب ''منہاج الاستقامۃ فی إثبات الامامۃ'' میں عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''انہوں نے اللہ کے حدود کو پامال کیا بایں طور کہ عبید اللہ بن عمر کو قتل نہیں کیا جس نے امیر المؤمنین کے آزاد کردہ غلام ہرمزان کو اسلام لانے کے بعد قتل کر دیا تھا...''۔ [2]

عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر چسپاں کردہ اس الزام کے بارے میں محب طبری اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہما اللہ کا مناقشہ پیش کرنے سے پہلے میں اس بارے میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے محب طبری کے حوالہ سے جو بات نقل کی ہے اُس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ باغیان عثمان نے اُن پر یہ عیب لگایا اور اُسے آپ کے خلاف بغاوت کے لئے وجہ جواز بنایا تھا، زیادہ سے زیادہ محب طبری کی بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ چیز عملاً پیش آئی ہے اس بات کے یقین کے بغیر کہ یہ اُن کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا یا اُن کے دور میں ہوا، لہٰذا اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ فتنہ کے سینکڑوں سال بعد پیش آیا ہو۔

عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر قتل کی حد قائم نہ کرنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں عیب شمار نہیں ہوتا کیونکہ ابولؤلؤ کی بیٹی ایک مجوسی کی بیٹی ہے جو اُس کے تابع ہے اُس میں

---

[1] الریاض النضرۃ (۳/ ۸۷، ۱۰۰)۔

[2] منہاج السنۃ النبویۃ (۶/ ۲۷۶)۔

حد نہیں ہے، اسی طرح جفینہ بھی ہے جو اہل حیرہ کا نصرانی ہے، یہ بھی عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہونے کا ملزم ہے کیونکہ اُس کے اور ابولؤلؤہ کے درمیان قومیت میں یکسانیت تھی، اور عبید اللہ بن عمر سے ذکر کیا گیا کہ: عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت ہرمزان کے پاس اُسے بھی دیکھا گیا ہے، تو انہوں نے اُس پر ابولؤلؤہ کے ساتھ قتل میں شریک ہونے اور اس کی مدد کرنے کی تہمت لگائی، اور ائمۂ کرام کی ایک جماعت امام عادل کے قتل میں مدد کرنے والے کو قتل کرنے کی قائل ہے بلکہ بہت سے فقہاء نے قتل کا حکم دینے اور اُسے انجام دینے والے دونوں پر حد قائم کرنا واجب قرار دیا ہے۔

عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کا عذر پیش کیا اور فرمایا کہ:

عبد الرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما نے انہیں بتلایا کہ اُنہوں نے ابولؤلؤ، ہرمزان اور جفینہ کو ایک جگہ جا کر آپس میں مشورہ کرتے ہوئے دیکھا تھا، ان کے پاس ایک خنجر بھی تھا جو دوسِروں والا تھا جس کا دستہ درمیان میں تھا، اور اُسی شب کی صبح عمر رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمن کو بلوا کر اس بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: اس چھری کو دیکھو، اگر وہ دوسروں والی ہو تو میرا خیال ہے کہ ان سبھی لوگوں نے مل کر عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے، جب چھری کو دیکھا تو وہ اُسے ویسا ہی پایا جیسا عبد الرحمن نے بتلایا تھا، چنانچہ اسی لئے عثمان رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل نہیں کیا، کیونکہ یا تو ان کا خیال تھا کہ اس میں قصاص واجب نہیں ہے، یا تردد تھا لہٰذا شک کی بنا پر واجب نہیں سمجھا۔ [1]

اور اگر عثمان رضی اللہ عنہ کے یہاں یہ چیز ثابت بھی ہوتی اور شک نہ رہتا، تب بھی اُن کے عبید اللہ بن عمر کو قتل نہ کرنے کا عذر ہوتا، وہ اس بات کا خوف کہ اُنہیں قتل کرنے سے کوئی

[1] منہاج السنۃ النبویۃ (۶/ ۲۸۰)۔

بڑا فتنہ نہ بھڑک جائے، کیونکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت اُنہیں قتل کرنے کی قائل نہ تھی، یہاں تک کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا تھا: کل امیر المؤمنین کو قتل کیا گیا اور آج اُن کے بیٹے کو قتل کیا جائے گا؟! نہیں اللہ کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہو گا، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اُن کا معاملہ میرے حوالے ہے' ہرمزان کے گھر والوں کو میں اُن سے راضی کروں گا[1]، چنانچہ اس طرح انہوں نے اُس فتنہ کو دبا دیا جو بھڑکنے ہی والا تھا۔[2]

اور ہرمزان کا کوئی ولی و سرپرست نہ تھا بلکہ اُس کے سرپرست خود ولی امر تھے، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے طے کیا کہ دیت کی مقدار آل عمر کو دیدی جائے (تاکہ وہ دیت ادا کر دیں) کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ قرض کے بوجھ سے گراں بار تھے اُن کے ذمہ اسّی ہزار قرض تھا، اور ان کے گھر والوں کو حکم دیا کہ اُن کا قرض ان کے عصبہ کے مال سے ادا کریں یعنی بنو عدی اور قریش کے ان کے قریبی رشتہ داروں کے مال سے، اس لئے کہ عصبہ پر دیت کا بوجھ ہوتے ہوئے کوئی قرض کی ذمہ داری نہیں اٹھائے گا۔ لہٰذا جب عثمان رضی اللہ عنہ نے اس دیت کے ذریعہ عمر رضی اللہ عنہ کے قرض میں مدد فرمائی ہے تو یہ اُن کے محاسن اور خوبیوں میں سے ہے جس پر مدح وستائش کے مستحق ہیں۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال میں اموال کی کثرت تھی، لوگوں کو بہت زیادہ عطیے دیئے جاتے تھے جس کی مقدار اس سے کئی گنا ہوا کرتی تھی، تو بھلا آل عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کیونکر نہ دیا جاتا۔[3]

---

① عنقریب اس بات کا ذکر آئے گا کہ ہرمزان کا کوئی سرپرست نہ تھا جو اس کے خون کا مطالبہ کرتا۔

② الریاض النضرۃ، از محب طبری (۳/ ۸۷،۱۰۰)۔

③ منہاج السنۃ النبویۃ (۶/ ۲۸۱)۔

اور جب ہرمزان قاتلین عمر کے معاونین میں سے تھا تو وہ روئے زمین میں فساد پھیلانے والے دنگائیوں میں سے تھا اس لئے اس کا قتل واجب تھا، اور اگر مان لیا جائے کہ وہ معصوم الدم تھا اس کا قتل حرام تھا تو عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تاویل کرنے والے تھے اس کا قتل حلال سمجھتے تھے اور ان کا شبہہ ظاہر تھا، یہ ایسا شبہہ ہے جو اُن سے قصاصاً قتل کو ٹال دیتا ہے، جیسا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے جب اُس شخص کو ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کہنے کے بعد قتل کر دیا کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کہنے سے اُس کا خون محفوظ نہیں ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں صرف زبانی تنبیہ فرمائی قتل نہیں کیا، کیونکہ وہ تاویل کرنے والے تھے۔

لہٰذا مجتہد کے لئے اس شبہہ کو قصاص کے وجوب سے مانع قرار دینا جائز ہے، کیونکہ قصاص سے متعلقہ مسائل میں بہت سارے مسائل اجتہادی ہیں [١]، اور جب عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں ہرمزان کی مدد ثابت ہوگئی تو امام المسلمین پر اس کا قتل واجب ہے۔

البتہ اتنی بات ہے کہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اُسے خود ہی قتل کر ڈالا [٢] جبکہ اسے قتل کرنا خلیفہ کی ذمہ داری تھی نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کی، لیکن امام کے لئے اپنے اختیار کے خلاف خود تصرف کرنے والے کو معاف کر دینا جائز ہے، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خلاف عبید اللہ بن عمر کے من مانی تصرف کو معاف فرما دیا۔ [٣]

ہرمزان عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں شریک ہونے سے پہلے معصوم الدم تھا کیونکہ وہ ان فارسیوں میں سے تھا جنہیں کسریٰ نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ذمہ داری

---

① منہاج السنۃ النبویۃ (٦ / ٢٨٠)۔

② ''افتات'' کے معنیٰ خود تنہا کرنے اور قابض ہونے کے ہیں، المزھر فی علوم اللغۃ (٢ / ٢٢٠)۔

③ منہاج السنۃ النبویۃ (٦ / ٢٨٤)۔

دی تھی، تو مسلمان اُسے قید کر کے عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آئے، پھر اس نے اسلام ظاہر کیا، لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ نے اُس پر احسان کرتے ہوئے اُسے آزاد کر دیا اور وہ مسلمانوں کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) بن گیا۔

اور عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تھا: تم اور تمہارے والد چاہتے تھے کہ مدینہ میں عجمی کافروں کی کثرت ہو، تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اگر آپ کہیں تو ہم انہیں قتل کر دیں''، چنانچہ یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں جو عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑے فقیہ، دیندار اور ان سے کہیں زیادہ افضل ہیں عمر رضی اللہ عنہ سے مدینہ میں موجود فارسی کفار کو علی الاطلاق قتل کرنے کی اجازت مانگ رہے ہیں کیونکہ انہیں فساد سے متہم کیا اور اس جیسی چیز کو جائز سمجھا، تو عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہرمزان کے قتل کو کیونکر جائز نہ سمجھیں گے جو خلیفہ وقت کو قتل کرنے کے منصوبے میں شرکت سے متہم تھا۔

شاید بعض صحابہ کے عبید اللہ کو قتل کرنے سے انکار کرنے کا سبب یہ رہا ہو کہ ان کے یہاں ہرمزان کی بے گناہی میں کوئی شبہہ رہا ہو، کہ آیا وہ حملہ آوروں میں سے تھا جو دفع کئے جانے کے مستحق تھے؟ یا عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک لوگوں میں سے تھا جو قتل کئے جانے کے مستحق تھے؟

کسی کے قتل میں شریک لوگوں کے بارے میں جب اُن میں سے کچھ لوگ براہ راست ملوث ہوں اور بعض لوگ براہ راست ملوث نہ ہوں' فقہاء کا اختلاف ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے: کہ صرف براہ راست ملوث شخص پر قصاص واجب ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، جبکہ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر سبب ٹھوس ہو تو براہ راست ملوث اور سبب بننے والے دونوں پر قصاص واجب ہے: جیسے مجبور کرنے والا اور مجبور کردہ شخص، اسی طرح زنا اور

قصاص کی گواہی دینے والے جب رجوع کر لیں اور کہیں کہ: ہم نے عمداً وقصداً ایسا کیا تھا، یہ جمہور اہل علم جیسے امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا قول ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب ہرمزان عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں معاون لوگوں میں سے تھا تو دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق اُسے قصاصاً قتل کرنا جائز تھا، اور خود عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''لَوْ تَمَالَأَ عَلَيْهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَأَقَدْتُهُمْ بِهِ''۔ ①

اگر اس کے قتل میں پورے صنعاء والے شریک ہوتے تو میں اس کے بدلے سب سے قصاص لیتا۔

اسی طرح ائمہ مسلمین کے قاتل کو قتل کرنے کی بابت لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا اُسے بطور حد قتل کیا جائے گا یا بطور قصاص؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ: اُسے بطور حد قتل کیا جائے گا جیسے فساد پھیلانے والے کو بطور حد قتل کیا جاتا ہے، کیونکہ ائمہ کے قتل میں فساد عام ہو جاتا ہے جو رہزن کے فساد سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے، اس لئے ائمہ کا قاتل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے والا، روئے زمین میں فساد مچانے والا ہے۔

نیز ہرمزان کے اولیاء نہ تھے جو اس کے خون کا مطالبہ کرتے، بلکہ اُس کے ولی خود خلیفۂ وقت تھے، اس لئے اُنہیں اختیار تھا کہ اُس کے قاتل کو قتل کر دیں یا اُسے معاف کر کے خوں بہا عائد کر دیں تا کہ مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کے قاتل کو معاف کر دیا، اور دیت کی مقدار عمر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو دینا مناسب سمجھا کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ مقروض تھے، یہ ان کی جانب سے عمر کے گھر والوں کی مدد تھی، اور یہ

① منہاج السنۃ النبویۃ (۶ / ۲۸۴)۔ اور قول کو علامہ البانی نے إرواء الغلیل (حدیث: ۲۲۰۱) میں صحیح قرار دیا ہے۔

چیزیں عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسن کا حصہ ہیں جس پر وہ ستائش کے حقدار ہیں نہ کہ مذمت کے مستحق - جیسا کہ بات گزر چکی ہے-۔

کیونکہ خوں بہا مسلمانوں کا ہے اور حاکم وقت کو اُسے مالی مصارف میں خرچ کرنے کا اختیار ہے، اور آل عمر کے لئے دیت کو چھوڑ دینا اُن کے مسلمانوں پر واجب حق کا حصہ ہے۔

بہر حال یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا، اس لئے عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے جو کچھ کیا، اس بابت اُن پر نکیر نہیں کی جاسکتی۔ ①

رہا یہ مسئلہ کہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد علی رضی اللہ عنہ سے ڈرتے تھے کہ وہ اُنہیں قتل نہ کر دیں تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ میری معلومات کے مطابق کسی بھی مصدر میں اس بات کی کوئی صحیح سند وارد نہیں ہے، نہ علی رضی اللہ عنہ سے اس بات کی توقع ہی کی جاسکتی ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں خون معافی کا فیصلہ کیا جا چکا تھا، اس لئے علی رضی اللہ عنہ سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس فیصلہ کو توڑنا حلال سمجھیں گے، نیز علی رضی اللہ عنہ مقتول کے ولی بھی نہ تھے، نہ مقتول کے ولی نے قصاص کا مطالبہ ہی کیا، کیونکہ اس کا کوئی ولی نہ تھا، اس لئے عثمان رضی اللہ عنہ کے معاف کر دینے اور خوں بہا ادا کرنے کے فیصلے کے بعد اُن کے قتل کی کوئی وجہ جواز نہ تھی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بارے میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں پایا ہے۔

اور کیا جنت کی بشارت سے سرفراز خلیفہ سوم، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون اس لئے حلال قرار دیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک شخص پر حد قائم نہیں کی جس نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جو اپنے دین میں مشکوک تھا اور نفاق نیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ اور

① منہاج السنۃ النبویۃ (۶/ ۲۷۷-۲۸۲)۔

روئے زمین میں فساد برپا کرنے جیسے امور سے متہم تھا۔

جبکہ یہ معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ خون بہانے کے معاملہ میں سب سے زیادہ محتاط اور ہاتھ روکنے والے تھے، اور خود اپنی بے عزتی اور اپنے خون کے پیاسوں کی بابت سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے- جیسا کہ آگے آئے گا- انہوں نے خود اپنے خلاف بغاوت کرنے والوں سے جنگ کرنے سے انکار کر دیا تھا باوجودیکہ آپ جانتے تھے کہ وہ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، نیز یہ کہ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں، یہی نہیں بلکہ آپ نے اپنے مددگاروں اور حمایتیوں کی پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا تھا، یہ ساری چیزیں محض اس خوف سے کہ کہیں آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت میں تلوار اٹھانے اور خونریزی کا اولین فرد نہ بن جائیں۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ پر حدود الٰہی کی عدم تنفیذ کے ذریعہ مسلمانوں کا خون بہانا حلال سمجھنے کی تہمت باطل و بے بنیاد ہے، جیسا کہ اس کے قائلین کا خیال ہے۔[1]

دوسرا عیب: انگوٹھی ضائع ہونا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سونے - یا چاندی - کی انگوٹھی بنوائی، اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی طرف رکھا، اس میں ''محمد رسول اللہ'' کندہ کرایا، تو لوگوں نے بھی اسی جیسی انگوٹھی بنوالی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا کہ لوگوں نے بھی انگوٹھی بنوالی ہے تو آپ نے اُسے نکال دیا اور فرمایا: میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تو لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں۔

---

(1) منہاج السنۃ النبویۃ (۶/ ۲۸۴)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ انگوٹھی آپ کے بعد خلفاء راشدین ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان رضی اللہ عنہم بطور میراث پہنتے رہے، یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے اریس کے کنوئے میں گر گئی۔ [1]

انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس انگوٹھی کے کھونے اور اسے تلاش کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

عثمان رضی اللہ عنہ اریس نامی کنوئے پر بیٹھے اور انگوٹھی نکالی پھر اسے یونہی ہاتھ میں لیکر کھیلنے لگے، اتنے میں وہ پانی میں گر گئی، ہم تین دنوں تک عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ آ کر کنوئے کا پانی نکال کر تلاش کرتے رہے [2] مگر ہمیں انگوٹھی نہ مل سکی۔ [3]

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں [4] ہے کہ اُسے کنوئے میں گرانے والے معیقیب رضی اللہ عنہ ہیں۔ [5]

اور ابن سعد اور نسائی کی روایت ہمیں انگوٹھی کے گرنے کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ چھ سالوں تک عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت پر فائز

---

① صحیح مسلم (۳/ ۱۶۵۶)، اور "أریس" ہمزہ پر زبر اور راء پر بلا تشدید زیر کے ساتھ، مدینہ طیبہ میں مسجد قبا سے قریب ایک معروف کنوئے کا نام ہے۔ (لسان العرب، از ابن منظور/ ۶/ ۶)۔

② یعنی تین دنوں تک آتے جاتے رہے اور کنوئے میں اترتے اور نکلتے رہے، اور ابن سعد کی روایت میں ہے کہ: "ہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُسے تین دنوں تک تلاش کیا مگر نہیں پا سکے"۔ (فتح الباری، از حافظ ابن حجر، ۱۰/ ۳۲۹)۔

③ صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۰/ ۳۲۸)۔

④ صحیح مسلم (۳/ ۱۶۵۶)۔

⑤ یہ معیقیب بن ابو فاطمہ دوسی، بنو عبد شمس کے حلیف، سابقین اولین میں سے ہیں، دونوں ہجرتیں کیں، تمام جنگوں میں حاضر رہے، عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے بیت المال کے نگراں رہے اور عثمان غنی یا علی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں وفات پائے (تقریب التہذیب: ۶۸۲۵)، اور عثمان رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کے بھی ذمہ دار تھے (الاصابۃ، از حافظ ابن حجر، ۳/ ۴۵۱)۔

ہونے کے چھ سالوں کے بعد کنوئے میں گری۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بعض علماء نے کہا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی میں سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی جیسا کوئی راز تھا، کیونکہ جب سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی غائب ہوئی تو ان کی بادشاہت چلی گئی اور جب عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی غائب ہوئی تو ان کی خلافت کی چولیں ڈھیلی ہوگئیں، اور باغیوں نے ان کے خلاف بغاوت کر دی، اور یہیں سے اس فتنہ کا دروازہ کھل گیا جس کا انجام آپ کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا، اور اس کا سلسلہ آخری دور تک دراز ہو گیا۔ [1]

ان تمام باتوں کے لئے صحیح دلیل درکار ہے، ورنہ اس کا کوئی اعتبار ہے نہ کوئی فائدہ، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہی ختم نہیں ہوگئی بلکہ ان کے بعد کئی جلیل القدر خلفاء آئے جن میں سرفہرست علی رضی اللہ عنہ پھر ان کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

مجھے کوئی ایسی مسند روایت نہیں ملی جو اس بات کی وضاحت کرے کہ باغیان عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ پر اس چیز کا عیب لگایا ہو اور اسے آپ کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز بنائی ہو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کھو جانے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو امام وقت کے خلاف بغاوت کی موجب ہو چہ جائے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یہ اس صورت میں جب یہ صحیح طور پر ثابت ہو کہ باغیوں نے انگوٹھی کھو جانے کو آپ کے خلاف بغاوت کے لئے وجہ جواز بنایا

---

[1] فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۱۰/۳۲۸)۔

ہے، ورنہ جیسا کہ پہلے ہی بات گزر چکی ہے کہ مجھے کوئی ایسی روایت معلوم نہ ہوسکی جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہو۔

تیسرا عیب: حکم بن ابوالعاص اوران کے بیٹے مروان کو مدینہ لوٹانا:

ثابت نہیں کہ باغیان عثمان نے اس چیز کو اُن کے خلاف بغاوت کی وجہ جواز بنایا ہو، دراصل یہ بات محض بعض متاخر کتابوں میں آئی ہے، مثلاً اس کو ابن المطہر الحلی (وفات: ۷۲۶ھ) نے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا حکم بن ابوالعاص اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے مروان کو مدینہ سے بھگا دیا تھا، چنانچہ وہ اور ان کے بیٹے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے ادوار میں جلاوطن رہے، مگر جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم بن ابوالعاص کو پناہ دیدی اور انہیں مدینہ لوٹا لیا، اور مروان کو اپنا کاتب اور مشیر خاص مقرر فرمایا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ [المجادلۃ:۲۲]۔

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے۔ (۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کئی پہلوؤں سے اس کا جواب دیا ہے، ذیل میں مختصراً

---

(۱) منہاج السنۃ النبویۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶/ ۲۶۵-۲۶۹)۔

اس کا ذکر کرتا ہوں:

الف: بہت سارے علماء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم بن العاص کو جلاوطن کرنے کی صحت پر کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ خود اپنی مرضی سے گئے تھے، ان کی جلاوطنی کے واقعہ کی کوئی سند معلوم نہیں ہے۔

ب: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم بن ابوالعاص کو شہر بدر کیا بھی ہو تو یہ مدینہ سے نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ابن المطہر الحلی نے کہا ہے بلکہ مکہ سے ہوگا؛ کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر معاف کردہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مدینہ میں سکونت اختیار نہیں کی تھی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مدینہ سے جلاوطن کرتے تو مکہ بھیجتے، نیز معاف کردہ لوگوں میں سے کسی شخص نے بشمول حکم بن ابوالعاص مدینہ ہجرت بھی نہیں کی۔

ج: مروان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک چھوٹے بچے تھے ابھی ابھی سن شعور کو پہنچے تھے، ان کی عمر سات سال یا اس سے کچھ کم و بیش تھی، لہٰذا اس عمر میں ان کا کوئی ایسا گناہ نہ تھا جس کی بنا پر انہیں جلاوطن کیا جائے۔

د: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو جلاوطنی کی سزا بھی دی ہو تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ شخص زمانۂ دراز تک جلاوطن ہی رہے، کیونکہ ایسا حکم کسی بھی گناہ میں معروف نہیں ہے، شریعت اسلامیہ میں کوئی ایسا گناہ نہیں جس کی سزا میں گنہگار ہمیشہ جلا وطن ہی رہے بلکہ جلاوطنی کی زیادہ سے زیادہ مدت ایک سال ہے، یہ زانی اور اسی طرح ہیجڑے کی جلاوطنی کی مدت ہے یہاں تک وہ ہیجڑے پن سے تائب ہو جائے، لہٰذا اگر حاکم وقت نے کسی گناہ کی سزا اس حد تک دی ہو جب تک وہ توبہ نہ کرلے تو جب وہ توبہ کرلے گا تو اس کی سزا ساقط ہو جائے گی، اور اگر سزا ماضی کے کسی گناہ پر دی گئی ہو تو وہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس میں

کوئی حد یا وقت مقرر نہیں ہے۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو جلاوطنی ہجرت کے آخری ایام میں ہوئی تھی، لہٰذا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں اس کی مدت دراز نہیں ہوئی، مگر جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اس کی مدت دراز ہوگئی، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن ابو سرح کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کی تھی جب اس کے ارتداد کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کا خون حلال کر دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بابت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش قبول فرمائی تھی اور اُس نے آپ سے بیعت کی تھی، تو بھلا حکم بن ابو العاص کے بارے میں اُن کی سفارش کیونکر قبول نہ فرماتے۔

بلکہ لوگوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُنہیں واپس لوٹانے کی درخواست کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دی تھی، اور ان کا گناہ عبد اللہ بن سعد بن ابو سرح سے کمتر تھا اور عبد اللہ بن ابو سرح کا واقعہ تو معروف ہے، جبکہ حکم بن ابو العاص کا واقعہ ذکر کرنے والوں نے عام طور پر اُسے مرسل ذکر کیا ہے، اور اسے ان تاریخ نگاروں نے ذکر کیا ہے جن کی روایتوں میں جھوٹ کی بھرمار ہے، ان کی نقل کردہ باتیں کمی بیشی سے نادر ہی محفوظ رہتی ہیں، لہٰذا کوئی ایسی منقول بات ثابت نہیں ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ سے کمتر لوگوں کی ذات میں عیب قدح کی موجب ہو.... ۔[1]

لہٰذا سابقہ باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس حوالہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی دراصل بعد میں آئی ہے اور ثابت نہیں ہے کہ یہ عیب باغیان کی جانب سے آیا ہو، بلکہ یہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کے دشمنوں کی جانب سے آیا ہے۔

---

[1] منہاج السنۃ النبویۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (٦ / ٢٧٦)۔

اور اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تفصیلی رد گزر چکا ہے جس سے ہر غیر جانبدار متلاشی حق کے دل میں معمولی شبہہ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔

چوتھا عیب: ابو ذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کرنا:

جن عیوب کی بابت مجھے کوئی سند نہیں مل سکی جبکہ مشہور ہے کہ باغیان عثمان نے ان عیوب کو آپ کے خلاف بغاوت کے لئے وجہ جواز بنایا، اُس میں لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے جلاوطن کرکے ربذہ بھیج دیا تھا۔

معاملہ یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ مدینہ چھوڑ کر ملک شام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے گئے تھے کہ: جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو مدینہ سے نکل جانا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

''إِذَا بَلَغَ الْبُنْيَانُ سَلْعًا فَاخْرُجْ مِنْهَا''۔[1]

جب آبادی سلع تک پہنچ جائے تو وہاں (یعنی مدینہ) سے نکل جاؤ۔

اور بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے وہ سمت بھی مقرر کردی تھی جہاں وہ جائیں، بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ملک شام کی طرف

---

[1] مستدرک حاکم (۳/ ۳۴۴)، بسند عبد اللہ بن صامت عن أم ذر عن أبی ذر رضی اللہ عنہ، امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

والطبقات، از ابن سعد (۴/ ۲۲۶-۲۲۷)، وتاریخ المدینۃ، از ابن شبۃ (۱۰۳۷)، دونوں نے بطریق ابن سیرین عن ابی ذر روایت کیا ہے، اور امام ذہبی نے اسے بطریق زید بن خالد جہنی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے اسے ابویعلیٰ سے بطریق زید بن وہب عن ابی ذر رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے (فتح الباری، ۳/ ۲۷۴)، اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے، مگر مجھے یہ روایت مسند ابویعلیٰ کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملی ممکن ہے کہ وہ مسند کبیر میں ہو یا مسند صغیر کے غیر مطبوع حصہ میں ہو، محب طبری نے اسے اپنی کتاب الریاض النضرۃ (۳/ ۹۴) میں ذکر کیا ہے۔

اشارہ کر دیا تھا۔ ①

اس روایت کی سند محمد بن سیرین تک صحیح ہے، لیکن ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی ہے، کیونکہ ان کی پیدائش تقریباً تینتیس ہجری (۳۳ھ) میں ہوئی ② اور اسی سال ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ ③

یہ روایت اپنے ضعف کے باوجود اس باب میں سب سے زیادہ قوی روایت ہے، کیونکہ یہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے نکل کر شام جانے کے سبب کی وضاحت کرنے میں منفرد ہے، اور ملک شام میں مال کی بابت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی ایک منفرد رائے تھی جو دیگر لوگوں کی رائے سے مختلف تھی، بایں طور کہ ان کا خیال تھا کہ مسلمان کے لئے تھوڑا بھی مال ذخیرہ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابو ذر رضی اللہ عنہ سے بہت سارے آثار مروی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا موقف یہ تھا کہ ہر جمع کردہ مال جو خوراک اور گزران زندگی سے زائد ہو وہ کنز (خزانہ) ہے جسے جمع کرنے والا قابل مذمت ہے، اور اس بارے میں وعید کی آیت کریمہ اسی سلسلہ میں اتری ہے۔ ④

---

① یہ بات ابن سیرین کی روایت میں آئی ہے، اور زید بن وہب کی روایت میں قولی نص موجود ہے، چنانچہ اس میں ہے: ''کہ وہ وہاں سے ملک شام کوچ کر گئے'' اور اس میں ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''چنانچہ جب آبادی سلع تک پہنچ گئی تو میں ملک شام جا کر وہاں سکون پذیر ہوگیا''۔

② امام مزی فرماتے ہیں: ''عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی تھے، تب ان کی پیدائش ہوئی'' (تہذیب الکمال، ۳/۱۲۰۹)۔

③ تقریب التہذیب، از حافظ ابن حجر (۸۰۸۷)۔

④ فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۳/ ۲۷۳)، مجھے حافظ ابن عبد البر کا یہ قول ان کی کتاب الاستیعاب میں نہیں مل سکا۔

وعید کی آیت کریمہ اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يَكۡنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلۡفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرۡهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٖ ٣٤﴾ [التوبۃ:۳۴]۔

اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔

مگر اس سلسلہ میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُن کی مخالفت کی ہے، امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مگر جمہور صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے لوگوں نے اس موقف میں ان کی مخالفت کی ہے، اور اس وعید کو زکاۃ نہ دینے والوں پر محمول کیا ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے صحیح دلیل جو ان کی مستند ہے وہ دیہاتی کے واقعہ سے متعلق طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث ہے جس میں اُس نے کہا: ''هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟'' (کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی واجب ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ'' (نہیں، الا یہ کہ تم نفل ادا کرو)۔[1]

جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جو استدلال پیش کیا ہے وہ آغاز اسلام میں تھا، اور انہوں نے اس بارے میں اللہ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے:

﴿وَيَسۡـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَۖ قُلِ ٱلۡعَفۡوَ﴾ [البقرۃ:۲۱۹]۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجئے حاجت سے زائد چیز۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ: قدرِ کفاف سے زائد مال کو خرچ کرنے کا

---

① فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۳/ ۲۷۳)۔

وجوب آغاز اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوگیا،اور ابن عبد البر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قابل مذمت کنز (جمع کردہ مال) وہ ہے جس کی زکاۃ نہ ادا کی گئی ہو،اور اس کی شہادت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے،ارشاد ہے:

''إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ''۔ ①

جب تم نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کر دی تو تم نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔

پھر بعض سابقہ روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس بارے میں کسی نے بھی مخالفت نہیں کی ہے سوائے زاہدوں کی ایک جماعت کے، جیسے ابو ذر رضی اللہ عنہ''۔ ②

بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ناسخ کا علم نہ ہوسکا،اس بارے میں اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''كَانَ أَبُو ذَرٍّ يَسْمَعُ الْحَدِيثَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهِ الشِّدَّةُ ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى قَوْمِهِ ثُمَّ يُرَخِّصُ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ فَلَا يَسْمَعُ الرُّخْصَةَ وَيَتَعَلَّقُ بِالْأَمْرِ الْأَوَّلِ''۔ ③

ابو ذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث سنتے تھے جس میں سختی ہوتی تھی،وہ جا کر اُسے اپنی قوم کو بتا دیتے تھے،پھر بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں رخصت اور نرمی

---

① سنن ترمذی، حدیث (۶۱۸)، وسنن ابن ماجہ، حدیث (۱۷۸۸)، وصحیح ابن حبان، حدیث (۳۲۱۶)، علامہ شعیب ارنؤوط نے ابن حبان کی تحقیق میں اسے حسن قرار دیا ہے، جبکہ علامہ البانی نے اپنی تحقیقات میں اس کی تضعیف فرمائی ہے۔

② فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۳/ ۲۷۳)۔

③ فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۳/ ۲۷۳)۔

فرماتے تھے تو وہ رخصت نہیں سنتے تھے بلکہ پہلی ہی بات سے وابستہ رہتے تھے۔

اس روایت میں لوگوں کو حدیث رسول پہنچانے کی بابت ابوذر رضی اللہ عنہ کی شدید حرص اور تیزی کا بیان ہے، شاید اوس رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں اُن کے قول کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، واللہ أعلم۔

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحت فرمائی ہے کہ نہ پانچ وسق سے کم مقدار اناج میں زکاۃ واجب ہے، نہ پانچ اونٹوں سے کم میں زکاۃ واجب ہے اور نہ پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکاۃ واجب ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو پانچ سے زائد ہو اس میں زکاۃ واجب ہے، اس کا تقاضہ اور حاصل یہ ہے کہ ہر مال جس کی زکاۃ ادا کر دی جائے اس کے مالک پر کوئی وعید نہیں ہے، لہٰذا زکاۃ نکالنے کے بعد باقیماندہ زائد مال کو کنز نہیں کہا جائے گا، اور ابن رشید[2] فرماتے ہیں: پانچ سے کم میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ اتنی مقدار میں حق وجوب معاف کر دیا گیا ہے اس لئے وہ قطعاً کنز نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے زکاۃ ادا کرنے والے کی مدح وثنا فرمائی ہے اور مال کے واجبی حق کی بابت جس کی مدح فرمائی ہے اُس پر مدح وستائش والے پہلو سے (یعنی مال کے بارے میں) مذمت لاحق نہیں ہو سکتی۔

---

① صحیح مسلم (۲/ ۶۷۳)۔

② یہ محمد بن عمر بن محمد بن عمر بن رشید الفہری السبتی ہیں، سنہ ۶۵۷ھ میں پیدائش ہوئی اور سنہ ۷۲۱ھ میں وفات پائے، ان کی ''ترجمان التراجم علی أبواب البخاری'' کے عنوان سے ایک کتاب ہے جس میں انہوں نے بڑی جانفشانی کی ہے، مگر کتاب مکمل نہیں کر سکے ہیں۔ (الدرر الکامنۃ، از حافظ ابن حجر، ۴/ ۲۲۹-۲۳۱)۔

پھر اس کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ: جب تک مال میں زکاۃ واجب نہ ہو اسے کنز نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ معفو عنہ ہے، اس لئے جس مال کی زکاۃ نکال دی گئی ہو اُسے بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے، کیونکہ اس میں واجب زکاۃ نکال دینے کے سبب وہ بھی معاف ہے، اس لئے اسے کنز نہیں کہا جائے گا۔ (۱)

ابوذر رضی اللہ عنہ کی مدینہ واپسی:

ملک شام میں ابوذر اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوا، چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ آیت کریمہ:

﴿وَٱلَّذِينَ يَكۡنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلۡفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرۡهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٖ ﴿٣٤﴾﴾ [التوبۃ: ۳۴]۔

اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔

کے بارے میں کہتے تھے کہ: یہ اہل کتاب کے بارے میں اتری ہے، جبکہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا یہ مسلمانوں اور اہل کتاب دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

نیز مروی ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ہر مال جو صاحب مال کے پاس باقی بچا ہے خواہ اس کی زکاۃ ادا کی ہو یا نہ کی ہو، وہ کنز ہے جس پر اسے سزا ملے گی، چنانچہ وہ کسی چیز کو ذخیرہ کرنے کے سرے سے قائل نہ تھے۔

---

(۱) فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۳/ ۲۷۲)۔

جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے جس مال کی زکاۃ ادا کر دی گئی ہو اُس پر کوئی سزا نہیں۔ ①

اور انہی کی طرح بقیہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور ان کے بعد کے علماء کا بھی خیال تھا کہ آیت کریمہ میں کنز سے مراد وہ مال ہے جس کی زکاۃ نہ دی گئی ہو، لہٰذا جو مال پانچ وسق تک نہ پہنچا ہو، یا پہنچا ہو اور اس کی زکاۃ ادا کر دی گئی ہو، شرعی معنیٰ کے اعتبار سے وہ کنز نہیں ہے نہ اس کے رکھنے والے پر کوئی گناہ ہے۔ ②

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جمہور صحابہ کرام اور ان کے بعد کے لوگوں نے اس موقف میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہے، اور وعید کو زکاۃ نہ دینے والوں پر محمول کیا ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے صحیح دلیل جسے انہوں نے اپنایا ہے وہ دیہاتی کے واقعہ سے متعلق طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث ہے جس میں اُس نے کہا: ''هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟'' (کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی واجب ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لاَ، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ'' (نہیں، الا یہ کہ تم نفل ادا کرو)۔ ③

جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے کہ یہ آغاز اسلام میں تھا، اور امام ابن بطال رحمہ اللہ نے اُن کے لئے اللہ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے:

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ ٱلْعَفْوَ﴾ [البقرۃ:۲۱۹]۔

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۳ / ۲۷۱)، والطبقات، از ابن سعد (۴ / ۲۲۶)، وتاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۷ ۱۰۳-۱۰۳۸)، اس کی سند صحیح ہے۔

② فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۳ / ۲۷۳)۔

③ فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۳ / ۲۷۳)۔

آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجئے حاجت سے زائد چیز۔

یعنی جو گزر بسر سے زائد ہو،لہٰذا یہ آغاز اسلام میں واجب تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ ①

اس اختلاف کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر انہیں اپنے اور ابو ذر رضی اللہ عنہما کے مابین رونما ہونے والے اختلاف کی تفصیل سے آگاہ کیا، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پیغام بھیج کر ان سے مدینہ واپس آنے کا مطالبہ کیا، تاکہ فتنہ ختم ہو جائے ② اور وہ مدینہ میں ان کے پاس رہیں۔ ③

چنانچہ جب ابو ذر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور اُن سے کہا: آپ نے مجھے ڈرا دیا، اللہ کی قسم! اگر آپ مجھے حکم دیتے کہ میں کجاوہ کے دستہ سے وابستہ رہوں یہاں تک کہ میری موت آجائے تو میں ایسا ہی کرتا۔ ④

ابو ذر رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ ڈر تھا کہ کہیں وہ انہیں خوارج میں شمار نہ کریں جن کی صفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں جس میں ایک علامت سر منڈانا ہے۔ ⑤

اسی لئے انہوں نے اپنے سر سے عمامہ ہٹایا اور کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المؤمنین! میں

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۳/ ۲۷۱)، والطبقات، از ابن سعد (۴/ ۲۲۶)، وتاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۱۰۳۷-۱۰۳۸)، اس کی سند صحیح ہے۔

② صحیح بخاری مع فتح الباری (۳/ ۲۷۱)، والطبقات، از ابن سعد (۴/ ۲۲۶)، وتاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۱۰۳۷-۱۰۳۸)، اس کی سند صحیح ہے۔

③ تاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۱۰۳۷-۱۰۳۶)، اس کی سند حسن ہے۔

④ مصنف عبد الرزاق (۱۱/ ۳۳۲)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۲۵)، اس کی سند صحیح ہے۔

⑤ الطبقات، از ابن سعد (۴/ ۲۳۲)، وتاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۱۰۳۵-۱۰۳۶)، اس کی سند صحیح ہے۔

خوارج میں سے نہیں ہوں نہ اُنہیں جانتا ہوں، اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں کجاوے کے کنارے کی دونوں لکڑیاں چباؤں تو میں وہ بھی کروں گا، یہاں تک کہ میری موت آجائے گی اور میں وہی چباتا رہوں گا۔ (۱)

یہ سن کر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوذر تم سچ کہہ رہے ہو، دراصل ہم نے تمہیں ایک خیر کے لئے بلوایا ہے؛ تاکہ تم ہمارے پاس مدینہ میں رہو۔

لیکن چونکہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے وصیت تھی کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو وہاں سے نکل جائیں، اور وہ آبادی کے سلع تک پہنچنے پر وہاں سے نکل کر ملک شام چلے بھی گئے تھے جیسا کہ واقعہ گزر چکا ہے، مگر جب انہیں مدینہ واپس بلالیا گیا تو بھی ان کے لئے وہاں سے نکلنا ضروری تھا خواہ شام کے علاوہ کسی اور جگہ جائیں۔

اس لئے انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے شام کی ضرورت نہیں، آپ مجھے ربذہ جانے کی اجازت دے دیجئے (۲) تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں ٹھیک ہے، اور ہم تمہارے پاس صدقے کی کچھ دودھاری اونٹنیاں پہنچانے کا حکم دیں گے جو صبح شام تمہارے پاس آئیں جائیں گی جن سے تم آسانی سے فائدہ اٹھا سکو گے! ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، ابوذر کو اس کی چند اونٹیاں یا کھجور کے چند درخت کافی ہے، اور وہاں سے نکل گئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب وہ مدینہ آئے تو ان کے پاس لوگوں کی کثرت ہوگئی ایسا محسوس ہونے لگا گویا انہوں نے اس سے پہلے انہیں دیکھا ہی نہ تھا، انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا؛ گویا آپ سے اس کی شکایت کر رہے ہوں، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) سابقہ تمام مصادر۔

(۲) تاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۱۰۳۶-۱۰۳۷)، اس کی سند حسن ہے۔

ان سے کہا: اگر تم چاہو تو مدینہ کے آس پاس کہیں رہو تو قریب رہو گے، چنانچہ اسی وجہ سے انہوں نے ربذہ میں قیام کیا، اور جب ان سے ربذہ میں قیام کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے یہی بات ذکر فرمائی، اور فرمایا: اگر لوگ مجھ پر ایک حبشی کو بھی امیر مقرر کر دیں تو میں اس کی بھی بات سنوں گا اور اس کی فرمانبرداری کروں گا۔ ①

یہی حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں، لہٰذا ابو ذر رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ نے جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے خود اس کی اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دی۔

لیکن دشمنان عثمان رضی اللہ عنہ اُن کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ انہوں نے ابو ذر رضی اللہ عنہما کو شہر بدر کر دیا ہے، اسی لئے جب غالب قطان نے حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ: کیا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کر دیا تھا؟ تو حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں، معاذ اللہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ②

عثمان رضی اللہ عنہ کے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف جلاوطن کرنے کے بارے میں جو بھی روایتیں آئی ہیں ان کی سندیں ضعیف ہیں کسی علت قادحہ سے خالی نہیں ہیں، ساتھ ہی ان کے متن میں بھی نکارت ہے کیونکہ وہ اُن صحیح اور حسن روایات کے خلاف ہیں جو وضاحت کرتی ہیں کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے مدینہ چھوڑ کر ربذہ جانے کی اجازت مانگی تھی اور عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اس کی اجازت دی تھی۔ ③

بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے تو انہیں ملک شام سے بلوایا تھا تاکہ وہ ان کے پاس مدینہ

---

① الطبقات، از ابن سعد (۴/ ۲۲۶)، وتاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۷-۱۰۳۸-۱۰۳)، اس کی سند صحیح ہے۔

② تاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۷-۱۰۳)، اس کی سند صحیح ہے۔

③ تاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۷-۱۰۳۶-۱۰۳)، اس کی سند حسن ہے۔

میں رہیں، چنانچہ جب وہ ملک شام سے واپس آئے تھے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا: ''دراصل ہم نے تمہیں ایک خیر کے لئے بلوایا ہے؛ تاکہ تم ہمارے پاس مدینہ میں رہو۔[1]

نیز ان سے یہ بھی کہا تھا کہ: ''تم میرے پاس رہو تمہارے پاس صبح و شام دودھاری اونٹنیاں آتی رہیں گی''[2] بھلا کیا انہیں شہر بدر کرنے والا یہ بات کہے گا؟!

انہیں جلا وطن کرنے کی صراحت صرف ایک روایت کرتی ہے جسے ابن سعد نے روایت کیا ہے، اور اس روایت میں بریدہ بن سفیان اسلمی نامی راوی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: کہ یہ راوی قوی نہیں ہے (ضعیف ہے)، تو کیا بھلا ایک ضعیف روایت قبول کی جاسکتی ہے اور اُسے صحیح اور حسن روایات پر مقدم کیا جاسکتا ہے!!

اور اس واقعہ کا نہایت گھناؤنا استحصال کیا گیا، چنانچہ یہ افواہ پھیلائی گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا اور پھر اسے باغیان عثمان کی جانب سے اُن کے خلاف بغاوت کا عیب ثابت کیا گیا، جبکہ مجھے ایسی کوئی چیز نہ مل سکی جس سے معلوم ہو کہ باغیان کی جانب سے اسے عثمان رضی اللہ عنہ پر عیب کا سبب بنایا گیا ہے، یا انہوں نے اسے اُن کے خلاف بغاوت کے لئے وجہ جواز قرار دیا ہے۔

سب سے پہلے جس نے اس بات کو ذکر کیا ہے وہ ابن العربی ہیں جن کی وفات سنہ ۵۴۲ھ میں ہوئی[3] ہے پھر محب الدین طبری نے ذکر کیا ہے جن کی وفات سنہ ۶۹۴ھ میں

---

(۱) الطبقات، از ابن سعد (۴/۲۲۶-۲۲۷)، اس کی سند ابن سیرین تک صحیح ہے، چونکہ ان کی پیدائش سنہ ۳۳ھ میں ہوئی ہے لہٰذا وہ فتنہ کے وقت موجود نہ تھے۔

(۲) العواصم من القواصم (ص:۷۶)، اور تردید (ص:۸۵-۸۸) میں ہے۔

(۳) العواصم من القواصم (ص:۷۶)، اور تردید (ص:۸۵-۸۸) میں ہے۔

ہوئی ہے [1] اوران دونوں نے اس بہتان کی تردید فرمائی ہے۔

البتہ ابن المطہر الحلی (وفات: ۷۲۶ھ) نے اسے عثمان رضی اللہ عنہ کے عیوب میں ذکر کیا ہے بلکہ اتنا اضافہ بھی کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کی سخت پٹائی کی۔ [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس پر نہایت جامع اور ٹھوس رد فرمایا ہے۔ [3]

اور اس امت کے سلف صالحین اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے، اسی لئے جب حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ: کیا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو جلا وطن کر دیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں، معاذ اللہ ایسی کوئی بات نہیں۔ [4]

اسی طرح جب امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے سامنے ذکر کیا جاتا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو جلا وطن کر دیا تھا، تو ان کی حالت بڑی سنگین ہو جاتی تھی اور وہ کہتے تھے: ''وہ خود اپنی چاہت سے نکلے تھے، انہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے نہیں نکالا تھا''۔ [5]

اور جیسا کہ صحیح روایت میں گزر چکا ہے کہ: جب ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس لوگوں کی کثرت دیکھی تو انہیں فتنہ کا اندیشہ ہوا، لہٰذا انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا اس طرح ذکر کیا گویا اُن سے مدینہ سے نکلنے کی اجازت مانگ رہے ہوں، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''اگر تم چاہو تو مدینہ کے آس پاس کہیں رہو تو قریب رہو گے''۔

❀❀❀❀❀

---

① الریاض النضرۃ (۳/ ۸۳)، اور رد (۳/ ۹۴) میں ہے۔

② منہاج السنۃ النبویۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶/ ۱۸۳)۔

③ منہاج السنۃ النبویۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶/ ۲۷۱، ۳۵۵)۔

④ تاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۷/ ۱۰۳)، اس کی سند صحیح ہے۔

⑤ تاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۷/ ۱۰۳)، اس کی سند صحیح ہے۔

فتنہ بھڑکانے والے اور اس کا آغاز

اولاً: فتنہ بھڑکانے والے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنہ رونما ہونے کی پیشین گوئی فرمائی ہے [1] اور آپ کی پیشینگوئیاں حق وصداقت ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝٤﴾ [النجم:۳-۴]۔

اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشگوئیاں ان غیبی امور میں سے ہیں جن سے اللہ نے آپ کو مطلع فرمایا ہے، لہٰذا ان کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتنہ کا وقت بھی مقرر فرمایا تھا کہ یہ تین سالوں یعنی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس ہجری میں سے کسی سال رونما ہوگا۔ [2]

تو آئیے دیکھتے ہیں کہ یہ فتنہ کب واقع ہوا؟ اس کی آگ بھڑکانے کا گناہ کس کے سر جاتا ہے؟ یہ فتنہ کیسے شروع ہوا؟ اور اس فتنہ کے تئیں عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا موقف تھا؟

ان تمام پہلوؤں پر گفتگو سے پہلے میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ ضعیف الاسناد روایتیں پائی جاتی ہیں جو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانے کی تہمت لگاتی ہیں۔

---

① اس بارے میں تفصیلات تمہید میں گزر چکی ہیں، دیکھئے: (ص:۶۷)۔

② جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے جو گزر چکی ہے، دیکھئے: (ص:۷۲)۔

جبکہ یہ بات معلوم ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکی ہے ایک مسلمان کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلق رکھنا ان اعتقادی امور میں سے ہے جن میں ضعیف کے بجائے صرف صحیح روایتیں ہی قبول کی جا سکتی ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو متہم کرنے والی ان روایتوں کی سندوں میں اگر بیک وقت کئی علتیں اکٹھا نہ ہوں تو کم از کم ان میں سے کوئی بھی سند علت سے خالی نہیں ہے، ہم زیادہ تر ان کی سندوں میں ایسے راویوں کو پاتے ہیں جو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دشمنی سے متہم ہیں یا پھر علانیہ دشمنی کرنے والے ہیں۔

جبکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسانے اور انہیں قتل کرنے پر ابھارنے کی جھوٹی اور بے بنیاد تہمت سے متہم کردہ ان صحابۂ کرام کی بابت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن عزیز میں کئی جگہوں پر عدالت کا اعلان کیا ہے، بلکہ اُن سے راضی ہوا ہے، اور ان کے راضی ہونے کی شہادت دی ہے- اور یہ ان کی بہت بڑی خوبی ہے-، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾﴾ [التوبة:١٠٠]۔

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

”اور رضامندی اللہ کی قدیم صفت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے اسی بندے سے راضی ہوتا ہے

جس کی بارے میں جانتا ہے کہ وہ اُس کی رضامندی کی شرطوں پر پورا اترے گا، اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اُس سے کبھی ناراض نہیں ہوتا''۔ [1]

اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو عادل قرار دینے کی دلیلیں بے شمار اور متواتر ہیں جو ان کی شخصیتوں کی تعظیم و تکریم کو محیط ہیں اور ایک مومن کو ان کی گستاخی کرنے اور ان کے اختلافی امور۔ اگر اس میں کچھ ثابت ہو تو۔ کی ٹوہ میں پڑنے سے روکتی ہیں، چہ جائیکہ اس بارے میں کسی ایسی چیز پر اعتماد کرے جس کی کوئی سند یا متن ثابت ہی نہ ہو۔

چنانچہ ان دلائل میں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ ۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَىٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنًا ۖ ...﴾ [الفتح:۲۹]۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں۔

اسی طرح ان کی فضیلت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیثوں میں سے ایک حدیث یہ ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ''۔ [2]

---

① حکم سب الصحابۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ص: ۳۶-۳۷)۔

② صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/۲۱)، وصحیح مسلم (۴/۱۹۶۷)، وابو داود، وترمذی، واحمد بن حنبل، سب لوگوں ==

میرے صحابہ کو گالی نہ دو، میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص کوہِ اُحد کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو اُن میں سے کسی کے مد یا آدھے مد کے برابر نہ پہنچے گا۔

اس کے علاوہ دیگر بہت سارے نصوص ہیں جو ان کی فضیلت وعدالت پر دلالت کرتے ہیں (۱) لہٰذا کسی کے لئے انہیں متہم کرنا جائز نہیں، بعد ازیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عادل قرار دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مدح وثنا فرمائی ہے اور اسلامی حکومت کا محل قائم کرنے اور اس کی تہذیب وتمدن کی بنیاد ڈالنے کی خاطر اسلام کی امانت سنبھالنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی بابت امت نے ان کی قدر ومنزلت پہچانا ہے۔

ان باطل ومن گھڑت تہمتوں میں سے ایک تہمت وہ ہے جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو اکسانے کی بابت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے۔ (۲)

کیونکہ اس بے سروپا تہمت پر مشتمل روایات کی سندیں ضعیف ہیں، علت سے خالی نہیں

== نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جبکہ امام مسلم اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

(۱) اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں: سورۃ الفتح (آیت: ۲۹)، سورۃ النمل (آیت: ۵۹)، وصحابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، از کبیسی، والنھی عن سب الأصحاب، از مقدسی، وحکم سب الصحابۃ، ومنھاج السنۃ النبویۃ (۶/ ۲۰۶-۲۴۱)، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، والریاض النضرۃ، از محب الطبری، وشرح السنۃ، از بغوی (۱۴/ ۸۶)، وجامع البیان فی تفسیر القرآن، از طبری (۱۹/ ۲) والاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، از حافظ ابن حجر (۱/ ۹-۱۲)، وتنبیہ ذوی النجابۃ إلی عدالۃ الصحابۃ، از قرشی بن عمر بن احمد، ومنزلۃ الصحابۃ فی القرآن، از محمد صلاح محمد صاوی۔

(۲) اسے امام ابن شبہ نے تاریخ المدینۃ (۳/ ۱۱۲۲-۱۱۲۳) میں ضعیف سند سے روایت کیا ہے، بروایت محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان عن عثمان رضی اللہ عنہ، اور عثمان رضی اللہ عنہ سے محمد بن عبد الرحمن کی روایت مرسل ہے، اما ابوزرعہ فرماتے ہیں: ''عثمان رضی اللہ عنہ سے محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان کی روایت مرسل ہے'' (دیکھئے: جامع التحصیل، از امام صلاح الدین علائی ص: ۳۲۶)۔

ہیں، اسی طرح ان کے متون میں بھی نکارت ہے، اس لئے کہ یہ روایتیں ثابت کرتی ہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ملامت کرنے والے تھے، پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ لوگوں کے پاس مصر بھیجا جو بہت زیادہ سرکشی کر رہے تھے اور ان کا معاملہ اور ظلم وزیادتی حد سے تجاوز کر چکی تھی، تاکہ انہیں سرزنش کر کے ان کی تمام حرکتوں سے باز رکھیں، بھلی بات کریں اور اچھائی عام کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ فساد کی اصلاح فرمائے۔

تو کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ انہیں ایسے لوگوں کی سرزنش کرنے کے لئے بھیجیں گے جن کی یہ صفت ہو، جبکہ وہ خود انہی کو ملامت کرنے والے تھے! کیا انہیں کوئی دوسرا نہیں ملا جو اُن سے راضی ہو؟

صحیح روایات میں یہ ثابت ہی نہیں ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ نے عثمان غنی کو ملامت کیا نہ ہی یہ کہ اُنہوں نے انہیں مصر بھیجا۔

بلکہ اس فتنہ کے واقعات جو تصویر پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس فتنہ کی آگ بھڑکانے کا کام ایک دقیق اور منظم منصوبہ کے تحت انجام پایا ہے، جو اس بات کو یقینی ثابت کرتے ہیں کہ اس کے پس پردہ ایک منظم گروہ تھا جس کا مقصد ہی اس فتنہ کی آگ بھڑکانا تھا تاکہ اپنے حقیر مصالح کی تکمیل اور مسلمانوں کی طاقت کمزور کر سکے، اس لئے ان تمام چیزوں کو کسی ایک فرد کی طرف منسوب کر دینا مبالغہ ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ اس خفیہ گروہ کے کچھ نمائندے اور سر برآوردہ افراد تھے جن میں سب سے نمایاں لوگوں میں سے عبد اللہ بن سبا یہودی تھا، یہ وہی شخصیت ہے جس کی حقیقت کے اثبات اور فتنہ میں اس کے کردار کے بارے میں بہت سارے باحثین و محققین کے مابین کافی مناقشہ، بحث و تکرار اور جھگڑا ہوا ہے۔

اور جس چیز نے اس شخص کو اس اہتمام کا موضوع بنا دیا وہ عثمان غنی اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے ادوار خلافت میں فتنہ کی آگ بھڑکانے میں اس کا موثر رول اور کردار ہے۔

بعض مصنفین نے اس شخصیت کے وجود ہی کی نفی کرنے کی کوشش کی ہے۔ [۱]

اور چند مسلم مصنفین نے بھی اس سلسلہ میں اُن کی پیروی کی ہے، عبداللہ بن سبا کی شخصیت کی نفی کرنے والوں کی بنیاد یہ ہے کہ اس شخصیت کو ثابت کرنے میں سیف بن عمر تمیمی منفرد ہے اور سیف ضعیف ہے علماء کی ایک جماعت نے اس پر جرح کی ہے۔

اور موجودہ دور کے بعض دانشوروں نے ان معلومات کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر ایک دوسرے سے نقل کیا ہے، اور ان میں سے بعض لوگوں نے اس کی صحت کی تحقیق کئے بغیر اسے تسلیم کر لیا ہے، حتیٰ کہ ایک مصنف نے [۲] اس کی تائید میں ایک مستقل رسالہ ہی لکھ دیا ہے جس کی تحقیق کے نتائج سابقہ نتائج سے زیادہ کچھ نہیں؛ چنانچہ اس رسالہ کے نتائج کے خلاصے کا آغاز یوں ہے:

''محقق رسالہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ عبداللہ بن سبا کے بارے میں سیف بن عمر کی روایات اور اسی طرح فرق اور ادب کی کتابوں کی روایات صحیح نہیں ہیں، بلکہ عبداللہ بن سبا ایک خیالی شخصیت ہے اور فتنہ کے واقعات گھڑنے اور اسے انجام دینے کی بابت جو رول اس کی

---

[۱] ان میں سے ایک مصنف مرتضیٰ عسکری ہیں، چنانچہ انہوں نے ابن سبا کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسے مغالطوں سے بھر دیا ہے اور تحقیق و تالیف میں علمی منہج سے انحراف کیا ہے۔

[۲] دیکھئے: ''عبداللہ بن سبا: دراسۃ للروایات التاریخیۃ عن دورہ فی الفتنۃ'' یہ ایک رسالہ ہے جسے کویت یونیورسٹی نے کلیۃ الآداب کے سالنامہ سنہ ۱۴۰۷ھ میں شائع کیا ہے، رسالہ نوے صفحات پر مشتمل ہے، آٹھواں سالنامہ، پینتالیسواں رسالہ۔ اور ''عالم الکتب'' میگزین میں اس کا مختصر تعارف شائع ہوا ہے، جلد آٹھ، شمارہ چار، ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ، (نئی کتابوں کے لئے مخصوص صفحات کے ضمن میں)۔

طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ بے بنیاد ہے"۔ [1]

اور محقق نے اس رسالہ میں جو منہج اختیار کیا ہے حقائق کے اثبات اور افسانوں اور بے سروپا کہانیوں کی نفی میں وہ ضعیف منہج ہے، کیونکہ مولف نے اس میں محدود مصادر پر اعتماد کیا ہے اور ان مصادر میں جو باتیں ذکر نہیں کی گئی ہیں ان کی نفی کر دیا ہے، اس بات کا خیال کرتے ہوئے اور شعور دیتے ہوئے کہ اُس نے اسلامی تاریخ کی تمام روایات کا احاطہ کر لیا ہے، اور اسی بنیاد پر ابن سبا کی شخصیت کی نفی کر دیا ہے' کیونکہ اُس کی معلومات کے مطابق معتبر روایات میں اس کا وجود نہیں ہے، جبکہ یہ ایک ضعیف منہج ہے اور اس پر مبنی نتیجہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ معتبر روایات موجود ہیں جو اس شخصیت کو ثابت کرتی ہیں بلکہ اس کے بارے میں ہمیں کچھ تفصیلات بھی فراہم کرتی ہیں، عنقریب ان کا ذکر آئے گا۔

دوسری طرف بعض محققین عبد اللہ بن سبا کی شخصیت کی نفی کرنے والے اِن نتائج کی غلطی سے آگاہ ہوئے اور اس کے اثبات میں ٹھوس علمی تحریریں بھی لکھیں۔

ان میں ایک ڈاکٹر سلیمان العودہ ہیں جنہوں نے اپنے رسالہ **"عبد اللہ بن سبا و دورہ فی إشعال الفتنۃ..."** میں اس کا رد کیا ہے، چنانچہ اس میں وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا کی شخصیت ثابت ہے اسی طرح اس فتنہ کی آگ بھڑکانے میں اس کا رول بھی ثابت ہے جس کا نتیجہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اسی وجہ سے جنگ جمل کی صورت میں پیش آیا۔

اور دوسرے محقق **ڈاکٹر سعدی ہاشمی ہیں جنہوں نے اپنے لیکچر میں اس کی وضاحت کی ہے جو "عبد اللہ بن سبا حقیقۃ لا خیال"** کے عنوان سے مطبوع ہے، اس میں انہوں نے اہل سنت اور دیگر فرقوں کی کتابوں سے ثابت کیا کہ عبد اللہ بن سبا حقیقت ہے' اور ہر بات

---

[1] دیکھئے: مذکورہ رسالہ کا صفحہ (۹)۔

کے لئے ان کی کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں۔ [1]

ان دونوں فاضل اساتذہ کے ساتھ شرکت کرتے ہوئے میں کچھ باسند صحیح، حسن اور ضعیف روایات ذکر کرتا ہوں جو ہمارے پاس سیف بن عمر تمیمی کے طریق کے علاوہ سے آئی ہیں، اور عبداللہ بن سبا کی شخصیت ثابت کرتی ہیں، چند روایتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابو اسحاق فزاری نے سوید بن غفلہ تک صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اُن کے پاس آئے اور کہا: میرا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا وہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی عیب جوئی کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ان دونوں کے سلسلہ میں آپ بھی اپنے دل میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں، ان میں سے عبداللہ بن سبا ہے اور عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جس نے اس بات کا اظہار کیا ہے! تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا **"اس پلید کالے کلوٹے"** سے کیا تعلق ہے، پھر فرمایا: میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ اپنے دل میں ان کے لئے ذکر جمیل کے علاوہ کوئی چیز پوشیدہ رکھوں، پھر عبداللہ بن سبا کو بلوایا اور اُسے جلاوطن کر کے مدائن بھیج دیا، اور فرمایا: یہ شخص ایک شہر میں میرے ساتھ نہیں رہے گا، پھر منبر کے پاس تشریف لے گئے، لوگ جمع ہوئے، پھر انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مدح و ثنا کا لمبا واقعہ بیان فرمایا، اور اس میں انہوں نے فرمایا: خبردار! مجھے جس کسی کے بارے میں بھی معلوم ہوگا کہ وہ مجھے ان دونوں (یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر فضیلت دے رہا ہے میں اُس پر بہتان تراشی کی حد کے طور پر کوڑے لگاؤں گا۔ [2]

---

① یہ لیکچر سنہ ۱۴۰۶ھ میں چھپ چکا ہے، اسے مکتبۃ الدار مدینہ طیبہ نے شائع کیا ہے۔

② اس بات کو علی رضی اللہ عنہ سے حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۳ / ۲۹۰) میں ذکر فرمایا ہے، اس کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راویان ثقہ ہیں، نیز حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (جزء عبداللہ بن سالم-عبداللہ بن ابو عائشہ، ص: ۵) میں نقل فرمایا ہے۔

یہ روایت سیف بن عمر تمیمی کی روایات میں سے نہیں ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے، کیونکہ اس کے تمام راویان ثقہ ہیں، اگر اس کے علاوہ کوئی اور روایت نہ ہوتو عبد اللہ بن سبا کی شخصیت خیالی ثابت کرنے والوں کی بنیاد ڈھانے کے لئے یہی کافی ہے۔

۲۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: جب علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو انہوں نے لوگوں کو خطاب فرمایا، اتنے میں عبد اللہ بن سبا اُن کے سامنے کھڑا ہوا اور کہنے لگا: آپ ''دابة الأرض'' ہیں۔ (۱)

کہتے ہیں: پھر اس نے کہا: آپ بادشاہ ہیں، تو اُنہوں نے کہا: اللہ سے ڈر۔ تو اس نے کہا: آپ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور انہیں کشادہ روزی عطا کی ہے، بالآخر اُنہوں نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر آپ کے ساتھی اکٹھا ہوئے اور کہا: اسے چھوڑ دیجئے (قتل نہ کیجئے) بلکہ مدائن کی چھاؤنی کی طرف جلا وطن کر دیجئے، کیونکہ اگر آپ اسے مدینہ میں قتل کریں گے تو اس کے ساتھی اور حمایتی ہمارے خلاف بغاوت کر دیں گے، لہٰذا انہوں نے شہر بدر کر کے مدائن کی چھاؤنی میں بھیج دیا کیونکہ وہاں گمراہ فرقے رہا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں: اس کے سبب اُس کی حمایت میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک گروہ آ کھڑا ہوا جن کی تعداد گیارہ تھی، یہی سبائی فرقہ تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ یہاں سے لوٹ جاؤ، کیونکہ میں علی بن ابو طالب ہوں، میرا باپ مشہور ہے، میری ماں مشہور ہے، اور میں محمد ﷺ کا چچا زاد بھائی ہوں! تو انہوں نے کہا: ہم واپس نہیں جائیں گے آپ اپنا موقف چھوڑ دیجئے، تو علی رضی اللہ عنہ نے انہیں آگ سے جلا دیا اور ان کی گیارہ قبریں صحراء میں مشہور ہیں۔ تو ان میں سے باقیماندہ لوگوں نے جنہوں نے اپنا سر نہیں کھولا تھا کہا: ہمیں علم

---

(۱) تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سابقہ مقام پر۔

ہوگیا کہ وہ معبود ہیں؛ اور اس پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا کہ ''آگ سے صرف اُس کا خالق ہی عذاب دیتا ہے''۔

ثعلب کہتے ہیں: حالانکہ علی رضی اللہ عنہ سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آگ سے عذاب دیا ہے جو شیخ الاسلام ہیں، واقعہ یوں ہے کہ ان کے پاس ''فجاءۃ'' نامی ایک شخص لایا گیا؛ اس کے بارے میں لوگوں نے بتایا کہ اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی وفات کے بعد گالی دی ہے، تو انہوں نے اُسے صحراء میں لے جا کر آگ سے جلا دیا۔

کہتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آگ سے عذاب دے چکے ہیں تو اُن کی بھی عبادت کرو۔ [1]

۳۔ اسی طرح امام ابن عساکر ہی نے سماک کی سند سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ کلوٹی کا بچہ (ابن سبا) ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تنقیص کرتا ہے، تو اُسے بلوایا اور تلوار منگوائی - یا کہا: کہ اُسے قتل کرنا چاہا - تو اُس کے بارے گفتگو کی گئی (یعنی قتل کرنا فتنہ کا باعث ہوسکتا ہے) تو انہوں نے فرمایا: میں جس شہر میں رہوں وہاں یہ نہیں رہ سکتا، اور اُسے مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ [2]

۴۔ اسی طرح امام ابن عساکر ہی نے ابوالطفیل کی سند سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے مسیب بن نجبہ کو دیکھا کہ وہ ملببہ - یعنی کلوٹی کے بیٹے - کے پاس آیا درانحالیکہ علی رضی اللہ عنہ منبر پر تھے، تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص کا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولتا ہے۔ [3]

---

① سابق مرجع۔

② تاریخ دمشق، از ابن عساکر (جزء عبد اللہ بن سالم - عبد اللہ بن ابو عائشہ، ص: ۷)۔

③ تاریخ دمشق، از ابن عساکر (جزء عبد اللہ بن سالم - عبد اللہ بن ابو عائشہ، ص: ۵)۔

۵۔ نیز ابن عساکر نے زید بن وہب اور ابو الزعراء کی سند سے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: آخر میں اس سیاہ پاٹھے کا کیا کروں؟۔ [۱]

اور ایک روایت میں ہے: میں اس سیاہ پاٹھے کا کیا کروں؟ یعنی عبداللہ بن سبا کو کیا سزا دوں، وہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا تھا۔ [۲]

٦۔ شریک عامری کے طریق سے ابو طاہر مخلص کی وہ روایت جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے، بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا:

مسجد کے دروزے کے پاس کچھ لوگ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ آپ اُن کے رب ہیں، تو آپ نے انہیں بلوایا اور ان سے کہا: تمہارا بُرا ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: آپ ہمارے رب ہیں، ہمارے خالق ہیں اور ہمارے روزی رساں ہیں! تو انہوں نے کہا: تمہاری بربادی ہو، میں تو محض تمہاری طرح ایک بندہ ہوں، تمہاری طرح میں بھی کھانا کھاتا ہوں، تمہاری طرح میں بھی پانی پیتا ہوں، اگر میں اللہ کی اطاعت کروں گا تو وہ اگر چاہے گا تو مجھے ثواب دے گا، اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے عذاب دے گا، اس لئے اللہ سے ڈرو، اور اس بات سے رجوع کرلو، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

دوسرے دن وہ پھر صبح علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، تو قنبر [۳] نے آ کر کہا: اللہ کی قسم! یہ لوگ دوبارہ وہی بات کہہ رہے ہیں، تو علی نے فرمایا: انہیں اندر بلاؤ، انہوں نے اندر آ کر وہی بات دہرائی۔ پھر تیسرے دن علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اگر تم لوگوں نے یہ بات

۱۔ تاریخ دمشق، از ابن عساکر (جزء عبداللہ بن سالم- عبداللہ بن ابو عائشہ، ص: ۵)۔

۲۔ تاریخ دمشق، از ابن عساکر (جزء عبداللہ بن سالم- عبداللہ بن ابو عائشہ، ص: ۵)۔

۳۔ قنبر: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خادم ہیں۔ (الجرح والتعدیل، از ابن ابی حاتم، ۷/ ۱۴۶)۔

کہی تو یقیناً میں تمہیں بہت بُری طرح قتل کروں گا، مگر وہ اُسی پر اَڑے رہے، تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے قنبر! انہیں سزا دینے کے لئے کوئی ایسی ترکیب کرو کہ انہیں اُس سے گزرنا پڑے، چنانچہ اس نے ان کے لئے مسجد کے دروازے اور محل کے درمیان ایک گڑھا کھدوایا اور کہا: زمین میں خوب گہرائی تک کھودو، پھر لکڑیاں منگوا کر گڑھے میں ڈلوایا اور اس میں آگ لگادی۔

علی رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: تم سب اپنے موقف سے باز آجاؤ رجوع کرلو ورنہ میں تمہیں اسی آگ میں پھینکوادوں گا، مگر انہوں نے رجوع کرنے سے انکار کیا، لہٰذا انہیں اُسی آگ میں پھینکوادیا، اور جب وہ جل گئے، تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنِّي إِذَا رَأَيْتُ أَمْـــراً مُنْكَراً أَوْقَدْتُ نَارِي وَدَعَوْتُ قَنْبَرًا [1]

میں جب بھی کوئی منکر چیز دیکھوں گا ایسے ہی قنبر کو بلوا کر آگ لگوادوں گا۔

۷۔ امام ابن سعد نے ابو المنجاب کی سند سے روایت کیا ہے: کہ ایک شخص ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے پاس آکر اُن سے علم حاصل کرتا تھا اور کچھ لوگوں کو علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے معاملہ کاذکر کرتے ہوئے سنتا تھا، چنانچہ اس نے کہا: میں اس شخص سے علم حاصل کرتا ہوں، اور لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے معاملہ میں مختلف ہیں، لہٰذا اُس نے اس بارے میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: ''نہ میں سبائی ہوں نہ مرجی''۔ [2]

۸۔ امام ابن عساکر نے حجیہ بن عبدی کندی کی سند سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے

---

[1] فتح الباری، از حافظ ابن حجر، (۱۲/ ۲۷۰)۔

[2] الطبقات، از ابن سعد (۶/ ۲۷۵)۔

فرمایا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: مجھے اس سیاہ پاٹھے (یعنی کلوٹی کے بیٹے، ابن سبا) سے کون معذور سمجھے گا؛ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولتا ہے؟ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ ہمیشہ ایک گروہ میرے پاس آ کر اُس کے خون کی بابت شور مچاتا رہے گا جیسا کہ مجھ پر نہر والوں کے خون کا دعویٰ کیا گیا ہے تو میں ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیتا۔ ①

انہیں جلانے کی ایک دلیل وہ ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیقوں (بے دینوں) کو لایا گیا تو آپ نے انہیں جلا دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

''لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحْرِقْهُمْ، لِنَهْيِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: ''**لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللّٰهِ**'' وَلَقَتَلْتُهُمْ، لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: ''**مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ**''۔ ②

اگر میں ہوتا تو انہیں جلاتا نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اللہ کے عذاب سے عذاب نہ دو'' بلکہ انہیں قتل کرتا، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو اپنا دین بدل دے اُسے قتل کر دو''۔

۹۔ ابن عساکر نے حسن سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''سب سے پہلے عبد اللہ بن سبا نے جھوٹ بولا ہے''۔ ③

اور شعبہ رحمہ اللہ کی پیدائش تقریباً سنہ ۲۰ھ ہجری میں ہوئی ہے اور وفات سنہ ۱۰۰ھ کے

① تاریخ دمشق، از ابن عساکر (جزء عبد اللہ بن سالم - عبد اللہ بن ابو عائشہ ص: ٦)۔
② فتح الباری، از حافظ ابن حجر (٦/ ١٤٩، ١٢/ ٢٦٧)۔ دیکھئے حدیث: صحیح بخاری (٣٠١٧، ٦٩٢٢)۔
③ تاریخ دمشق، از ابن عساکر (جزء عبد اللہ بن سالم - عبد اللہ بن ابو عائشہ ص: ٤، اس کی سند قوی ہے)۔

کچھ بعد میں ہوئی ہے؛ یعنی تقریباً سیف بن عمر تمیمی کی ولادت سے پہلے ہوئی ہے، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ عبداللہ بن سبا پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے بھی معروف تھا۔

یہ اور اس طرح کی دیگر روایتیں ہیں جنہیں سیف بن عمر کے علاوہ نے روایت کیا ہے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ روایتیں عبداللہ بن سبا کی شخصیت کو ثابت کرنے پر متفق ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے بعض عقائد، اس کی نشر و اشاعت میں اس کا کردار نیز فتنہ کی آگ بھڑکانے میں اس کا کچھ رول بھی نمایاں کرتی ہیں۔

لہٰذا ذرا سوچئے کہ ابن سبا کی شخصیت کو خیالی ثابت کرنے والوں کا ان روایات کے بارے میں کیا موقف ہوگا؟ جبکہ اُسے خیالی ثابت کرنے میں ان کا اعتماد صرف اس بات پر ہے کہ عبداللہ بن سبا کی شخصیت ثابت کرنے میں عمر بن سیف منفرد ہے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں نے ابن سبا کی شخصیت کو وہمی سمجھا ہے اور اُسے خیالی بتایا ہے، اس دعویٰ کے ساتھ کہ اُس کی شخصیت ثابت کرنے میں سیف بن عمر تمیمی منفرد ہے، بلکہ اُسے خیالی تانے بانے کی قبیل سے قرار دیا ہے، اُن کا موقف باطل ہے۔

ثانیاً: شہروں کے لوگوں کی آمد:

باغیان کی جانب سے شہروں کے لوگوں کو خلیفۂ وقت کے خلاف بھڑکائے جانے کے بعد اُنہوں نے مدینہ کا رُخ کیا، چنانچہ اہل مصر آئے، اہل عراق آئے اور انہوں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان سے گفت و شنید کی۔

اور جب لوگوں کو اہل مصر و عراق کے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا علم ہوا تو بعض لوگ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: یہ لوگ اس شخص (عثمان رضی

اللہ عنہ) کے پاس گئے ہیں، اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کہا: اللہ کی قسم! یہ اُنہیں قتل کریں گے! انہوں نے پوچھا: تو وہ (عثمان رضی اللہ عنہ) کہاں جائیں گے؟ کہا: اللہ کی قسم وہ جنت میں جائیں گے، انہوں نے پوچھا: ان کے قاتلین کہاں جائیں گے؟ کہا: اللہ کی قسم وہ جہنم میں جائیں گے۔ ①

لوگ مصر سے مدینہ کے ارادے سے نکلے، عثمان رضی اللہ عنہ کو اُن کے پہنچنے سے پہلے اُن کی آمد کی خبر ملی، آپ اس وقت مدینہ سے باہر کسی گاؤں میں تھے۔ روایات میں اس کی تعیین نہیں ہے۔ جب انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے وہاں موجود ہونے کے بارے میں سنا ② تو وہاں کا رُخ کیا، عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسی گاؤں میں ان کا استقبال کیا، مدائنی اُن کی آمد کی تاریخ کی تعیین کرتے ہیں کہ وہ بدھ کی شب ذی القعدہ کی پہلی تاریخ تھی۔ ③

لوگوں نے اسی گاؤں میں عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا: مصحف منگوائیے، انہوں نے مصحف منگوایا تو انہوں نے کہا: ساتویں سورت (سورۂ یونس) کھول کر پڑھئے۔ سورۂ یونس کو ساتویں سورت کہتے تھے۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ فرمان باری:

﴿قُلْ ءَآللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى ٱللَّهِ تَفْتَرُونَ ۝٥٩﴾ [یونس:۵۹]۔

آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افترا ہی کرتے ہو؟

---

① مصنف ابن ابی شیبہ، (۱۵ / ۲۰۶)، والمعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان، اور انہوں نے اس کی تصحیح فرمائی ہے (۲ / ۷۶۲، ۷۶۸)، وتاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۸۸-۳۸۹)، نیز محب طبری نے اسے الریاض النضرۃ (۳ / ۸۰) میں ذکر فرمایا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

② مصنف ابن ابی شیبہ، (۱۵ / ۲۱۵-۲۲۰)۔

③ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۶۸)، اور ان کے طریق سے امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق، سیرت عثمان میں۔

پر پہنچے تو کہا: رک جائیے، بتائیے کہ آپ نے چراگاہ پر جو پابندی لگائی ہے کیا آپ کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے یا آپ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں؟

عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بات چھوڑ دو کیونکہ یہ آیت فلاں فلاں مسئلہ کے بارے میں اتری ہے، رہی بات چراگاہ پر پابندی عائد کرنے کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پہلے صدقہ کے اونٹوں کے لئے چراگاہ متعین فرمایا تھا، البتہ جب مجھے خلافت سونپی گئی تو صدقہ کے اونٹوں کی تعداد بڑھ گئی، لہٰذا صدقہ کے اونٹوں کی تعداد بڑھنے کے سبب میں نے چراگاہ میں بھی اضافہ کر دیا، اس سے آگے بڑھو، فرماتے ہیں: اس طرح وہ آیت کریمہ کے ذریعہ ان کی گرفت کرتے اور وہ کہتے: آگے بڑھو، یہ آیت فلاں فلاں مسئلہ کے بارے میں اتری ہے، تو وہ مزید کچھ نہ کہتے، بہرحال انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے عہدو پیمان لیا اور ان پر شرط تحریر کی، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے عہدو پیمان لیا کہ جب تک آپ اُن کی شرط پر قائم رہیں گے وہ عصائے اتحاد چاک نہیں کریں گے، نہ ہی جماعت سے جدا ہوں گے، پھر وہ خوشی خوشی واپس لوٹ گئے۔ (1)

اس سے اس روایت کا ضعف واضح ہو جاتا ہے جس میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام ذی حشب میں مصریوں کے وفد کے پاس پچاس سوار روانہ کیا جن کے امیر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے، اُن میں جابر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اور ان سواروں نے وفد کے ایک شخص کو پایا جس نے اپنی گردن میں مصحف لٹکا رکھا تھا، اس کی آنکھیں اشکبار تھیں، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور وہ کہہ رہا تھا: سن لو یقیناً یہ مصحف ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اِس کی روشنی میں اِس تلوار سے مار دیں، اور یہ کہ محمد بن مسلمہ نے اُس سے کہا: بیٹھ جاؤ، کیونکہ ہم تم سے پہلے

(1) اسے خلیفہ بن خیاط وغیرہ نے بروایت ابوسعید مولیٰ ابو اسید روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

اسے اس پر مار چکے ہیں، چنانچہ وہ بیٹھ گیا، اور وہ مسلسل اُن سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ وہ لوٹ گئے۔ ①

پھر انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پیشتر ذی المروہ میں پڑاوٴ ڈالا۔ ②

تو عثمان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے شخص کو جس کا نام روایات میں نہیں ہے اُن کے پاس بھیجا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے ملاقات کی اور کہا: تمہیں اللہ کی کتاب دی جائے گی اور ان تمام چیزوں سے ملامت ختم کر دی جائے گی جن کی بابت تمہیں ناراضگی ہے، تو وہ اس پر موافق ہو گئے۔ ③

اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے اور علی رضی اللہ عنہ نے اُن سے دو یا تین مرتبہ تند کلامی کی، پھر اُن لوگوں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور امیر المؤمنین کے قاصد ہیں، تمہارے سامنے اللہ کی کتاب پیش کر رہے ہیں، تو انہوں نے بات مان لی۔ ④

---

① تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۲۱) بروایت جابر رضی اللہ عنہ، پھر اس سے قریب قریب بروایت ابن سعد واقدی سے روایت کیا ہے۔

② اہل عراق کے نام ان کے خط کی تخریج ملاحظہ فرمائیں۔

③ تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۲۸) بروایت خلیفہ بن خیاط وغیرہ، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۶۹-۱۷۰) مختصراً، دونوں نے ابن سیرین کے طریق سے روایت کیا ہے اور اُن تک سند صحیح ہے، البتہ وہ فتنہ کے وقت موجود نہ تھے، کیونکہ ان کی پیدائش سنہ ۳۳ھ میں ہوئی ہے اور فتنہ سنہ ۳۵ھ میں رونما ہوا ہے، البتہ ان میں سے کچھ باتوں کے شواہد موجود ہیں۔

④ یہ بات ابن عساکر کی سابقہ روایت میں آئی ہے جو خلیفہ بن خیاط کے طریق کے علاوہ سے منقول ہے۔

اور اِن پانچ باتوں پر صلح کی: کہ جلاوطن کئے ہوئے شخص کو واپس لایا جائے، محروم کو مال دیا جائے، مال فے فراہم کیا جائے، تقسیم میں انصاف سے کام لیا جائے، اور امانت و طاقت والے شخص کو ذمہ داری سونپی جائے۔ اور ان باتوں کو ایک کاغذ میں لکھا۔

نیز یہ کہ ابن عامر کو دوبارہ بصرہ کا گورنر بنایا جائے، ابوموسیٰ اشعری کو کوفہ کا گورنر بنایا جائے، اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے، اور ان باتوں کو نہیں لکھا، پھر کوفہ لوٹ گئے۔ [1]

اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر شہر کے وفد کے ساتھ علیحدہ مصالحت فرمائی، پھر دونوں شہروں کے لوگ خوشی خوشی اپنے شہر لوٹ گئے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں کے لوگوں کے ساتھ میٹنگ کی اور ان سے کہا: ہر شہر والے کھڑے ہو کر مجھ سے اپنے امیدوار کا مطالبہ کریں جسے وہ پسند کرتے ہیں، تاکہ میں اُسے اُن کا گورنر بنا دوں، اور جسے وہ ناپسند کرتے ہیں اُسے معزول کر دوں۔ تو بصرہ والوں نے کہا: ہم عبداللہ بن عامر کو چاہتے ہیں اس لئے انہیں ہمارا گورنر مقرر کر دیجئے، اور کوفیوں نے کہا: سعید کو معزول کر کے ابوموسیٰ اشعری کو ہمارا گورنر مقرر کر دیجئے، تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور شام والوں نے کہا: ہمیں معاویہ پسند ہیں اس لئے انہیں ہمارا گورنر بنا دیجئے، اور مصر والوں نے کہا: ابن ابی سرح کو ہمارے یہاں سے معزول کر کے عمرو بن العاص کو ہمارا گورنر مقرر کر دیجئے، انہوں نے ایسا ہی کیا، اس طرح انہوں نے جو بھی مطالبہ کیا اُسے پورا کر کے اختلاف سے نکل گئے، لہٰذا وہ

---

[1] تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۲۸) بروایت خلیفہ بن خیاط وغیرہ، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۶۹-۱۷۰) مختصراً، دونوں نے ابن سیرین کے طریق سے روایت کیا ہے اور اُن تک سند صحیح ہے، البتہ وہ فتنہ کے وقت موجود نہ تھے، کیونکہ ان کی پیدائش سنہ ۳۳ھ میں ہوئی ہے اور فتنہ سنہ ۳۵ھ میں رونما ہوا ہے، البتہ ان میں سے کچھ باتوں کے شواہد موجود ہیں۔

خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ ①

اور صلح طے ہو جانے کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کو خط لکھ کر کہا:

"ذی المروہ کا لشکر ہمارے پاس آیا، ہم نے ان کے ساتھ ان باتوں پر صلح کی: کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کیا جائے، لہٰذا جس کسی کا ہمارے پاس کوئی حق ہو، وہ سواری لے کر اس کے پاس چلا جائے، اور اگر وہ دینے میں سستی کرے یا اُس کے لئے گرانبار ہو تو اُسے چاہئے کہ صدقہ کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے"۔ ②

اس عظیم صلح اور تمام شہروں کے لوگوں کے بخوشی واپس لوٹ جانے کے بعد فتنہ کی آگ بھڑکانے والوں کے سامنے واضح ہوا کہ ان کا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے اور ان کے گھٹیا مقاصد پورے نہیں ہوئے، لہٰذا اب انہوں نے ایک دوسرا منصوبہ بنایا جو فتنہ کی آگ بھڑکائے، اُسے دوبارہ زندہ کرے اور شہروں کے لوگوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین جو صلح ہوئی ہے اُسے ملیا میٹ کر دے، یہ چیز درج ذیل باتوں سے ظاہر ہوئی:

اہل مصر نے اپنی واپسی کے دوران ایک اونٹ سوار شخص کو دیکھا جو ان کے قریب آتا ہے پھر ان سے جدا ہو جاتا ہے- یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُن سے بچ کر بھاگنا چاہ رہا ہے- گویا یہ کہہ رہا ہو کہ مجھے پکڑ لو، چنانچہ انہوں نے اُسے پکڑا اور پوچھا کہ تیرا کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ: میں گورنرِ مصر کی جانب امیر المؤمنین کا قاصد ہوں، چنانچہ لوگوں نے اس کی تلاشی

---

① مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵ / ۲۲۰-۲۲۲)، اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں حصین بن عبد الرحمن نامی راوی ہے جو اختلاط کا شکار ہو گیا تھا اور اس سے روایت کرنے والے راوی حصین بن نمیر نے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے، نیز اس کے اندر ناصبیت بھی پائی جاتی ہے، اسی طرح اس کی سند میں جہیم فہری ہے جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے (۴ / ۱۱۹)، البتہ اس میں سے کچھ باتوں کے لئے سابقہ روایت شاہد ہے۔

② تاریخ دمشق، از ابن عساکر (بسند حسن) سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۶۲، ۴۸۷-۴۸۸)۔

لی تو اُنہیں اس کے پاس عثمان غنی کی جانب سے اہل مصر کے نام ایک خط ملا جس پر اُن کی مہر لگی ہوئی تھی، انہوں نے خط کھولا تو اُس میں انہیں سولی دینے یا قتل کرنے یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم تھا! لہٰذا وہ راستے سے لوٹ کر مدینہ پہنچے [1]

قبل ازیں کہ ہم اس خط کے لکھنے والے کی شخصیت سے پردہ اٹھانے کی کوششوں میں پڑیں، چند دلائل ہیں جو اس خط بردار شخص کے وجود کی بابت مصریوں کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کی صحت کو مشکوک ٹھہراتے ہیں، ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ دوران سفر انہوں نے خود ہی ایک خط لکھ لیا ہو اور اُسے لے کر مدینہ واپس آئے ہوں، اور یہ ظاہر کرتے ہوں کہ انہیں ایک اونٹ سوار شخص کے پاس سے ملا ہے؟

اس بات کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ فتنہ کے مصادر میں کہیں منقول نہیں ہے کہ انہوں نے اس شخص سے انتقام لیا ہو جو وہ خط لئے ہوئے تھا جس میں اُن کی ہلاکت کی بات تھی، بالخصوص جبکہ وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے خلیفہ اور امیر کی جان لینے سے بھی احتراز نہیں کیا، لہٰذا وہ بدرجۂ اولیٰ اس قاصد کا خون بہانے سے گریز نہ کرتے۔

اور اگر بالفرض اس بات کو صحیح مان لیں، تو سوال یہ ہے کہ آخر وہ قاصد اُنہی کے راستے سے کیوں جا رہا تھا؟ کیا مصر جانے کے لئے ان کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا؟ اور اگر دوسرے راستے نہ رہے ہوں تو کیا اُن سے قریب ہونے کی صورت میں راستے سے مائل ہو کر پھر دوبارہ اپنے راستے پر نہیں لوٹ سکتا تھا؟

آخر کیوں اُن کے پاس آتا تھا پھر جدا ہو جاتا تھا، پھر لوٹ کر آتا تھا پھر جدا ہو جاتا تھا، آخر

---

(۱) اسے خلیفہ بن خیاط وغیرہ نے بروایت ابو سعید مولیٰ ابو اسید روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے، وفضائل الصحابہ، از امام احمد بن حنبل (۴۷۱)، وتاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۳/ ۱۳۳)۔

یہ حرکتیں کیوں تھیں جو اُنہیں اُسے پکڑنے کی دعوت دے رہی تھیں؟

اگر واقعی اس خط کے بھیجے والے عثمان رضی اللہ عنہ یا ان کے ارد گرد رہنے والوں میں سے کوئی ہوتا، تو کیا وہ اُسے ان تعلیمات کی رہنمائی نہ کرتے جو اُس کے اہل مصر سے بچنے میں معاون ثابت ہوتے، اور اُسے آگاہ نہ کرتے چھپ چھپ کر جائے اور اس خط کے مضمون کو بالکل پوشیدہ رکھے؟! ضرور کرتے، اس موقف کے اعتبار سے یہی بات حتمی اور لازمی ہے۔

لیکن اس کے برخلاف ذرا اس - نام نہاد - قاصد کو دیکھیں کہ جب اُسے پکڑا گیا، لوگوں نے اس سے پوچھا: کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا:

میں امیر المؤمنین کے گورنر مصر کی جانب اُن کا قاصد ہوں۔

چنانچہ لوگوں نے اس کی تلاشی لی تو - جیسا کہ روایت میں ہے - اُنہیں اس کے پاس عثمان غنی کی جانب سے اہل مصر کے نام ایک خط ملا جس پر اُن کی مہر لگی ہوئی تھی کہ انہیں صولی دے دیں یا قتل کر دیں یا اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں۔

اور ہمیں کون یقینی طور پر بتائے گا کہ وہ مہر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مہر تھی؟ کیونکہ تاریخی مصادر سے ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے یہ مہر دیکھی ہو اور اقرار کیا ہو کہ یہ انہی کی مہر ہے۔

لوگ جانے کے بعد یہ خبریں لے کر واپس لوٹے جن کے بارے میں سرے سے بعید نہیں کہ یہ ساری باتیں بناوٹی اور ڈرامائی ہوں، اور مدینہ پہنچ گئے۔

بعض ضعیف روایتیں اُن کے بعض صحابہ کے پاس جانے اور انہیں وہ خط پیش کرنے کی تفصیل بیان کرتی ہیں، مگر اس بارے میں ان میں سے کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔

دوسری طرف عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ یہ خط انہوں نے لکھا ہو، اور

ان سے کہا: بس دو ہی باتیں ہیں: یا تو تم دو مسلمان گواہ پیش کرو، یا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، کہ نہ میں نے یہ خط لکھا ہے نہ املا کرایا ہے، نہ مجھے اس کا کوئی علم ہے، کبھی آدمی کی زبان سے لکھا لیا جاتا ہے اور مہر نقش کرالی جاتی ہے، مگر انہوں نے اُن کی تصدیق نہیں کی۔

ہمیں عثمان رضی اللہ عنہ کی سچائی میں کوئی شک ہے نہ اس بارے میں اُنہیں ہی شک تھا، مگر اس کے باوجود انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قسم کھانے کی کوئی پروا نہ کی؛ کیونکہ یا تو-ممکن ہے-وہ پہلے ہی سے جانتے تھے کہ اُنہوں نے خط نہیں لکھا ہے، بلکہ یہ محض اس عہد کے توڑنے کا حیلہ تھا جسے پختہ کرنے پر انہیں افسوس تھا، یا فتنہ کی آگ بھڑکانے والے اس صلح اور عہدو پیمان سے رنجیدہ اور ناراض تھے۔

اگر ہم فرض کرلیں کہ واقعی انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے کاتب کی تحریر میں ایک خط ملا تھا اور اُس پر اُن کی مہر لگی ہوئی تھی تو اس جھوٹ اور افترا پردازی کا گناہ کس کو ملے گا؟!

بعض لوگ اس بارے میں مروان بن حکم کو متہم کرتے ہیں، کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بتائے بغیر ازخود من مانی یہ خط لکھا تھا، میں اس بات کو بہت بعید سمجھتا ہوں، کیونکہ جیسا کہ گزر چکا ہے کہ اس خط کے بھیجنے کے منصوبے کی تفاصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھیجنے والا اسے مصر بھیجنا ہی نہیں چاہتا تھا، بلکہ اس کا مقصد محض اہل مصر کے وفد کو اس سے آگاہ کرنا تھا، نیز اس خط کے لکھوانے میں مروان کی بھی کوئی مصلحت نہ تھی۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے-واللہ اعلم-کہ جس نے یہ جھوٹا خط لکھوایا وہ عبداللہ بن سبا یا اُس کے حامیان میں سے کوئی ہے، کیونکہ یہ اس کی اُن قبیح عادات میں سے ہے جسے اُس نے فتنہ کی آگ بھڑکانے میں استعمال کیا، چنانچہ صرف یہی ایک خط نہیں ہے جو اس فتنہ میں جھوٹا

گھڑا گیا، بلکہ دیگر بعض صحابہ کی زبانی اس کے علاوہ بھی کئی خطوط جھوٹ گھڑے گئے، جیسے ام المؤمنین عائشہ اور علی رضی اللہ عنہما۔

اس واپسی کے بعد انہوں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا گھیراؤ کیا اور خلیفۂ وقت کے ساتھ نہایت گھناؤنا معاملہ انجام دیا اور بدترین تصرف کیا۔ اگلے باب میں محاصرہ کے دوران ہوئے امور کی تفصیل آرہی ہے۔

محاصرہ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت

أولاً: (یوم الدار) ایام محاصرہ کی کیفیت:

یوم الدار اُس مدت کو کہتے ہیں جس میں عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تھا جو مصریوں کے مدینہ لوٹنے سے شروع ہو کر اُن کی شہادت پر ختم ہوا۔[1]

مدت محاصرہ کے بارے میں اختلاف ہے، کسی نے کہا: کہ یہ بیس دنوں سے زیادہ جاری رہا، کسی نے کہا: ایک مہینے سے زیادہ جاری رہا[2] کسی نے کہا: اس کی مدت چالیس دن تھی[3] کسی نے کہا: چالیس دنوں سے زیادہ جاری رہا[4]، کسی نے کہا: انچاس دنوں تک جاری رہا[5] اور کسی نے کہا: یہ محاصرہ دو مہینے بیس دنوں تک جاری رہا۔[6]

---

① جیسا کہ یوم الدار سے متعلقہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

② یہ بات ابن قتیبہ نے کہی ہے، دیکھئے: المعارف (۱۹۶)۔

③ اسے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ میں ذکر فرمایا ہے (۷/ ۱۸۴)۔

④ یہ بات حماد بن زید نے کہی ہے، اسے امام ابن ابی الدنیا نے المحتضرین (خ ق ۱۲ب) میں روایت کیا ہے (جیسا کہ تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۵) کے حاشیہ (۲) میں ہے)، اور انہی کے طریق سے ابن عساکر نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں بشار بن موسیٰ الخفاف ہے جو ضعیف ہے. بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے۔

نیز اسے محب الطبری نے الریاض النضرۃ (۳/ ۴۵) میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: ''النیف: تشدید اور بغیر تشدید کے، دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، اس کی اصل واؤ سے ہے، کہا جاتا ہے: عشرۃ ومائۃ ونیف (ایک سو دس اور اس سے زیادہ)، جو دہائی سے زیادہ ہو اسے نیف کہتے ہیں یہاں تک کہ دوسری دہائی تک پہنچ جائے''۔

⑤ یہ بات ابن الأثیر نے واقدی کے واسطے سے ذکر کی ہے، أسد الغابۃ (۳/ ۴۸۹)۔

⑥ یہ بات ابن الأثیر نے زبیر بن بکار کے واسطے سے ذکر کی ہے، أسد الغابۃ (۳/ ۴۸۹)۔

اور محاصرہ کی جگہ عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ بڑا گھر ہے جہاں آپ مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر تھے [۱]، جسے راویان کبھی کبھی قصر بھی کہتے ہیں۔ [۲]

یہ گھر مسجد نبوی کے مشرقی سمت میں باب عثمان کے سامنے واقع ہے [۳] جس کے شمال میں بقیع کی گلی ہے جس کی چوڑائی پانچ ہاتھ ہے، اور مشرقی سمت میں عثمان رضی اللہ عنہ کا چھوٹا گھر ہے جو ابوحزم کے گھر سے متصل ہے اور اُن کے چھوٹے گھر کے سامنے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر ہے۔ [۴]

اور اُن کے بڑے گھر اور مسجد نبوی کے درمیان: ایک میدان ہے جسے بلاط [۵] کہا جاتا ہے جو محاصرہ کے دوران محاصرہ کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ [۶]

شاید اس گھر کی جگہ مسجد نبوی کی توسیعات میں سے کسی توسیع کے دوران مسجد میں داخل

---

① وفاء الوفاء، از سمہودی (۲/۷۳۱)۔

② یہ بات مسند احمد کی ایک روایت میں آئی ہے، دیکھئے: مسند احمد بتحقیق احمد شاکر، (۱/۳۴۰-۳۴۱، بسند حسن)۔

③ اس سے مراد وہ باب عثمان ہے جو پہلے قدیم مسجد کی عمارت میں تھا، اس میں شک نہیں کہ اُسے منہدم کردیا گیا ہے اور مسجد کی متعدد توسیعات میں سے کسی توسیع میں شامل کیا جاچکا ہے۔

④ وفاء الوفاء، از سمہودی (۲/۷۳۱)۔

⑤ بلاط: مسجد نبوی کے بغل میں ایک جگہ کا نام ہے جسے پتھروں سے برابر کیا گیا ہے۔ دیکھئے: معجم البلدان، از یاقوت حموی، (۱/۴۷۹)۔

⑥ اس پر دلالت کرنے والی بات امام ابن سعد نے الطبقات (۳/۶۷) میں اور امام احمد نے مسند (۱/۳۴۸، ۳۶۳، ۳۷۹-۳۸۰ بتحقیق احمد شاکر) میں روایت کیا ہے، اور احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

نیز اسے عبداللہ بن امام احمد نے بھی روایت کیا ہے (حوالہ مذکور)، وسنن دارمی (۲/۱۷۱-۱۷۲)، وسنن ابوداود (۴/۱۷۰-۱۷۱)، وسنن ابن ماجہ (۲/۸۴۷)، وسنن ترمذی (۴/۴۶۱)، وسنن نسائی (۷/۹۱-۹۲)، وشرح السنہ، از بغوی (۱۰/۱۴۸)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۱)، نیز اسے محب الطبری نے الریاض النضرۃ (۳/۶۶) میں ذکر فرمایا ہے، اس کی سند صحیح ہے اور راویان امام بخاری ومسلم کے راویان ہیں۔

ہو چکی ہے، بظاہر لگتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جو قبر نبوی اور مسجد کی مشرقی دیوار کے درمیان، باب بقیع سے متصل ہے جو موجودہ دور میں باب السلام کے مقابل مشرق کی سمت میں کھولا گیا ہے۔ [1]

اور صحیح روایات میں اس گھر کے بہت معمولی متفرق اوصاف ملتے ہیں، جن کے مجموعہ سے اُس گھر کی ایک تقریبی صورت سمجھ میں آتی ہے جس سے ان واقعات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو گھر میں پیش آئے اور اس کا نتیجہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل تک پہنچا۔

چنانچہ مجھے اس گھر کے جن اوصاف کی معلومات ہو سکی اس میں یہ ہے کہ یہ گھر اُن گھروں کے پڑوس میں تھا جو اونچائی کے اعتبار سے اُس کے برابر تھے، لہٰذا ان کی چھتوں کے ذریعہ ان گھروں کے درمیان منتقل ہونا آسان تھا۔ [2]

اسی طرح اُس گھر کے آس پاس کچھ اور گھر تھے جو بالکل متصل نہ تھے، لہٰذا دونوں کے درمیان لکڑی رکھ کر اس کے واسطے سے اس گھر تک پہنچنا ممکن تھا۔ [3]

اور گھر میں ایک چھوٹا سا راستہ تھا جو مسجد کی طرف نکلتا تھا، یا جھروکہ تھا جس کا رخ سڑک کی جانب تھا، جس سے جھانکنے والا سڑک پر موجود لوگوں یا مسجد میں موجود لوگوں کو دیکھ سکتا تھا، اسی طرح اس کے ذریعہ مسجد میں موجود لوگوں یا سڑک پر رہنے والوں کے لئے گھر میں

---

① یہ دروازہ خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبد العزیز آل سعود رحمہ اللہ کے حکم سے (۱/ ۹/ ۱۴۰۸ھ) میں کھولا گیا تھا۔

② تلخیص المتشابہ، از خطیب بغدادی (۱/ ۹۶)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۵) بروایت نعمان بن بشیر عن نائلہ بنت فرافصہ زوجۂ عثمان رضی اللہ عنہم، اس کی سند میں دو راوی مجہول، ایک صدوق اور باقی راویان ثقہ ہیں۔

③ مسند ابو الجعد (۲/ ۹۵۹)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۲۰)، والطبقات، از ابن سعد (۸/ ۱۲۸)، اس کی سند صحیح یا حسن ہے۔

موجود لوگوں کو دیکھنا ممکن تھا، نیز گھر میں [1] ایک سیڑھی تھی جو اُسے چھت سے جوڑتی تھی۔ [2]

ثانیاً: محاصرہ کا آغاز:

صحیح روایات محاصرہ کے آغاز کی کیفیت کی تفصیل بیان نہیں کرتیں، شاید اُس سے پہلے پیش آمدہ واقعات سے اس کے آغاز کی کیفیت پر کچھ روشنی پڑے۔

چنانچہ ایک روز عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کو خطاب فرما رہے تھے اتنے میں اعین نامی ایک شخص [3] ان کی بات کاٹ کر اُن سے کہنے لگا: اے نعثل! [4] تو نے تو بدل رکھ دیا، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: اعین، عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

---

① یہ چیز اُن کے اللہ کا واسطہ دینے کے بارے میں وارد روایات سے سمجھ میں آتی ہے۔

② تلخیص المتشابہ، از خطیب بغدادی (۱/ ۹۶)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۵) بروایت نعمان بن بشیر عن نائلہ بنت فرافصہ زوجۂ عثمان رضی اللہ عنہم، اس کی سند میں دو راوی مجہول، ایک صدوق اور باقی راویان ثقہ ہیں۔

③ یہ اعین بن ضبیعہ بن ناجیہ بن عقال تمیمی حنظلی دارمی، فرزدق کے دادا صعصعہ بن ناجیہ کا بھتیجہ ہے۔ اسے صاحب استیعاب نے ذکر کیا ہے مگر اس کے صحابی ہونے کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے، یہ فرزدق کی بیوی نوار کا باپ ہے، علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جمل میں حاضر تھا، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا جس اونٹ پر سوار تھیں اس کی کوچیں اسی نے کاٹی تھی، بتایا جاتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے حق میں بد دعا فرمائی تھی کہ وہ خفیہ قتل کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ سنہ ۳۸ھ کا واقعہ ہے۔ دیکھئے: الاصابۃ، از حافظ ابن حجر، پہلی قسم (۱/ ۵۵) والاستیعاب، از ابن عبد البر (۱/ ۱۱۹)۔

④ یہ ایک لقب ہے جسے باغیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال کیا تھا، ابن عساکر نے ابن الکلبی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ''انہیں نعثل اس لئے کہا گیا تھا کہ انہیں نعثل نامی ایک مصری شخص سے تشبیہ دی جاتی تھی جس کی داڑھی لمبی تھی، چنانچہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی اور بے عزتی کرنی ہوتی تھی تو ان کی لمبی داڑھی کے سبب اسی شخص سے تشبیہ دی جاتی تھی، انہیں اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں ملتا تھا۔ جبکہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ: نعثل اصبہان کے ایک شخص کا نام تھا، نیز نعثل کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مذکر لکڑ بگھا کو کہا جاتا ہے'' (تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ، (۳۳۱)۔

اے غلام! بلکہ تو نے بدل دیا، تو لوگ اعین پر کود پڑے، یہ دیکھ کر قبیلہ بنولیث کا ایک شخص اُنہیں اُس شخص سے بچانے لگا یہاں تک کہ اُسے گھر میں داخل کر دیا۔ [1]

اور مصریوں کی دوسری آمد کے بعد اور محاصرہ سخت ہونے سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ نماز کے لئے مسجد میں آسکتے تھے، اور جو آپ سے ملنا چاہتا تھا اُسے آپ کے پاس بھیجا بھی جاتا تھا، پھر ان محاصرین نے اُنہیں اِس سے اور اپنے گھر سے نکلنے سے بھی منع کر دیا، چنانچہ اس کے نتیجہ میں عثمان رضی اللہ عنہ فرض نماز کے لئے بھی گھر سے نہیں نکل سکتے تھے۔ [2]

چنانچہ محاصرین میں سے ایک شخص جو فتنہ کے سرغنوں میں سے تھا وہ لوگوں کو نماز پڑھاتا

---

(۱) اس خطبہ کو امام احمد نے مسند (۱/ ۳۷۸ بتحقیق احمد شاکر) میں روایت کیا ہے اور احمد شاکر نے اسے حسن قرار دیا ہے، اور بقیہ حصہ کو ابو یعلیٰ نے اپنی مسند (۱/ ۱۵۱، ایڈیشن دار القبلۃ) میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق، سیرت عثمان (۲۴۷) میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے، امام ہیثمی فرماتے ہیں: ابو یعلی کی سند کے راویان صحیح کے راویان ہیں سوائے عباد کے، اور وہ بھی ثقہ ہے" مجمع الزوائد (۷/ ۲۲۸)، اور حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری میں بطور حجت و دلیل ذکر فرمایا ہے، لہٰذا ان کے اس رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان کے یہاں مقبول کے درجے میں ہے۔

(۲) تاریخ خلیفہ بن خیاط، (۱۷۲)، و تاریخ الامم والملوک، از طبری (۴/ ۳۸۳)، و تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۴۱-۳۴۲)، اس کی سند ابو سعید مولیٰ ابو اسید تک حسن ہے، اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، البتہ اسے ابن حبان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

وزیادات المسند، از عبداللہ بن احمد، ۲/ ۱۳-۱۴، بتحقیق احمد شاکر۔

وسنن ترمذی (۵/ ۶۲۷)، بطریق ثمامہ قشیری عن عثمان رضی اللہ عنہ۔

اور یہ چیز حسب ذیل روایات سے سمجھ میں آتی ہے:

مسند احمد (۱/ ۳۴۰-۳۴۱، بتحقیق احمد شاکر)، وسنن نسائی (۶/ ۲۳۶)، و تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۴۲-۳۴۳)، نیز اسے ابن الاثیر نے اُسد الغابۃ (۳/ ۴۸۶-۴۸۷) میں ذکر فرمایا ہے، سبھوں نے بطریق ابوسلمہ بن عبدالرحمن عن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

وسنن دارقطنی (۴/ ۱۹۷-۱۹۸)، و تاریخ ابن عساکر۔

تھا، یہاں تک کہ عبید اللہ بن عدی بن خیار نے اُس کے پیچھے نماز پڑھنے سے حرج محسوس کیا لہٰذا اس بارے میں عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا؛ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اُنہیں مشورہ دیا کہ اُس کے پیچھے نماز پڑھیں، اور فرمایا: نماز لوگوں کا سب سے بہترین عمل ہے، اس لئے جب لوگ اچھا کریں تو ان کے ساتھ اچھا کرو اور جب برا کریں تو ان کی برائی سے بچو۔ ①

اور بعض ضعیف روایات میں ہے کہ لوگوں کو نماز پڑھانے والا شخص باغیوں کا امیر غافقی تھا۔ ②

واقدی کی وہ روایت صحیح نہیں جس میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کی امامت کرائیں چنانچہ محاصرہ کے آغاز میں انہوں نے نماز پڑھائی، پھر علی رضی اللہ عنہ نے خود انہیں نماز عید اور اس کے بعد کی نمازیں پڑھائیں۔ ③

اس روایت کی سند ضعیف ہونے کے ساتھ اس کے متن کا ضعف اس بات سے مزید بڑھ جاتا ہے کہ اگر علی یا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہما لوگوں کی امامت کراتے تو عبید اللہ بن عدی بن خیار ان دونوں صحابہ کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج محسوس نہ کرتے۔

ثالثاً: عثمان رضی اللہ عنہ اور محاصرین کے درمیان گفت وشنید:

جب محاصرہ ہو گیا اور باغیوں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں بند کر دیا تو ان

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۲/ ۱۸۸)۔

② تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۳۵۳-۳۵۴)، بروایت سیف بن عمر تمیمی، اور چونکہ یہ ضعیف ہے لہٰذا اس کی سند ضعیف ہے۔

③ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۲۳)، اور چونکہ واقدی متروک ہے لہٰذا یہ سند بے انتہا ضعیف ہے۔

سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو خلافت سے دستبردار کرلیں ورنہ وہ اُنہیں قتل کر دیں گے۔ ①

اور یہ لوگ جو خلیفہ وقت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے نہایت رذیل، اوباش اور دین، اخلاق اور علم کے اعتبار سے حد درجہ گئے گزرے لوگ تھے، اہل حل وعقد میں سے نہ تھے۔

ان کی اس پیشکش سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوگئی تھی اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر عمل کرنے وقت آچکا تھا، لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو دستبردار کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''میں اس منصب خلافت سے دستبردار نہیں ہوسکتا جو اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے''۔ ②

آپ کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس وصیت کی طرف تھا جو اُنہوں نے آپ کو فرمائی تھی۔ ③

دوسری طرف چند تھوڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے اس موقف کے خلاف رائے رکھتے تھے، اور ان میں سے بعض لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ اپنے آپ کو دستبردار کرلیں

---

① تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۱)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ٦٦)، بطریق ام یوسف بنت ما ہک عن اُمھا، مجھے ان دونوں کی سیرت نہیں مل سکی، مگر اس کے کچھ شواہد ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۰-۲۰۱)، والطبقات (۳/ ۷۲)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۹)، وتاریخ الأمم والملوک، از طبری، اس کی سند وثاب مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے، مجھے اس کی سیرت نہیں مل سکی۔

ان دونوں سندوں سے یہ بات حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

② سابقہ حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

③ یہ چیز تمہیدی فصل کے ضمن میں مفصل گزر چکی ہے۔

تا کہ اپنی جان بچا سکیں، ان میں سے مغیرہ بن اخنس رضی اللہ عنہ تھے، مگر عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔

اور ابھی یہ رائے رکھنے والے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود ہی تھے کہ اسی دوران وہاں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔

تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''ذرا ان لوگوں کو دیکھو یہ کیا کہہ رہے ہیں، یہ کہہ رہے ہیں کہ: منصب خلافت سے دستبردار ہو جائیے اور اپنی جان نہ گنوائیے! تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ بتائیے کہ اگر آپ دستبردار ہو جائیں گے تو کیا دنیا میں ہمیشہ رہیں گے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، فرمایا: اور اگر آپ دستبردار نہ ہوں گے تو کیا یہ باغیان آپ کو قتل کرنے سے زیادہ کچھ کر سکیں گے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، انہوں فرمایا: کیا یہ لوگ آپ کے لئے جنت یا جہنم کے مالک ہیں؟ کہا: نہیں، فرمایا: اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس ذمہ داری سے دستبردار ہو جائیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، کہ یہ سنت بن جائے کہ جب بھی کچھ لوگ اپنے خلیفہ یا امام کو ناپسند کریں تو اُسے قتل (سبکدوش) کر دیں۔ [1]

اور ایک روایت میں ہے:

''میں نہیں سمجھتا کہ آپ اسلام میں یہ سنت جاری کریں، کہ جب بھی کوئی قوم اپنے امیر

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۰)، اور ان کے طریق سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۹) اس کی سند حسن ہے، البتہ اس میں ''قتلوہ'' کے بجائے ''خلعوہ'' کے الفاظ ہیں، اور ان کی روایت خلیفہ کے طریق سے ہے، تاریخ خلیفہ کے محقق ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری اس لفظ پر تعلیق لگاتے ہوئے حاشیہ میں لکھتے ہیں: شاید صحیح لفظ ''خلعوہ'' ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ کی شکل ''قتلوہ'' ہے، اسی لئے انہوں سے تعجب کیا ہے، ممکن ہے ایسا کسی نقل کرنے والے سے واقع ہوا ہو، اس کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ امام ابن عساکر نے اپنی روایت میں جس نسخہ پر اعتماد کیا ہے اس میں اس لفظ میں تصحیف نہیں ہوئی ہے، واللہ أعلم۔

سے ناراض ہو اُسے معزول کر دے، آپ اس منصب سے دستبردار نہ ہوئیے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ [1]

اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ منصف خلافت سے دستبردار ہونے اور نہ ہونے میں تردد کا شکار تھے یہاں تک کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُن کی تائید فرمائی، کیونکہ دستبردار نہ ہونے کے بارے میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت بالکل صریح ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اسے بھول گئے ہوں پھر بعد میں انہیں یاد آئی ہو، عثمان رضی اللہ عنہ نے دستبردار نہ ہونے کی بات جو تعبیر استعمال فرمائی بظاہر اس سے محسوس ہوتا ہے کہ انہیں وصیت یاد تھی، کیونکہ انہوں نے اپنی تعبیر میں اس کے معانی کا استعمال کیا ہے۔

اور یہ موقف جس کی رہنمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت نے کی ہے ایک حکیمانہ موقف ہے، کیونکہ فتنہ کی آگ بھڑکانے والے دنگائیوں کا مطالبہ مان لینے سے، جو کہ امت کے بہت تھوڑے لوگ تھے، اور نہ اہل حل وعقد میں سے تھے نہ اسلام کی نمایاں شخصیات اور علماء شریعت میں سے تھے، امت کی پرامن رفتار، خلافت کی ہیبت و وقار اور رعایا سے حاکم کے تعلق پر بڑے خطرناک اثرات مرتب ہوتے، اور ان بُرے اثرات کو ٹالنے کی قیمت یہ بنی کہ خلیفۂ وقت نے خود اپنی زندگی قربان کر دی، وہ اپنے انجام کو جانتے تھے اور اس کے لئے سر تسلیم خم کر چکے تھے، یہ نفس پر ایک بڑا گرانبار معاملہ ہے، لیکن اُنہوں نے امت کی مصلحتوں کو اپنی ذاتی مصلحت پر مقدم کیا۔

اور یہ موقف عثمان رضی اللہ عنہ کی قوت وعزیمت اور شجاعت و بسالت کو نمایاں کرتا ہے،

---

(1) الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۶۶)، بسند صحیح جس کے راویان امام بخاری ومسلم کے راویان ہیں، وتاریخ المدینۃ، از ابن شبہ (۴ / ۱۲۲۶)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۹) بسند حسن لغیرہ۔

اوراس کے ذریعہ ان صفات میں ان کے کمزور ہونے کی بابت جو تہمتیں ان پر لگائی گئی ہیں اُن کی تردید ہوتی ہے۔

کیونکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ اللہ کے حکم سے فتنہ کو کچلنے پر قادر تھے مگر انہیں اندازہ ہوا کہ اس کے نتیجہ میں کچلنے کی مصلحت سے زیادہ مفاسد رونما ہو سکتے ہیں، لہٰذا آپ نے ان مفاسد سے بچنے کے لئے اس سے گریز کیا؛ اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے جن کا کہنا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ''ایک سیاہ شر وفساد'' تھا جسے کوئی کچلنے والا نہ مل سکا''[1] کیونکہ ایسا کہنے میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت اورآپ کی شجاعت پر طنز ہے، یقیناً وہ ایک سیاہ فتنہ تھا لیکن اسے نہ کچلنے کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی منقبت اور خوبی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں امت کی مصلحت کے حصول کی امید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تھے اورلوگ گھر کے سامنے سے محاصرہ کئے ہوئے تھے، اپ ایک راستے میں داخل ہوئے جہاں سے اندر والے شخص کو باہر آنگن کے لوگوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں، اسی دوران آپ نے سنا کہ محاصرین آپ کو قتل کی دھمکی دے رہے ہیں، بظاہر لگتا ہے کہ اس سے پہلے آپ کو اتنی توقع نہ رہی ہوگی کہ معاملہ اتنی جلدی اس حد تک سنگین ہو جائے گا۔

بہر حال آپ راستے سے نکلے اور گھر میں موجود اپنے ساتھیوں کے پاس تشریف لائے، تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا، فرمایا:

''إِنَّهُمْ لَيَتَوَعَّدُونَنِي بِالْقَتْلِ آنِفًا، قَالُوا لَهُ: يَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ يَا أَمِيرَ

---

[1] ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ازعباس محمود عقاد (ص: ۱۲۲)۔

الْمُؤْمِنِينَ، فَقَالَ: وَلِمَ يَقْتُلُونَنِي؟! وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: "**لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا فِي إِحْدَى ثَلَاثٍ: رَجُلٍ كَفَرَ بَعْدَ إِيمَانِهِ، أَوْ زَنَى بَعْدَ إِحْصَانِهِ، أَوْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ**"، فَوَاللَّهِ مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا فِي إِسْلَامٍ قَطُّ، وَلَا تَمَنَّيْتُ أَنَّ لِيَ بِدِينِي بَدَلًا مُنْذُ هَدَانِي اللَّهُ، وَلَا قَتَلْتُ نَفْسًا، فَفِيمَ يَقْتُلُونَنِي؟''۔ [1]

''ابھی ابھی میں سنا ہے یہ لوگ مجھے قتل کی دھمکی دے رہے ہیں، تو لوگوں نے آپ سے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ اُن کے شر سے آپ کی کفایت فرمائے گا، فرمایا: مگر یہ لوگ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟! جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین حالات میں سے کسی ایک حالت میں: آدمی جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہو جائے، یا شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرلے، یا ناحق کسی کو قتل کر دے'' مگر اللہ کی قسم! میں نے زمانہ جاہلیت یا اسلام لانے کے بعد کبھی بھی زنا نہیں کیا، نہ ہی جب سے اللہ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے کبھی تمنا کیا کہ مجھے اپنے دین کے بدلے کوئی اور دین مل جاتا، نہ ہی کبھی کسی جان کو قتل کیا؛ تو آخر یہ لوگ مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کریں گے؟؟

پھر محاصرین کی طرف جھانکا، ان کی جذباتیت کو ٹھنڈا کرنے اور انہیں اپنے امام کے

[1] الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۶۷)، ومسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۴۸، ۳۶۳، ۳۷۹، ۳۸۰-۳)، علامہ احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے، وعبداللہ بن امام احمد (سابقہ حوالہ)، وسنن دارمی (۲/ ۱۷۱-۱۷۲)، وسنن ابو داود (۴/ ۱۷۰-۱۷۱)، وسنن ترمذی (۴/ ۴۶۱)، وسنن نسائی (۷/ ۹۱-۹۲)، وسنن ابن ماجہ (۲/ ۸۴۷)، وشرح السنۃ، از بغوی (۱۰/ ۱۴۸)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۳۵۱)، نیز اسے محب طبری نے الریاض النضرۃ (۳/ ۶۶) میں ذکر کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے اس کے راویان امام بخاری ومسلم کے راویان ہیں۔

خلاف بغاوت کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی، ساتھ ہی اپنی گفتگو میں اُن کی جانب سے اپنے اوپر لگائے گئے عیوب اور الزامات کی تردید کی اور اُن حقائق کو بے نقاب کیا جنہیں اُنہوں نے گڈ مڈ کر دیا تھا، اس امید سے کہ اُن کے جھانسے میں آ کر بہک جانے والے ہوش میں آجائیں اور اپنی بھلائی کی طرف پلٹ آئیں۔

چنانچہ محاصرین سے مطالبہ کیا کہ اپنا ایک نمائندہ پیش کریں جس سے وہ گفتگو کریں، انہوں نے اُن کے سامنے صعصعہ بن صوحان نامی ایک نوجوان کو پیش کیا، عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس سے مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کے اعتراضات کی وضاحت کرے۔ [1]

تو صعصعہ نے کہا: ہمیں اپنے گھر بار سے صرف اس لئے ناحق نکالا گیا (جلاوطن کیا گیا) کہ ہم نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے! [2] عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: آیت کی تلاوت کرو، یعنی قرآن سے دلیل پیش کرو، اس نے یہ آیت پڑھی:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾﴾ [الحج:۳۹]۔ [3]

---

① مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۳-۲۰۴) ابن سیرین تک اس کی سند صحیح ہے مگر وہ حادثہ کے وقت موجود نہ تھے، البتہ آگے آنے والی قتادہ کی روایت اس کی شاہد ہے۔

② تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۱)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۰) اس کی سند قتادہ تک حسن ہے مگر وہ حادثہ کے وقت موجود نہ تھے ابن سیرین کی سابقہ روایت اس کی شاہد ہے۔ اس روایت میں جلاوطنی کے واقعہ اور جلاوطنی کے سبب کی تفصیل نہیں ہے، جبکہ دوسری روایات اس بارے میں کچھ تفصیلات واضح کرتی ہیں، چنانچہ ان میں یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض ان شرانگیزوں کو جلاوطن کیا تھا جنہوں نے کوفہ میں فتنہ کی آگ بھڑکانا چاہا تھا۔

③ مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۳-۲۰۴) ابن سیرین تک سابق صحیح سند کے ساتھ؛ مگر وہ حادثہ کے وقت موجود نہ تھے، البتہ قتادہ کی سابقہ روایت اس کی شاہد ہے۔

جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔

تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت کریمہ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو اس آیت کا مصداق تم نہیں ہو، بلکہ یہ ہم لوگوں کے بارے میں ہے، ہمیں مکہ والوں نے ہمارے گھروں سے نکالا تھا۔

پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی جس سے صعصعہ نے استدلال کیا تھا اور اس کے بعد والی آیت کریمہ بھی پڑھی جو اس کی تفسیر کرتی ہے اور صعصعہ کے جھوٹے استدلال کی قلعی کھول دیتی ہے، چنانچہ پڑھا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ ٱلَّذِينَ أُخْرِجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَن يَقُولُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَٰمِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَٰتٌ وَمَسَٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا ٱسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ ٱللَّهُ مَن يَنصُرُهُۥٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَقَوِىٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا۟ بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا۟ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلْأُمُورِ ﴿٤١﴾﴾ [الحج:۳۹-۴۱]۔[1]

جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۳-۲۰۴) ابن سیرین تک صحیح سند کے ساتھ؛ مگر وہ حادثہ کے وقت موجود نہ تھے، البتہ قتادہ کی سابقہ روایت اس کی شاہد ہے۔

جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھا دی جاتیں جہاں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔

اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ان آیات کا صحیح معنیٰ سمجھایا جیسے وہ اتری تھیں بایں طور کہ ان کا سبب نزول واضح کیا، کن لوگوں کے بارے میں اتریں، اور ان کا کیا معنیٰ ہے بتلایا، تاکہ وہ شخص انہیں شبہہ میں نہ ڈال سکے جو قرآن پڑھے مگر اس کا معنیٰ نہ جانے اور اس سے اس کے حقیقی معنیٰ و مراد کے خلاف استدلال کرے۔

اور یہ تفسیر جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کی ہے یہی صحابۂ کرام اور ان کے علاوہ دیگر ائمۂ تفسیر نے کی ہے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور کئی مفسرین سلف، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ: یہ آیتیں مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ (۱)

اور فرمان باری: ﴿ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ﴾ [الحج:۴۰]۔

کی تفسیر میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، از حافظ ابن کثیر (۳/ ۲۲۶)۔

"خبردار! یہ ذمہ داری صرف حاکم اور ولی امر کی نہیں ہے، بلکہ حاکم اور رعایا دونوں پر واجب ہے۔ کیا میں تمہیں تمہارے تئیں حاکم کی ذمہ داری اور حاکم کے تئیں تمہاری ذمہ داری نہ بتلاؤں؛ یقیناً تمہارے تئیں حاکم وقت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کے حقوق کی بابت تمہارا مواخذہ کرے اور تمہیں ایک دوسرے کا حق دلائے، اور حسب استطاعت تمہیں سب سے سیدھے راستے کی رہنمائی کرے..."۔ (1)

اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو بھی جلاوطن کیا تھا اُسی آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے کیا تھا جس سے صعصعہ نے استدلال کیا، کیونکہ آیت کریمہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین میں قوت واقتدار عطا فرمایا ہو اُسے حکم دیتی ہے کہ بھلائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے، اور عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے اور ان لوگوں کو جلاوطن کرنا بھلائی کا حکم دینا اور منکر سے روکنا تھا کیونکہ انہوں نے بعض مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کی تھی اور فتنہ کی آگ بھڑکایا تھا، اگر وہ انہیں قتل کر دیتے تو بھی یہ ان کی جانب سے حق اور عدل وانصاف ہوتا؛ کیونکہ یہ روئے زمین میں فساد پھیلانے والوں میں سے تھے جن کی سزا اللہ تعالیٰ نے قتل، یا سولی، یا ہاتھوں پیروں کو مخالف سمت میں کاٹنا، یا روئے زمین سے جلاوطن کرنا مقرر فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسۡعَوۡنَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ أَوۡ يُصَلَّبُوٓاْ أَوۡ تُقَطَّعَ أَيۡدِيهِمۡ وَأَرۡجُلُهُم مِّنۡ خِلَٰفٍ أَوۡ يُنفَوۡاْ مِنَ ٱلۡأَرۡضِۚ ذَٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡيٞ فِي ٱلدُّنۡيَاۖ وَلَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٣٣﴾ [المائدۃ: ۳۳]۔

(1) تفسیر القرآن العظیم، از حافظ ابن کثیر (۳/ ۲۲۶)۔

جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔

لہٰذا صعصعہ نے آیت کریمہ سے جو استدلال کیا تھا وہ اس کے حقیقی معنیٰ سے بہت دور ہے، نیز انہیں جلاوطن کرنے کا سبب یہ نہیں تھا کہ انہوں نے کہا تھا: ہمارا رب اللہ ہے!

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، یعنی نہ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی تھی نہ ہی ان کا کوئی گناہ اور جرم تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے اللہ کی توحید کا اعلان کیا اور اُس کی خالص عبادت کی، اس کا کوئی ساجھی وشریک نہیں''۔ ①

تو بھلا کیا اہل کوفہ کے فسادیوں کو نکالنے کا سبب یہی تھا؟! اور کیا آیت کریمہ سے صعصعہ کا استدلال صحیح ہے یا پھر بے بنیاد استدلال ہے؟؟

اسی لئے عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی تردید کرنے کے بعد، لوگوں کو اسلام میں اپنا مقام ومرتبہ اور محاصرین کا مقام ومرتبہ یاد دلایا، اور اپنے بعض فضائل کا تذکرہ فرمایا، اور لوگوں کو اللہ کا واسطہ دے کر کہا: تاکہ جو بھی ان باتوں کو جانتا ہے یا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے وہ اُسے لوگوں کے سامنے بیان کرے۔

انہوں نے بلوائیوں کو جن باتوں کا حوالہ دیا ان میں یہ بھی تھا کہ ان سے اس بات کا اقرار کروایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے شہید ہونے کی گواہی دی تھی، چنانچہ فرمایا تھا:

① تفسیر القرآن العظیم، از حافظ ابن کثیر (۳/۲۲۶)۔

''اسْكُنْ حِراء، لَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدٌ''۔

حراء ٹھہر جا، کیونکہ تیری پشت پر صرف نبی یا صدیق یا شہید ہے۔

اور یہ بتلایا کہ آپ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (1)

اور یہ معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نبی نہیں ہیں، اور صدیق ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ آپ اس وصف سے معروف ہیں، لہٰذا عثمان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو بھی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے ان کے حق میں تیسری صفت یعنی ''شہادت'' ہی باقی رہی، عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس کی یاد دہانی کرائی اور ان میں سے جو نہیں جانتے تھے انہیں بتلایا، تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ وہ شہید ہوں گے اور اُن کا قتل شہادت ہے، ہوسکتا ہے یہ جان کر وہ لوگ اُنہیں قتل کرنے سے اپنے آپ کو بچالیں اور لوگوں کے سامنے ان کی گمراہی نمایاں ہو جائے جنہوں نے ان پر تبدیلی کرنے کی تہمت باندھی ہے، نیز انہیں اچھی طرح سمجھا دیں کہ وہ معصوم الدم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حسن خاتمہ کی گواہی دی ہے، تاکہ ان کی سمجھ میں آجائے کہ انہوں نے جو بے بنیاد عیوب اور الزامات ان پر چسپاں کئے ہیں وہ ان کے قتل کو مباح نہیں کر سکتے، کیونکہ کم از کم وہ ایک معصوم الدم مسلمان کے دائرہ سے باہر نہیں ہیں۔

---

(1) مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۴۰-۳۴۱)، وسنن نسائی (۶/ ۲۳۶)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۴۲-۳۴۳)، اور ابن الأثیر نے اسے أسد الغابۃ (۳/ ۴۸۶-۴۸۷) میں ذکر کیا ہے، سبھوں نے بطریق ابوسلمہ بن عبد الرحمن عن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے، وسنن ترمذی (۵/ ۶۲۵)، جبکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسے تعلیقاً نقل کیا ہے، (فتح الباری ۵/ ۴۰۶-۴۰۷)، وسنن نسائی (۶/ ۲۳۶-۲۳۷)، وسنن دارقطنی (۴/ ۱۹۹-۲۰۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۳۷-۳۳۸)، سبھوں نے بطریق ابوعبد الرحمن السلمی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

وسنن ترمذی (۵/ ۶۲۷) بطریق ثمامہ قشیری عن عثمان رضی اللہ عنہ۔

اسی طرح انہوں نے بیعت رضوان سے غیر حاضر رہنے کی بابت جو تہمت ان پر لگائی تھی اس کی تردید کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا اور اللہ کا واسطہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس وقت مشرکین مکہ کے پاس نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، اور جب بیعت رضوان ہوئی تھی تو فرمایا تھا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور ان کی جانب سے بیعت فرمائی، تو کچھ لوگوں نے آپ کی بات مان لی''۔ (۱)

لہٰذا آپ کے جسمانی طور پر بیعت رضوان میں حاضر نہ ہونے کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ آپ اس کی فضیلت سے محروم ہیں، اسی طرح آپ کا جسمانی طور پر حاضر نہ ہونا کوئی عیب و مذمت کی چیز نہیں ہے جو آپ پر چسپاں ہو، بلکہ آپ کی فضیلت اور رسول اللہ ﷺ کے یہاں آپ کے مقام و مرتبہ کی دلیل ہے بایں طور کہ آپ ﷺ نے انہیں اس عظیم محاذ کے لئے نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔

اور لوگوں نے آپ کو جو رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا تھا اس بارے میں انہیں یاد دلایا اور اللہ کا واسطہ دے کر اپنے مال خاص سے مسجد نبوی کی توسیع کرنے کا تذکرہ کیا، کہ جس دن رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی سے متصل ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''مَنْ يُوَسِّعُ لَنَا هَذَا الْبَيْتَ فِي الْمَسْجِدِ بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ؟''۔

کہ کون ہے جو اس گھر کو مسجد میں شامل کر کے اُس کی توسیع کر دے، اُسے اس کے

---

(۱) مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۴۰-۳۴۱)، وسنن نسائی (۶/ ۲۳۶)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۴۲-۳۴۳)، اور ابن الأثیر نے اسے أسد الغابۃ (۳/ ۴۸۶-۴۸۷) میں ذکر کیا ہے، سبھوں نے بطریق ابوسلمہ بن عبد الرحمن عن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

بدلے جنت میں محل ملے گا۔

تو انہوں نے اپنے ذاتی مال سے وہ گھر خریدا تھا اور اس سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع فرمائی تھی۔ ①

لہٰذا ان لوگوں کا اُنہیں اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے منع کرنا کھلا ظلم ہے کیونکہ وہ مسلمان ہیں اور دیگر مسلمانوں کی طرح انہیں بھی مسجد میں نماز پڑھنے کا حق ہے، بلکہ انہیں اس میں مزید حق ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تعمیر میں بڑا تعاون فرمایا تھا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عثمان غنی کو جنت میں محل کا وعدہ کرنے میں اُن کے حسن خاتمہ کی واضح دلیل ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت میں محل حاصل ہونے کی اس گواہی پر غور کریں اور ان کا خون معاف کر دیں، اور شاید

---

① دیکھئے: سابقہ حاشیہ، وسنن ترمذی (۵ / ۷ / ۶۲۷) بطریق ثمامہ قشیری عن عثمان رضی اللہ عنہ۔

وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۲)، وتاریخ الأمم والملوک، از امام طبری (۴ / ۳۸۳ / ۳۸۳)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۴۱-۳۴۲)، اور اس کی سند حسن ہے۔

وزیادات المسند، از عبداللہ بن احمد ۲ / ۱۳-۱۴، بتحقیق احمد شاکر، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۳۹-۲۴۰) بروایت ثمامہ بن حزن القشیری، اس کی سند میں ہلال بن حق الجریری ہے جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

ومسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱ / ۸۰ / ۳۸۰-۳۸۱)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ، بروایت احنف، اس کی سند کو احمد شاکر نے صحیح قرار دیا ہے، اس کی سند میں عمرو بن جاوان ہے جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

وسنن دارقطنی (۴ / ۷ / ۱۹۷-۱۹۸)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۴۳-۳۴۴) بروایت موسیٰ بن حکیم عن عثمان رضی اللہ عنہ، اس کی سند میں عمر بن عبید اللہ اور موسیٰ بن حکیم ہیں جن کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے، بشر بن آدم صدوق ہے اور بقیہ راویان ثقہ ہیں۔

انہیں یہ بات سمجھ میں آجائے کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے قرابتداروں کو جو عطیے دیا کرتے تھے وہ بیت المال سے نہیں تھا بلکہ اُن کے اپنے ذاتی مال سے تھا، جس کے سبب وہ بیت المال میں فراوانی ہونے کے پہلے ہی سے سخی اور فیاض تھے۔

اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بابت یہ ان کا کوئی نادر معاملہ نہ تھا، بلکہ انہوں نے اس سے بہت بڑی بڑی رقمیں اللہ کی راہ میں خرچ کی تھیں، چنانچہ اُنہیں اس بارے میں یاد دہانی کرانے کے لئے اُن کے سامنے جیش العسرہ کی تیاری کے مکمل اخراجات فراہم کرنے کا تذکرہ کیا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے جواب میں کیا تھا:

"مَنْ يُنْفِقُ الْيَوْمَ نَفَقَةً مُتَقَبَّلَةً"۔ [1]

آج اللہ کی راہ میں کون مقبول نفقہ (مال) خرچ کرے گا۔

---

[1] زیادات المسند، از عبد اللہ بن احمد ۲/ ۱۳-۱۴، بتحقیق احمد شاکر، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۳۹-۲۴۰) بروایت ثمامہ بن حزن القشیری، اس کی سند میں ہلال بن حق الجریری ہے جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

ومسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۸۰-۳۸۱)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ، بروایت احنف، اس کی سند کو احمد شاکر نے صحیح قرار دیا ہے، اس کی سند میں عمرو بن جاوان ہے جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

وسنن دار قطنی (۴/ ۱۹۷-۱۹۸)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۴۳-۳۴۴) بروایت موسیٰ بن حکیم عن عثمان رضی اللہ عنہ، اس کی سند میں عمر بن عبید اللہ اور موسیٰ بن حکیم ہیں جن کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے نیز بشر بن آدم صدوق ہے اور بقیہ راویان ثقہ ہیں۔

وسنن ترمذی (۵/ ۶۲۵)، اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسے تعلیقاً نقل کیا ہے، (فتح الباری ۵/ ۴۰۶-۴۰۷)، وسنن نسائی (۶/ ۲۳۶-۲۳۷)، وسنن دار قطنی (۴/ ۱۹۹--۲۰۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۳۷-۳۳۸)، سبھوں نے بطریق ابوعبد الرحمن السلمی روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

اسی طرح اپنے بئر رومہ خرید نے کا تذکرہ کیا جس کا پانی مسافروں کو فروخت کیا جاتا تھا، چنانچہ اُسے انہوں نے اپنے ذاتی مال سے خریدا اور مسافروں کے لئے مفت عام کر دیا۔

لہٰذا ان کا اُنہیں پانی سے روکنا اُس کے برعکس بدلہ ہے جو انہوں نے خود مسلمانوں کے لئے فیاضانہ سلوک کیا تھا، چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ کارنامہ یاد دلایا جو انہوں نے اپنی جانب سے ان کے لئے بئر رومہ وقف کر کے انہیں فراواں پانی فراہم کیا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے اہل خانہ اور باشندگان مدینہ اس شیرین پانی سے لطف اندوز ہوئے، جبکہ یہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کنوئے کا پانی پینے سے منع کرتے تھے اور اپنے گھر میں موجود گندے کنوئے کا پانی پینے پر مجبور کرتے تھے جس میں گندگیاں اور کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ [1]

مگر اس کے باوجود جب ان لوگوں کا اصرار اور قتل کرنے کا پختہ عزم دیکھا تو انہیں اس سے اور اس کے انجام بد سے آگاہ کیا، چنانچہ اپنے گھر کے جھروکے [2] سے ان کی طرف جھانکا اور ان سے کہا: اے لوگو! مجھے قتل نہ کرو میری بابت ناراضگی ختم کر دو، کیونکہ اللہ کی قسم! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو نہ کبھی متحد ہو کر لڑ سکو گے نہ کسی دشمن سے جہاد کر سکو گے، بلکہ اختلاف کا شکار ہو جاؤ گے، یہاں تک کہ تم اس طرح ہو جاؤ: اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا۔ [3]

---

(۱) تلخیص المتشابہ، از امام خطیب بغدادی (۱/ ۹۶)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۵) بروایت نعمان بن بشیر عن نائلہ بنت فرافصہ زوجۂ عثمان رضی اللہ عنہم، اس کی سند میں دو راوی مجہول ہیں۔

(۲) الکو: دیوار کے جھروکے یا گھر وغیرہ میں سوراخ کو کہتے ہیں۔ لسان العرب، از ابن منظور (۱۵/ ۲۳۶)۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۳)، الفاظ اسی کے ہیں، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۱)، ومعجم ==

اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''اے لوگو! مجھے قتل نہ کرو کیونکہ میں ولی امر اور مسلمان بھائی ہوں، اللہ کی قسم! میں نے اپنی استطاعت کے مطابق اصلاح کرنے کی کوشش کی خواہ درستی پاسکا ہوں یا غلطی کا شکار ہوا ہوں، یقیناً اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو کبھی اکٹھا ہو کر نماز پڑھ سکو گے، نہ اکٹھا ہو کر جنگ کر سکو گے، نہ ہی تمہارے درمیان تمہارا مال فے تقسیم ہو سکے گا''۔ [1]

نیز فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے تو میرے بعد کبھی آپس میں محبت سے رہ سکیں گے نہ کبھی متحد ہو کر کسی دشمن سے جنگ کر سکیں گے''۔ [2]

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جن جن باتوں سے آگاہ کیا تھا وہ ساری باتیں سچ ثابت ہوئیں، چنانچہ اُن کی شہادت کے بعد تمام باتیں من وعن پیش آئیں، اسی بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! گر چہ تمام لوگوں نے اکٹھا ہو کر نماز پڑھی ہے مگر ان کے دل مختلف

== ابن الأعرابی (خ ۱۲۵ أ)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۱-۳۵۲)، سبھوں نے بطریق ابولیلیٰ کندی عن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، اس کی سند حسن ہے۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/۷۱)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۱)، ومعجم ابن الأعرابی (خ ق ۱۲۵ أ)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۱-۳۵۲)، اس کی سند حسن ہے۔

(۱) الطبقات، از ابن سعد (۳/۶۷-۶۸)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۵) بطریق مجاہد عن عثمان رضی اللہ عنہ، اور چونکہ مجاہد حادثہ کے وقت موجود نہ تھے اس لئے سند منقطع ہے، دیکھئے: جامع التحصیل، از علائی، (ص: ۳۳۶-۳۳۷)۔

(۲) الطبقات، از ابن سعد (۳/۷۱)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۱)، ومعجم ابن الأعرابی (خ ق ۱۲۵ أ)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۱-۳۵۲)، اس کی سند حسن ہے۔

ہیں''۔ [1]

اسی طرح عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے سے ڈرایا اور آگاہ کیا۔ [2]

پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بلوایا تاکہ محاصرین اور اُن کی جانب سے اُنہیں قتل کی دھمکی دینے کے بارے میں مشورہ کریں، چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے بلوایا، جیسا کہ آئندہ مبحث میں آئے گا۔

رابعاً: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنا اور اُن کا اسے ٹھکرانا:

جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ تمام پرامن کوششیں ان کے حق میں کارگر نہ ہوئیں اور ان کا محاصرہ مزید سخت ہوگیا تو انہوں نے اس معاملہ میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ اب کیا کریں، انہوں نے مشورہ دیا کہ اُن کے ساتھ قتال کرنے سے باز رہیں تاکہ یہ چیز اللہ کے یہاں آپ کے حق میں اور زیادہ ٹھوس حجت ہو، چنانچہ اُن سے فرمایا: ''اُن سے لڑنے سے باز رہیں گریز کریں، کیونکہ یہ آپ کے حق میں زیادہ ٹھوس حجت ہوگی''۔ [3]

---

(۱) تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۱)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۱)، ایسی سند کے ساتھ جو حسن بصری تک حسن ہے۔

(۲) لوگوں کو آگاہ کرنے کی بابت ان کے اقوال اس کتاب کے مبحث: ''عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اثرات سے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۳)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۱)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۱)، ومعجم ابن الأعرابی (خ ق ۱۲۵ أ)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۱-۳۵۲)، اس کی سند حسن ہے۔

اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لئے بھیجا، تو علی رضی اللہ عنہ دار عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف نکلے آپ کے ساتھ آپ کے گھر کے بھی کچھ لوگ تھے، جب یہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے تو گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا، لہٰذا آپ نے محاصرین کو فلانگ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنا چاہا، مگر آپ کے گھر کے بعض لوگ آڑے آئے اور آپ کے اور گھر میں داخل ہونے کے درمیان اس اندیشے سے حائل ہو گئے کہ کہیں یہ محاصرین آپ کو ایذاء نہ پہنچائیں، لہٰذا اُنہوں نے اپنے سر سے اپنا سیاہ عمامہ اتارا جسے وہ باندھا کرتے تھے اور اُسے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاصد کے پاس پھینک دیا۔ [1]

بہر کیف عثمان رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کیا اور ایک پر امن موقف بنا لیا جس کا تقاضہ یہ تھا کہ معاملہ کتنا ہی سنگین ہو جائے محاصرین کے ساتھ قتال اور مقابلہ آرائی میں نہیں پڑیں گے۔

---

① یہ معلومات (حسب ذیل) چار روایات میں آئی ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں:

۱۔ جسے ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۵/ ۲۰۹) میں، ابو عرب نے المحن (۷۳) میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۷۲) میں بروایت منذر بن یعلیٰ نقل کیا ہے، انقطاع کے سبب اس سند میں ضعف ہے۔

۲۔ جسے ابن سعد نے الطبقات (۳/ ۶۸-۶۹) میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۷۲) میں بروایت راشد بن کیسان بن ابو فزارہ عبسی نقل کیا ہے، اس سند میں بھی انقطاع ہے۔

۳۔ جسے ابن سعد نے الطبقات (۳/ ۶۸) میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۷۱) میں بروایت ابو جعفر محمد بن علی نقل کیا ہے، اس میں بھی ضعف ہے کیونکہ اس میں تیسرے مرتبہ کے مدلس کا عنعنہ ہے۔

۴۔ جسے ابن سعد نے الطبقات (۳/ ۸۲) میں، علی بن الجعد نے مسند (۲/ ۸۴۸-۸۴۹) میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۶۱) میں بروایت عبد الرحمن بن ابو یعلیٰ نقل کیا ہے، اس میں شریک ہیں جو اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، اور ان سے روایت کرنے والا راوی عبد اللہ بن نمیر ہے جس نے اُن سے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔

اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے محاصرین کی گھناؤنی جرأت و جسارت دیکھی اور ان سے عثمان رضی اللہ عنہ کی جان کا خطرہ کا محسوس کیا تو ان میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ کا دفاع کرنے کی پیشکش کی مگر آپ نے انکار کر دیا، پھر دوبارہ آئے اور آپ کے دفاع کی بابت اپنے پختہ عزم کا اظہار کیا مگر آپ نے سختی سے انکار کر دیا، مگر جب انہوں نے دیکھا کہ معاملہ سنگین اور خطرناک صورت اختیار کرلے گا تو عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں قتال کے لئے تیار ہو گئے اور کچھ لوگ گھر میں داخل ہو گئے، مگر عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے روکا اور اپنے دفاع میں قتال سے باز رہنے کی بابت اُن کے ساتھ سخت موقف اختیار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا یہ فیصلہ کن موقف آپ کے دفاع کے لئے اُن کے سچے جذبے اور اس کی عملی تنفیذ کے درمیان حائل ہو گیا۔

اور صحیح روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے آپ کے دفاع کے تئیں اپنے ٹھوس عزم و ارادہ کا اظہار کیا آپ کا انکار بھی شدید ہوتا گیا، بلکہ جب آپ نے بعض ساتھیوں کی جانب سے اس بارے میں اصرار دیکھا تو انہیں نصیحت کی، اللہ سے ڈرایا اور انہیں اپنی اطاعت کے واجب ہونے کا واسطہ دیا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ باغیان کے قتال سے گریز کرنے کی بابت آپ کا عزم و ارادہ پختہ تھا اس میں کسی تردد کا شائبہ نہ تھا۔

ذیل میں عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیشکش کی تفصیلات اور اس بارے میں اُن کا موقف ملاحظہ فرمائیں:

محاصرہ کے دوران حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہما عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: ''اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کے دفاع میں ان سے لڑیں گے''۔ [1]

---

[1] التاریخ الصغیر، از بخاری (۱/۱۰۱)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۴۰)، اس کی سند صحیح ہے، اس کے راویان ثقہ ہیں امام مسلم کے راویان ہیں۔

اسی طرح مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف لائے اور اس بات کا اظہار کیا کہ بہت سارے لوگ آپ کے دفاع میں لڑنے کے لئے تیار ہیں، اور تجویز رکھی کہ آپ کے پاس جو اسباب ووسائل اور قوت وطاقت ہے اس کے ذریعہ ان سے قتال کریں، چنانچہ کہا: ''یقیناً آپ کے پاس وسائل جنگ اور قوت و طاقت ہے، اور آپ حق پر ہیں، وہ باطل پر ہیں'' تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینوں میں پہلا شخص ہرگز نہیں ہوں گا جو آپ کی امت میں خونریزی پھیلائے''۔ ①

اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: ''آپ ان لوگوں سے قتال کریں، کیونکہ اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کے لئے ان سے قتال کرنا حلال کر دیا ہے'' تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں، اللہ کی قسم! میں ان سے کبھی قتال نہ کروں گا''۔ ②

اور ایک روایت میں ہے: اے امیر المؤمنین، بیشک ہم اس گھر میں آپ کے ساتھ ایک سوجھ بوجھ رکھنے والی جماعت ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے کم تعداد کے ذریعہ مدد فرمائے گا، اس لئے آپ ہمیں اجازت دیجئے! تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اُس شخص کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں میرے لئے جس کا خون بہایا جائے''۔ ③

---

① مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۶۹)، وتاریخ بغداد، از خطیب بغدادی (۱۴/ ۲۷۲)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۸۷-۳۸۸)، محب طبری نے اسے الریاض النضرۃ (۳/ ۷۰) میں ذکر کیا ہے، ومجمع الزوائد، از ہیثمی (۷/ ۲۲۹)، اور فرمایا ہے کہ: ''اسے امام احمد نے روایت کیا ہے، اس کے راویان ثقہ ہیں سوائے محمد بن عبدالملک بن مروان کے مجھے مغیرہ سے اس کا سماع نہیں مل سکا''۔

② الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰) اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۹-۴۰۰)، اس کی سند صحیح ہے اس کے راویان ثقہ ہیں امام بخاری ومسلم کے راویان ہیں۔

③ الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰) اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۰)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، اس کی سند صحیح ہے اس کے راویان ثقہ ہیں امام بخاری ومسلم کے راویان ہیں۔

پھر آپ نے انہیں گھر کا امیر مقرر کر دیا، اور فرمایا: جس پر میری اطاعت واجب ہے وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرے[1] روایتیں ہمارے سامنے یہ واضح نہیں کرتیں کہ اس امارت اور ذمہ داری میں کون کون سے اختیارات شامل تھے، اسی طرح ہم تک یہ بھی نقل نہیں کیا گیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عثمان غنی کے انہیں گھر کا امیر مقرر کرنے کے بعد کوئی حکم صادر کیا ہو، شاید جب عثمان رضی اللہ عنہ نے قتال نہ کرنے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی موافقت و اطاعت دیکھی تو اُنہیں اس بات کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپ دی اور اسی لئے لوگوں کو اُن کی اطاعت کا حکم دیا۔

اور جب معاملہ حد درجہ سنگین ہوگیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قتال کی بابت پہلی والی پیشکش اور عثمان رضی اللہ عنہ کے اس سے انکار کے اعتذار پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے انصاریوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے پر ابھارا اور ان سے کہا: ''اے جماعت انصار! اللہ کے مددگار بنو۔ (دو مرتبہ) یہ سن کر انصار عثمان رضی اللہ عنہ کے یہاں آئے اور آپ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے''۔

ان میں سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا: یہ انصار آپ کے دروازے پر کھڑے ہیں، اگر آپ چاہیں تو ہم اللہ کے مددگار ہیں (دو مرتبہ)[2] مگر آپ نے بدستور قتال سے انکار کیا اور فرمایا: مجھے اس کی کوئی

---

[1] الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰) اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۹-۴۰۰) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تک صحیح سند کے ساتھ۔

[2] تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳) قتادہ تک صحیح سند کے ساتھ، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۵)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۰-۴۰۱)، ابن سیرین تک صحیح سند کے ساتھ۔
ان دونوں روایتوں کی شاہد وہ روایت ہے جسے امام بخاری نے التاریخ الصغیر (۱/ ۱۰۱) میں ایسی سند سے ==

ضرورت نہیں، اس سے باز رہو۔ ①

اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! ہم اللہ کی مدد کریں گے (دو مرتبہ)، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تھی، ہم آپ کی بھی مدد کریں گے، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ②

حسن بن علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: میں اپنی تلوار سونتوں؟ انہوں نے کہا: نہیں، تب تو میں اللہ کی جانب آپ کے خون سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، آپ اپنی تلوار کو جہاں ہے وہیں رہنے دیں ③ اور لوٹ کر اپنے والد کے پاس چلے جائیں"۔ ④

دریں اثنا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں کرسی پر تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس حسن بن علی، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے، اور آپ کے سامنے پانی سے بھرے ٹب اور رنگے ہوئے کپڑے تھے، اتنے میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا قاصد داخل ہوتا ہے، اُنہیں زبیر رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچاتا ہے اور بتاتا ہے: کہ زبیر

== روایت کیا ہے جس میں ایک راوی مبہم ہے، اور ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۵/ ۲۲۷) میں بروایت حسن بصری ایسی سند سے روایت کیا ہے جو مدلس کے عنعنہ کے سبب ضعیف ہے۔

① یہ بات خلیفہ بن خیاط کی روایت میں قتادہ سے مروی ہے جو سابقہ حاشیہ میں گذر چکی ہے۔

② یہ بات حسن بصری کی روایت میں آئی ہے۔

③ اصل میں اسی طرح "ثم" کا لفظ ہے، اور ثم کے معنیٰ کسی چیز کی اصلاح کرنے اور پختہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ (لسان العرب، از ابن منظور ۱۲/ ۷۹)، لہٰذا شاید اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی تلوار کو اس کی جگہ لوٹا کر اچھی طرح بند کر دیں، کنایہ یہ ہے کہ قتال سے باز رہیں، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ثم کا لفظ "شم" سے تصحیف شدہ ہو، اور "شم" تلوار کو میان میں لوٹانے کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں بھی آیا ہے۔ دیکھئے: صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۴۲۹)۔

④ مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۲۴)، ایسی سند کے ساتھ جو بظاہر حسن ہے۔

رضی اللہ عنہ آپ سے کہہ رہے ہیں: یقیناً میں اپنی اطاعت پر قائم ہوں، نہ بدلا ہوں نہ بدعہدی کی ہے، لہٰذا اگر آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ گھر میں داخل ہوں اور قوم کا ایک فرد ہو جاؤں، اور اگر آپ چاہیں تو میں اپنے گھر میں ہی قیام کروں، کیونکہ بنوعمرو بن عوف نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ صبح میرے دروازے پر آئیں گے اور میں انہیں جیسا حکم دوں گا ویسا کریں گے۔

جب عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ خط سنا تو اللہ أکبر کہا اور اللہ کی حمد و ثنا کی، اور قاصد سے کہا کہ زبیر رضی اللہ عنہ کو سلام سنائے اور اُن سے کہے: اگر وہ گھر میں داخل ہوں گے تو قوم کے ایک فرد ہی ہوں گے مگر اُن کا اپنی جگہ پر رہنا مجھے زیادہ پسند ہے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ میرا دفاع فرمائے گا۔[1]

چنانچہ محاصرین سے قتال کرنے کی بابت صحابہ رضی اللہ عنہم کے عثمان رضی اللہ عنہ کو مدد کی پیشکش کرنے کے یہ دو طریقے تھے جنہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑی سختی سے ٹھکرا دیا باوجودیکہ اُنہیں مدد کی سخت حاجت تھی۔

اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ معاملہ کافی بڑھ چکا ہے اور پانی سر سے اوپر پہنچ گیا ہے[2] تو بعض صحابہ کرام نے عثمان رضی اللہ عنہم سے مشورہ کئے بغیر آپ کا دفاع کرنے کا

---

① تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۷۴) بطریق مصعب بن عبداللہ بسند حسن۔

② ''بلغ الماء الزبى أو الربى''، اسی طرح ''بلغ السيل الزبى أو الربى'' بھی مروی ہے (یعنی پانی اونچائی پر کھودے ہوئے گڑھے یا ٹیلے تک پہنچ گیا)۔ ''الزبیٰ'' زبیۃ الأسد کی جمع ہے، زبیۃ: اس گڑھے کو کہا جاتا ہے جسے اُس کا شکار کرنے کے لئے کسی اونچی جگہ پر کھودا جاتا ہے، مگر جب پانی وہاں تک پہنچ جائے تو ساری ترکیب کو ملیامیٹ کر دیتا ہے، اور الربیٰ: ربوۃ کی جمع ہے (یعنی اونچی جگہ، ٹیلہ)، جب برائی سنگین حد تک پہنچ جائے تو اس پر یہ مثل کہی جاتی ہے۔ (دیکھئے: المستقصی فی أمثال العرب، از زمخشری ۲/ ۱۴)۔

ارادہ کیا، چنانچہ کچھ صحابہ قتال کے لئے تیار ہو کر گھر میں داخل ہو گئے، مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر میں [1] اپنی تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے اور اپنی زرہ پہن کر داخل ہوئے تھے تاکہ اُن کا دفاع کرتے ہوئے محاصرین سے لڑیں، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن پر اللہ کی قسم کھالی کہ گھر سے نکل جائیں، اس ڈر سے کہ کہیں اُن لوگوں کے اندر داخل ہوتے وقت اُن کے ساتھ ابن عمر کی لڑائی نہ ہو جائے اور وہ قتل کر دیئے جائیں [2] جیسا کہ دوسری مرتبہ بھی انہوں نے زرہ پہن لی تھی۔ [3]

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار گردن میں لٹکالی اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گھر میں یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ: اے امیر المؤمنین ! مارنے کا بہترین وقت ہے [4] تو انہوں نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا تمہیں خوشی ہوگی کہ تم تمام لوگوں کو اور مجھے بھی قتل کر دو؟ فرمایا: نہیں، فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم ایک آدمی کو قتل کرو گے تو گویا تمام لوگ قتل کر دیئے جائیں گے! یہ سن کر وہ لوٹ گئے قتال نہیں کیا [5] اور ایک روایت میں ہے کہ

---

① تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۷-۳۹۸) بسند صحیح، جس کے راویان ثقہ ہیں امام بخاری ومسلم کے راویان ہیں۔

② تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۸) بسند صحیح، جس کے راویان ثقہ ہیں امام بخاری ومسلم کے راویان ہیں۔

③ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۸)، نیز انہوں نے دیگر طرق سے بھی روایت کیا ہے۔

④ یہاں ''امضرب'' میں میم لام کا بدل ہے، کیونکہ اس کی اصل ''الضرب'' ہے، یہ کچھ یمنیوں کی زبان ہے جو لام تعریف کو میم سے بدل دیتے ہیں۔ (التلخیص الحبیر، از حافظ ابن حجر ۲ / ۲۰۵)۔

⑤ الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۷۰)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۱-۴۰۲)، اس کی سند صحیح ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے تھے یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا۔ ①

عثمان رضی اللہ عنہ کے زبیر رضی اللہ عنہ کے خط کا جواب دینے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتلاؤں جسے میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟! لوگوں نے کہا: کیوں نہیں ضرور بتائیے، فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میرے بعد کچھ فتنے اور مسائل رونما ہوں گے، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان سے نجات کہاں ملے گی؟ فرمایا: امین اور اُن کے حامیان سے وابستہ ہو کر، اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔

یہ سن کر لوگ کھڑے ہوئے اور کہا: یقیناً ہمیں دلائل نے مضبوط کر دیا ہے، اس لئے ہمیں جہاد کی اجازت دیجئے، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس پر میری اطاعت واجب ہے میں اُسے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ قتال نہ کرے۔ ②

اسی طرح حسن، حسین، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور مروان سب ہتھیاروں سے لیس پوری تیاری کے ساتھ آگئے یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گئے۔

تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ واپس جاؤ، اپنے ہتھیار اتار دو اور اپنے گھروں کو لازم پکڑو ③، اور یہ کہہ کر ان کی تمام کوششوں کو ختم کر دیا

---

① تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۱)، اس میں قتادہ سدوسی کی تدلیس ہے، لیکن سابقہ حاشیہ میں محولہ روایت سے اسے تقویت مل جاتی ہے۔

② تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۷۴)، بطریق مصعب بن عبداللہ بسند حسن۔

③ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۴)، اور انہی کی سند سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۶)، ابن سیرین تک صحیح سند کے ساتھ، مگر وہ حادثہ کے وقت موجود نہ تھے۔

کہ: جو مانتا ہے کہ اُس پر میرا حکم سننا اور میری اطاعت کرنا واجب ہے میں اُسے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اپنا ہاتھ اور ہتھیار روکے رکھے[1]، کیونکہ میرے نزدیک تم میں بے نیازی کے اعتبار سے سب سے افضل وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور ہتھیار کو قابو میں رکھے، اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہو اور اُسے راضی فرمائے۔

اسی طرح ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا ایک خچر پر سوار ہو کر آئیں جسے ان کا غلام کنانہ چلا رہا تھا، تاکہ عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کریں، مگر راستے میں اُن سے اشتر کی ملاقات ہوئی، تو اُس نے اُن کے خچر کے منہ پر مارا جس سے وہ چکرا گیا، تو صفیہ نے فرمایا: مجھے یہاں سے واپس لے چلو تاکہ یہ کتا مجھے رسوا نہ کر سکے۔[2]

سلیط بن سلیط کہتے ہیں: کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیں محاصرین سے قتال کرنے سے منع کر دیا تھا، اگر وہ ہمیں اجازت دیتے تو ہم انہیں ایسی مار مارتے کہ اُنہیں گھر کے گوشے گوشے سے چُن چُن کر نکال بھگاتے۔[3]

ابن ابو ملیکہ فرماتے ہیں: کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر میں عقلمند اور سوجھ بوجھ رکھنے والوں کی ایک جماعت تھی، ان میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔[4]

---

① تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۴)، الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰)، والمحن، از ابو عرب (۶۹-۷۰)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۲-۴۰۳)، اس کی سند صحیح ہے۔

② التاریخ الصغیر، از بخاری (۷/ ۲۲۷)، ومسند علی بن الجعد (۲/ ۹۵۹)، والطبقات، از ابن سعد (۸/ ۱۲۸)، اس کی سند صحیح ہے۔

③ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳) بطریق محمد بن سیرین عن سلیط بن سلیط، اس میں ایسا راوی ہے جس کی امام ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

④ الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۰)، بطریق ابن سعد، اور ان کی سند صحیح ہے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں: کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر میں سات سو لوگ تھے، اگر وہ انہیں چھوڑ دیتے تو وہ ان شاء اللہ انہیں ایسی مار مارتے کہ انہیں گھر کے گوشے گوشے سے نکال بھگاتے؛ ان میں عبداللہ بن عمر، حسن بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔ [1]

نیز فرماتے ہیں: یقیناً جس دن عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے اُس دن اُن کا گھر حامیان سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے، اسی طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے جن کی گردن میں تلوار لٹکی ہوئی تھی، مگر عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن پر قسم کھالی تھی کہ وہ قتال نہیں کریں گے۔ [2]

اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر لوگ انہیں اپنی چادروں سے بچانا چاہتے تو بچا لیتے۔ [3]

مگر انہوں نے خلیفۂ وقت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے محاصرین کے ساتھ مزاحمت سے گریز کیا، جنہوں نے انہیں اپنے ہاتھ روکنے کا حکم دیا تھا، جیسا کہ بات گزر چکی ہے۔

اس سے اس جھوٹے اتہام کا پردہ فاش ہو جاتا ہے جو مہاجرین و انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

---

① الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۱)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۰)، اس کی سند محمد بن سیرین تک صحیح ہے، مگر وہ حادثہ کے وقت موجود نہ تھے۔

تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳) کی روایت بطریق محمد بن سیرین عن سلیط بن سلیط اس کی شاہد ہے مگر اس میں ایسا راوی ہے جس کی امام ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

② تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۵) بطریق دارقطنی، اس میں سے کچھ باتیں صحیح سندوں سے آئی ہیں جن کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

③ مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۲۷)، اس میں ابوعبیدہ الناجی نامی راوی ضعیف ہے۔

پر لگایا گیا ہے کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے میں کوتاہی اور سستی سے کام لیا۔

اس بارے جو بھی چیزیں مروی ہیں اگر اس میں بیک وقت سند و متن دونوں میں قادح علتیں نہ ہوں تو کم از کم کوئی بھی چیز علت سے محفوظ نہیں ہے۔

اور جب بعض صحابہ نے دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ محاصرین سے قتال کرنے سے انکار پر مصر ہیں اور محاصرین انہیں قتل کرنے پر مصر ہیں، تو انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے تحفظ کے لئے اس کے سوا کوئی حیلہ نہ ملا کہ ان کے سامنے محاصرین سے بچنے کے لئے مکہ نکل جانے میں مدد کرنے کی پیشکش کریں۔

چنانچہ مروی ہے کہ عبداللہ بن زبیر [1] مغیرہ بن شعبہ [2] اور اسامہ بن زید [3] رضی اللہ عنہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی، اور ان کی پیشکش تنہا تنہا تھی، یعنی ان میں سے ہر ایک نے الگ الگ یہ تجویز ان کے سامنے رکھی تھی، مگر عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام تجویزوں کو ٹھکراتے رہے۔

اس بارے میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا، ناموں کی تعیین نہیں ہے۔ [4]

ذرا غور کریں کہ آخر کیا سبب تھا جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ ٹھوس موقف اختیار کرنے پر مجبور کیا، باوجودیکہ انہیں اپنی مدد اور محاصرین سے قتال کرنے کی ضرورت تھی؟!

---

[1] مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۶۰-۳۶۱)، اس سند میں انقطاع ہے۔

[2] مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۶۹)، اور انہی کی سند سے تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۸۷-۳۸۸)، اس سند میں بھی انقطاع ہے۔

[3] تاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۱۱-۴۱۲)، اس میں ایک راوی ضعیف اور دو مجہول ہیں۔

[4] یعنی سابقہ تینوں حاشیوں میں گزری ہوئی روایات کے مجموعہ سے۔

جب ہم یہ سوال فتنہ سے متعلقہ روایات کے سامنے پیش کرتے ہیں تو ہمیں اس کے پانچ اسباب ملتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلا سبب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر عمل جو آپ نے انہیں رازدارانہ فرمائی تھی، عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسے ایام حصار میں بیان کیا تھا اور یہ بتلایا تھا کہ یہ ایک عہد و پیمان ہے جو آپ سے کیا گیا ہے اور آپ خود کو اس پر جمائے ہوئے ہیں۔ [①]

دوسرا سبب: ان کی وہ بات جو انہوں نے کہی تھی کہ: ''میں امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا جانشین ہرگز نہ ہوں گا جو خونریزی پھیلائے''۔

یعنی آپ نے ناپسند کیا کہ امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں میں پہلے شخص ہوں جو مسلمانوں میں خونریزی پھیلائے اور آپس میں قتال کرائے۔ [②]

---

① اس سلسلہ میں آئی ہوئی درج ذیل صحیح حدیث ملاحظہ فرمائیں جسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے:

''عَنْ أَبِي سَهْلَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: ... دَعَا النَّبِيُّ ﷺ عُثْمَانَ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: "تَنَحَّيْ". فَجَعَلَ يُسَارُّهُ، وَلَوْنُ عُثْمَانَ يَتَغَيَّرُ، فَلَمَّا جَاءَهُ يَوْمُ الدَّارِ وَحُصِرَ فِيهَا عُثْمَانُ، قُلْنَا:- أي أَبُو سَهْلَةَ - يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَلَا تُقَاتِلُ؟ قَالَ: لَا، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَهِدَ إِلَيَّ عَهْدًا، وَإِنِّي صَابِرٌ نَفْسِي عَلَيْهِ''.(اس کے راویان شیخین کے راویان ہیں سوائے ابوسہلہ کے، وہ بھی ثقہ ہے)

ابوسہلہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ...نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا، وہ تشریف لائے تو (مجھ سے) فرمایا: ذرا کنارے ہو جاؤ۔ پھر ان سے سرگوشی کرنے لگے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا، پھر جب گھر میں ان کا محاصرہ کیا گیا تو ہم (یعنی ابوسہلہ) نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ ان سے لڑائی کیوں نہیں کرتے! فرمایا: نہیں، دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک عہد و پیمان دیا تھا میں اپنے آپ کو اس پر قائم رکھوں گا۔

② مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۱۹۶)، وتاریخ بغداد، از خطیب بغدادی (۱۴/ ۲۷۲)، وتاریخ دمشق از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۸۷-۳۸۸)، اسے محب طبری نے الریاض النضرۃ (۳/ ۷۰) میں ذکر کیا ہے، ومجمع الزوائد، از ہیثمی (۷/ ۳۲۹)، اور فرماتے ہیں: اسے امام احمد نے روایت کیا ہے، اس کے راویان ثقہ ہیں سوائے محمد بن عبدالملک بن مروان کے مجھے مغیرہ سے اس کا سماع نہیں مل سکا''۔

تیسرا سبب: انہیں علم تھا کہ باغیان کا مطلوب و مقصود خود وہی ہیں، لہٰذا انہوں نے مومنوں کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرنا ناپسند کیا اور اپنے ذریعہ انہیں بچانا پسند کیا۔ [1]

چوتھا سبب: انہیں اس بات کا علم تھا کہ یہ فتنہ اُن کی شہادت سے ختم ہو جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس وقت اس کی پیشین گوئی کی تھی جب انہیں ایک مصیبت سے دو چار ہونے کے بعد جنت کی خوشخبری سنائی تھی، نیز یہ کہ وہ حق پر ڈٹے رہ کر حق دینے والے ہو کر ایک فتنہ میں شہید کئے جائیں گے [2] اور حالات بتا رہے تھے کہ اس کا وقت قریب آچکا ہے، اور اسے اس خواب نے مزید یقینی بنا دیا تھا جو اُنہوں نے شہادت کی شب میں دیکھا تھا، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ان سے کہہ رہے ہیں: ''کل ہمارے ساتھ افطار کرو'' اس سے عثمان رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ شہادت کا وقت قریب آچکا ہے۔

پانچواں سبب: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل، کہ انہوں نے کہا تھا:

''اُن سے لڑنے سے باز رہیں گریز کریں، کیونکہ یہ آپ کے حق میں زیادہ ٹھوس حجت ہوگی''۔ [3]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کی باگ ڈور سنبھالیں گے پھر شہید کئے جائیں گے درانحالیکہ وہ حق پر ڈٹے ہوں گے قتل (شہادت) کے لئے راضی ہوں گے۔

---

(۱) کتاب المحتضرین، از ابن ابی الدنیا (ق ۱۲ ب)، (جیسا کہ تاریخ دمشق، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۵) کے حاشیہ میں ہے)، ایسی سند سے جس میں بشار ہے جو ضعیف ہے۔ بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے، نیز اس میں یونس ہے اور زہری سے اس کی روایت میں معمولی وہم ہے۔

(۲) اس سلسلہ میں آئی ہوئی صحیح احادیث کا ذکر تمہید میں گزر چکا ہے۔

(۳) یہ معلومات چار روایات میں آئی ہیں جو ایک دوسرے کو قوت پہنچاتی ہیں، اس بارے میں اشارہ گزر چکا ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مَنْ نَجَا مِنْ ثَلَاثٍ، فَقَدْ نَجَا - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ -: مَوْتِي، وَالدَّجَّالُ، وَقَتْلُ خَلِيفَةٍ مُصْطَبِرٍ بِالْحَقِّ مُعْطِيهِ"۔ [1]

جو تین چیزوں سے نجات پا گیا حقیقت میں وہ نجات پا گیا- تین مرتبہ-: میری موت، دجال، اور حق پر ڈٹے رہنے والے خلیفہ کا قتل جو حق دینے والا ہوگا۔

اور ایام حصار میں عثمان رضی اللہ عنہ کے مواقف سے غور و فکر میں اُن کا پر سکون ہونا نمایاں ہوجاتا ہے، نیز یہ کہ مصیبت کی شدت ان کے اور ان کی صحیح سوچ اور درست رائے دہی کے درمیان حائل نہ ہوئی، چنانچہ باغیان سے قتال کے تئیں اس صلح جویانہ موقف کی تحدید کے بھرپور اسباب فراہم تھے۔

اور اس میں شک نہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اختیار کردہ مواقف میں حق بجانب تھے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اس فتنہ کے رونما ہونے کا اشارہ کیا تھا اور اس میں عثمان رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کے حق پر ہونے کی شہادت دی تھی۔ [2]

البتہ جو یہ مروی ہے کہ اُنہوں نے نیزہ لیا تو آسمان سے آواز آئی کہ: اے عثمان ٹھہر جاؤ، تو انہوں نے اُسے پھینک دیا۔ اس کی سند ضعیف ہے قابل حجت نہیں ہے۔ [3]

---

① اسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے (حدیث: ۱۶۹۷۳، ۱۷۰۰۳، ۱۷۰۰۶، و ۲۰۳۵۵)، اس کی سند میں کوئی مسئلہ نہیں، اسی طرح ابن عساکر نے تاریخ دمشق سیرت عثمان میں روایت کیا ہے (۲۸۹)۔

② اس بارے میں وارد صحیح احادیث تمہید میں ملاحظہ فرمائیں۔

③ اسے ابو عرب نے المحن (۶۳) میں منقطع سند سے روایت کیا ہے۔

خامساً: ایام محاصرہ میں قتال:

عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے دفاع کرنے والوں کو محاصرین سے قتال کرنے سے روکنے کی ان کوششوں کے باوجود بعض روایتیں اشارہ کرتی ہیں کہ کچھ معمولی جھڑپ اور کشاکش پیش آئی جس کے نتیجہ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو محاصرہ کے دوران زخمی حالت میں اٹھا کر لے جانا پڑا۔ [1]

اور بعض ضعیف [2] اور کچھ بے انتہا ضعیف روایتیں [3] اس بارے میں تفصیل کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ سخت لڑائی ہوئی تھی، لیکن ان کی سندیں ضعیف ہونے کے سبب قابل حجت نہیں ہیں۔

البتہ ایک صحیح روایت میں ہے کہ جس دن عثمان شہید کئے گئے اس دن چار قریشی نوجوانوں کو خون میں لت پت حالت میں گھر سے اٹھایا گیا جو باغیان سے عثمان کا دفاع کر رہے تھے، وہ یہ ہیں: حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر، محمد بن حاطب اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہم ورحمہم۔ [4]

---

(1) التاریخ الکبیر، از امام بخاری (۷/۷/۲۳)، ومسند علی بن الجعد (۲/۹۵۹)، والطبقات از ابن سعد (۸/۱۲۸)، اس کی سند حسن ہے۔

(2) تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/۳۸۱)، اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبدالرحمن بن شریک ہے جو صدوق ہے غلطیاں کرتا ہے، اور شریک بھی اسی جیسا ہے اس کی غلطیاں زیادہ ہیں اور اس کا حافظہ بدل گیا تھا، اور محمد بن اسحاق مدلس ہے اور ان سے عن سے روایت کیا ہے، اور حارث بن ابوبکر کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

(3) یہ بات واقدی کی ایک روایت میں آئی ہے اسے اس سے طبری نے روایت کیا ہے، تاریخ الأمم والملوک (۴/۳۷۹-۳۸۰)، واقدی متروک ہے جبکہ سند کے بقیہ راویان مجہول ہیں، اور (۴/۳۹۴) میں بھی واقدی کے طریق سے مروی ہے، اس میں بھی ایک راوی ضعیف ہے، لہٰذا واقدی کے سبب دونوں سندیں بے انتہا ضعیف ہیں۔

(4) الاستیعاب، از ابن عبدالبر (۳/۷۸، مع الاصابہ) بسند حسن۔

سادساً: محاصرہ کا آخری دن اور خواب:

محاصرہ کے آخری دن یعنی جس دن عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیئے گئے- آپ سوئے [1] اور صبح اٹھ کر لوگوں سے بیان کرنے لگے [2] : یہ لوگ مجھے ضرور قتل کریں گے۔ [3]
پھر فرمایا: میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا [4] آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر رضی اللہ

---

① تلخیص المتشابہ، از خطیب بغدادی (۱/۹۶)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق، از امام ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۵) بروایت نعمان بن بشیر عن نائلہ بنت فرافصہ زوجۂ عثمان رضی اللہ عنہم، اس کی سند میں دو راوی مجہول ہیں، البتہ ابن سعد، ابو یعلیٰ اور ابن عساکر وغیرہم کے یہاں اس کے کچھ شواہد ہیں جن سے حسن لغیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔

② المقصد العلی، از بو یعلیٰ (ق ۱۶۴ا)، وکشف الأستار، از بزار (۳/۱۸۱)، وشرح اصول اعتقاد أھل السنۃ، از لالکائی (ق ۲۵۷ب)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۱)، سب نے بطریق نافع مولیٰ ابن عمر، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، سند میں ابو جعفر رازی نامی راوی ہے، جس کا حافظہ خراب تھا۔
والطبقات، از ابن سعد (۳/۷۴-۷۵)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ، بطریق یعلیٰ بن حکیم عن نافع عثمان رضی اللہ عنہ، اس کی سند نافع تک صحیح ہے مگر نافع کی عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے لہٰذا سند منقطع ہے، البتہ مسند احمد، ابن سعد اور ابن عساکر وغیرہم کے یہاں اس کے دیگر بہت زیادہ شواہد ہیں۔

③ مسند عبد اللہ بن احمد بتحقیق احمد شاکر (۲/۷)، امام ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد (۷/۲۳۲) میں بروایت ام ہلال بنت وکیع عن نائلہ بنت فرافصہ زوجۂ عثمان رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے، اور فرمایا ہے: ''اس میں ایسے راویان ہیں جنہیں میں نہیں جانتا'' اور علامہ احمد شاکر کہتے ہیں: ''اس میں نظر ہے'' نیز اسے زیاد اور ام ہلال کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے، میں کہتا ہوں: زیاد ضعیف ہے اور ام ہلال مجہول ہے لہٰذا ان دونوں کی وجہ سے روایت ضعیف ہے۔
والتاریخ الکبیر، از امام بخاری (۱/۲۶۲)، ومسند خلیفہ بن خیاط، جمع ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری (۴۶) بروایت عبد اللہ بن سلام، اس سند میں شعیب بن صفوان اور محمد بن یوسف ہیں، حافظ ابن حجر نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ''مقبول'' کہا ہے۔

④ مسند عبد اللہ بن احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/۳۸۸-۳۸۹)، اور انہی کے طریق سے ابن الأثیر نے أسد الغابۃ (۳/۴۹۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۳)، والمقصد العلی، از بو یعلیٰ (ق ۱۶۴ا)، والمحن، از ابو عرب (۶۴)، اور محب الطبری نے اسے الریاض النضرۃ (۳/۶۷-۶۸) میں اور امام ہیثمی نے ==

عنہما بھی تھے [1]، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمان ہمارے ساتھ افطار کرو [2]۔

== مجمع الزوائد (۷/ ۲۳۲) میں ذکر کیا ہے، سب نے بروایت مسلم ابوسعید مولیٰ عثمان بن عفان عن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، اس کے بارے امام ہیثمی کہتے ہیں: اس کے راویان ثقہ ہیں، میں کہتا ہوں: مسلم کی امام ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

والتاریخ الکبیر، از بخاری (۱/ ۲۶۲)، ومسند خلیفہ بن خیاط، جمع ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری (۴۶) بروایت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، اس سند میں شعیب بن صفوان اور محمد بن یوسف ہیں، حافظ ابن حجر نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ''مقبول'' کہا ہے۔

(۱) مسند عبد اللہ بن احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۸۸-۳۸۹)، اور انہی کے طریق سے ابن الأثیر نے أسد الغابۃ (۳/ ۴۹۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۳)، والمقصد العلی، از بویعلیٰ (ق ۱۶۴أ)، والمحن، از ابوعرب (۶۴)، اور محب الطبری نے اسے الریاض النضرۃ (۳/ ۶۷-۶۸) میں اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷/ ۲۳۲) میں ذکر کیا ہے، سب نے بروایت مسلم ابوسعید مولیٰ عثمان بن عفان عن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، امام ہیثمی اس کے راویان کے بارے میں کہتے ہیں: ثقہ ہیں، میں کہتا ہوں: مسلم کی امام ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

والتاریخ الکبیر، از بخاری (۱/ ۲۶۲)، ومسند خلیفہ بن خیاط، جمع ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری (۴۶) بروایت عبداللہ بن سلام عن کثیر بن الصلت، اس سند میں شعیب بن صفوان اور محمد بن یوسف ہیں، حافظ ابن حجر نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ''مقبول'' کہا ہے۔

(۲) الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۵)، والمقصد العلی، از بویعلیٰ (ق ۱۶۳أ-ق ۱۶۴أ)، وکشف الأستار، از بزار (۳/ ۱۸۱)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۰)، امام ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد (۷/ ۲۳۲) میں ذکر کیا ہے؛ سب سے بروایت ابوعلقمہ مولیٰ عبد الرحمن بن عوف عن کثیر بن الصلت نقل کیا ہے، امام ہیثمی فرماتے ہیں: میں ابوعلقمہ کو نہیں جانتا البتہ اس کے بقیہ راویان ثقہ ہیں، میں کہتا ہوں: ان کی بات بالکل درست ہے، مجھے بھی اس کی سیرت نہیں مل سکی، البتہ بقیہ راویان ثقہ ہیں، ان دونوں سندوں سے یہ خبر حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

والمقصد العلی، از بویعلیٰ (ق ۱۶۴أ)، اور انہی کے طریق سے تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۰)، وکشف الأستار، از بزار (۳/ ۱۸۱)، وشرح اصول اعتقاد أھل السنۃ، از لالکائی (ق ۷۵ ب)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۱)، سب نے بطریق نافع مولیٰ ابن عمر، عن ابن عمر نقل کیا ہے، اس سند میں ابوجعفر رازی نامی راوی ہے، جو صدوق بدحافظہ تھا۔ والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۴-۷۵)، وتاریخ دمشق، ==

چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے (دوسرے دن) صبح روزہ رکھا[1] اور اُسی دن شہید کر دیئے گئے۔[2]

اور خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار برحق ہے کیونکہ شیطان آپ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا، جیسا کہ صحیحین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

”مَنْ رَآنِي فِي المَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَمَثَّلُ بِي“۔[3]

جس نے مجھے میں خواب دیکھا اُس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔

== از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ، بطریق یعلیٰ بن حکیم عن نافع عثمان رضی اللہ عنہ، اس کی سند نافع تک صحیح ہے مگر نافع کی عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے لہٰذا سند منقطع ہے۔ والتاریخ الکبیر، از بخاری (۱/ ۲۶۲)، ومسند خلیفہ بن خیاط، جمع ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری (۴۶) بروایت عبداللہ بن سلام عن کثیر بن الصلت، اس سند میں شعیب بن صفوان اور محمد بن یوسف ہیں، حافظ ابن حجر نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ”مقبول“ کہا ہے۔

① الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۵)، والمقصد العلی، از بویعلیٰ (ق ۱۶۳أ- ق ۱۶۴أ)، وکشف الأستار، از بزار (۳/ ۱۸۱)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۰)، امام ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد (۷/ ۲۳۲) میں ذکر کیا ہے؛ سب نے بروایت ابوعلقمہ مولیٰ عبدالرحمن بن عوف عن کثیر بن الصلت نقل کیا ہے، امام ہیثمی فرماتے ہیں: میں ابوعلقمہ کو نہیں جانتا البتہ اس کے بقیہ راویان ثقہ ہیں، میں کہتا ہوں: ان کی بات بالکل درست ہے، مجھے بھی اس کی سیرت نہیں مل سکی، البتہ بقیہ راویان ثقہ ہیں۔

② مسند عبداللہ بن احمد بتحقیق احمد شاکر (۱/ ۳۸۸-۳۸۹)، اور انھی کے طریق سے ابن الأثیر نے أسد الغابۃ (۳/ ۴۹۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۳)، والمقصد العلی، از بویعلیٰ (ق ۱۶۴أ)، والمحن، از ابوعرب (۶۴)، اور محب الطبری نے اسے الریاض النضرۃ (۳/ ۶۷-۶۸) میں اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷/ ۲۳۲) میں ذکر کیا ہے، سب نے بروایت مسلم ابوسعید مولیٰ عثمان بن عفان عن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، امام ہیثمی کہتے ہیں: اس کے راویان ثقہ ہیں، میں کہتا ہوں: مسلم کی امام ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

③ صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۲/ ۳۸۳)، بروایت انس رضی اللہ عنہ، وصحیح مسلم بشرح نووی (۱۵/ ۲۴) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

نیز فرمایا:

”وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَرَاءَى بِي“۔ [1]

اور شیطان میری شکل میں دکھائی نہیں دے سکتا۔

نیز فرمایا:

”مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الحَقَّ [2] فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَكَوَّنُنِي“۔ [3]

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے حق دیکھا، کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔

ایک روایت میں فرمایا:

”مَنْ رَآنِي فِي النَّوْمِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّهُ لا يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَشَبَّهَ بِي“۔ [4]

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔

جو صورت اختیار کرنے اور اپنانے کی شیطان کو استطاعت نہیں ہے وہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حقیقی صورت ہے جو آپ کی زندگی میں تھی۔ [5]

لہٰذا جو کسی شخص کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے دیکھے اُسے چاہئے کہ دیکھی

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۲/ ۳۸۳) بروایت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ۔

② صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۲/ ۳۸۳)، وصحیح مسلم بشرح نووی (۱۵/ ۲۶)، بروایت ابوقتادہ وابوسعید خدری رضی اللہ عنہما۔

③ صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۲/ ۳۸۳) بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔

④ صحیح مسلم بشرح نووی (۱۵/ ۲۶)، بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

⑤ فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۱۲/ ۳۸۶)۔

ہوئی صورت کو نبی کریم ﷺ کی حقیقی صورت سے ملائے، اگر حقیقی صورت دیکھا ہو تو اُس سے ملائے ورنہ صحیح حدیثوں میں نبی کریم ﷺ کی جو صفت آئی ہے اُس سے تطبیق دے۔ ①

اسی لئے امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بشرطیکہ آپ کو حقیقی صورت میں دیکھا ہو“۔ ②

اس سے واضح ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں حقیقت میں دیکھا تھا، آپ ﷺ کی شکل میں شیطان کو نہیں دیکھا تھا؛ کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی شکل وصورت پہچانتے تھے، جسے اختیار کرنے کی شیطان کو طاقت نہ تھی۔

اسی طرح اس خواب میں نبی کریم ﷺ کی جانب سے عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی دوسری بشارت تھی نیز یہ کہ جنت میں آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔

نیز اس خواب میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی تغیر وتبدیلی واقع نہیں ہوئی، بلکہ آپ تادم حیات حق پر قائم ودائم رہے، نہ کہ جیسا آپ کے باطل پرست دشمنان کا خیال ہے۔

❀❀❀❀❀

① صحیح مسلم بشرح نووی (۱۵/ ۲۵)، وفتح الباری، از حافظ ابن حجر (۱۲/ ۳۸۴)۔

② امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں تعلیقاً نقل فرمایا ہے، صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۲/ ۳۸۳)، عنقریب ابن سیرین سے اس کے کئی شواہد آئیں گے۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور آپ کا قاتل

اولاً: عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت:

محاصرہ ۱۲/ ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ جمعہ کی صبح تک جاری رہا۔ (۱)

اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے، آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر لوگوں کی ایک بہت (۲) بڑی تعداد (۳) موجود تھی جو آپ کا دفاع اور محاصرین کے ظلم وستم سے آپ کی حفاظت کرنا چاہتے تھے: ان میں حسن بن علی (۴) ....

---

(۱) اگلے مبحث میں تعیین کے ساتھ ان کے قتل کی تاریخ کا ذکر آئے گا۔

(۲) تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، بروایت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، بسند صحیح۔

(۳) تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، بطریق ابن سیرین عن سلیط بن سلیط، اور اس سلیط کی امام ابن حبان کے سوا کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۱)، بطریق ابن سیرین سلیط کے ذکر کے بغیر، اس کے سبب سند منقطع ہو جائے گی کیونکہ ابن سیرین حادثہ کے وقت موجود نہ تھے۔

وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، بروایت عبداللہ بن زبیر، بسند صحیح، دیکھئے: ضمیمہ روایت نمبر (۱۱)۔ ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۲۷) بروایت حسن بصری، اس کی سند میں ابوعبیدہ نامی راوی ہے جسے کئی محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا روایت حسن لغیرہ ہے۔

(۴) الاستیعاب، از ابن عبدالبر (۳/ ۷۸ مع الاصابۃ) بروایت کنانہ مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہا، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۵) بسند حسن۔ وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳) بطریق ابن سیرین عن سلیط بن سلیط، اور سلیط کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔ وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۶) بروایت نافع۔

عبداللہ بن عمر ①، عبداللہ بن زبیر ②، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم ③ اسی طرح محمد بن حاطب، ومروان بن حکم ④، کثیر بن الصلت ⑤، ....

---

① سنن سعید بن منصور (۲/ ۳۳۶)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۴)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، والمحن از ابو عرب (۶۹-۷۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۲-۴۰۳)، سب نے بطریق عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۱)، بطریق ابن سیرین سلیط کے ذکر کے بغیر، اس کے سبب سند منقطع ہو جائے گی کیونکہ ابن سیرین حادثہ کے وقت موجود نہ تھے۔

وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۶) بروایت نافع۔

وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۷-۳۹۸) بسند حسن۔

② الاستیعاب، از ابن عبد البر (۳/ ۷۸ مع الاصابۃ)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۵) بروایت کنانہ مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہا بسند حسن۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۱)، بطریق ابن سیرین سلیط کے ذکر کے بغیر، اس کے سبب سند منقطع ہو جائے گی کیونکہ ابن سیرین حادثہ کے وقت موجود نہ تھے۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰)، ومصنف ابن ابی شیبہ، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۹-۴۰۰) بسند صحیح۔

③ سنن سعید بن منصور (۲/ ۳۳۶)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۴)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، والمحن از ابو عرب (۶۹-۷۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۲-۴۰۳)، سب نے بطریق عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

④ الاستیعاب، از ابن عبد البر (۳/ ۷۸ مع الاصابۃ)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۵) بروایت کنانہ مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہا بسند حسن۔ والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۱)، بطریق ابن سیرین سلیط کے ذکر کے بغیر، اس کے سبب سند منقطع ہو جائے گی کیونکہ ابن سیرین حادثہ کے وقت موجود نہ تھے۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰)، ومصنف ابن ابی شیبہ، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۹-۴۰۰) بسند صحیح۔

⑤ الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۵)، وکشف الأستار، از بزار (۳/ ۱۸۱)، والمقصد العلی، از ابو یعلیٰ (ق ۱۶۳ أ ==

ونائلہ بنت فرافصہ (۱)، صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام کنانہ (۲) اور قبیلۂ بنو عدی بن سراقہ اور ابن مطیع کے کچھ لوگ شامل ہیں (۳)۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ انہیں نکلنے کا حکم دے رہے تھے اور انہیں اپنا دفاع کرنے سے منع کر رہے تھے، جبکہ وہ اس بات پر مصر تھے؛ جیسا کہ پہلے بات گزر چکی ہے۔

بالآخر عثمان غنی رضی اللہ عنہ انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئے لہٰذا تمام لوگ گھر سے

== -ق ۱۶۴ا)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۰)، سب نے بروایت ابوعلقمہ عن کثیر بن الصلت نقل کیا ہے، اور ابوعلقمہ کے مجہول ہونے کے سبب اس کی سند ضعیف ہے۔

والمحن، از ابوعرب (۶۷) بطریق عوانہ بن حکم، کہا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ کثیر بن الصلت، یہ سند عوان کے شیخ کے مبہم ہونے کے سبب ضعیف ہے۔

وکشف الأستار، از بزار (۳/ ۱۸۰-۱۸۱)، وشرح اصول اعتقاد أھل السنۃ، از لالکائی (ج ۳/ ق ۲۵۷ ب)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان (۳۹۱)، سب نے بطریق عبدالملک بن عمیر، عن کثیر بن الصلت نقل کیا ہے، اس کی سند اسماعیل بن ابراہیم کے سبب ضعیف ہے۔ لیکن ان طرق کے مجموعے سے یہ خبر حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

(۱) الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۶)، والمحن از ابوعرب (۴۴)، والحلیۃ، از ابونعیم (۱/ ۵۷)، والریاض النضرۃ، از محب الطبری (۳/ ۴۲)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۲۸) ابن سیرین تک صحیح سند سے مگر ابن سیرین شہادت عثمان کے وقت موجود نہ تھے۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۶)، والحلیۃ، از ابونعیم (۱/ ۵۷)، انس بن سیرین تک صحیح سند سے، مگر انس بن سیرین شہادت عثمان کے وقت موجود نہ تھے۔

(۲) الاستیعاب، از ابن عبدالبر (۳/ ۷۸ مع الاصابۃ)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۵) بروایت کنانہ مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہا بسند حسن۔ ومسند علی بن الجعد (۲/ ۹۵۸-۹۵۹)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۸۳-۸۴)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۱۷-۴۱۸) اس کی سند حسن ہے۔

(۳) سنن سعید بن منصور (۲/ ۳۳۹)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۴)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۳)، والمحن از ابو عرب (۶۹-۷۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۲-۴۰۳)، سب نے بطریق عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

باہر نکل گئے اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور محاصرین کے درمیان رکاوٹ ختم ہوگئی، اور اب گھر میں عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل خانہ کے سوا کوئی باقی نہ بچا[1] نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ اور محاصرین کے درمیان کوئی دفاع کرنے والا اور لوگوں سے آپ کی حمایت کرنے والا باقی رہا، اور گھر کا دروازہ کھول دیا گیا۔[2]

اب ذرا سوچیں کہ کیا باغیان اپنے خلیفہ سے ڈر کر اُنہیں ایذا پہنچانے سے باز رہتے، اور صورتحال کی ہولناکی وسنگینی کے سبب سارا کینہ اور کدورتیں ختم ہوجاتیں، یا پھر وہ ایسے لوگ تھے جو اپنی غیرت میں سچے مگر جادۂ حق وصواب سے بھٹکے ہوئے تھے اُنہیں قتل کرنا ایک دینی فریضہ سمجھتے تھے؟ لہٰذا اُنہیں بحسن وخوبی قتل کرنے والے تھے، ہم اس کی وضاحت اُن صحیح روایات کے سپرد کرتے ہیں جو ہمارے سامنے ان باغیوں کی حقیقت، خلیفہ کے پاس اُن کی آمد کی کیفیت اور اُن کے ساتھ اُنھوں نے جو کچھ کیا اُس کی حقیقت آشکارا کریں گی۔

تاکہ یہ روایتیں ہمیں اس فیصلہ کن گھڑی کے حوادث بیان کریں جن کا ذکر اُن کے وقوع پذیر ہونے سے لیکر آج تک گزشتہ سارے ادوار یعنی تقریباً چودہ صدیوں سے نہیں مٹایا جاسکا۔

جب گھر میں موجود لوگ جو عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنا چاہتے تھے باہر نکل گئے تو آپ

---

① الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۷۰)، ومصنف ابن ابی شیبہ، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۹-۴۰۰) بروایت عبداللہ بن زبیر، بسند صحیح۔

② الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۷۰-۷۵)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۸۹-۳۹۱) بروایت نافع مولیٰ ابن عمر، مگر نافع کی عثمان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔

وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۴)، بروایت سعید بن مولیٰ ابو اسید، اس سند میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، والطبقات، از ابن سعد (۳ / ٦٦)۔

نے اپنے سامنے قرآن کھولا اور اس کی تلاوت کرنے لگے۔ [1]

اس وقت آپ روزے سے تھے [2]، اتنے میں محاصرین میں سے ایک شخص جس کا نام روایات میں ذکر نہیں ہے آپ کے پاس آیا، جب آپ نے اُسے دیکھا تو اس سے کہا: ''میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے'' [3]، تو اس نے آپ کو چھوڑ دیا اور باہر نکل گیا [4]، اس کے جاتے ہی دوسرا شخص اندر داخل ہوا، یہ قبیلہ بنو سدوس کا آدمی تھا جسے سیاہ موت کہا جاتا تھا؛ اُس نے تلوار سے مارنے سے پہلے کئی بار آپ کا گلا گھونٹا، پھر کہا: اللہ کی قسم! میں نے اُن کی گلے سے زیادہ نرم کوئی چیز نہ دیکھی، یقیناً میں نے اُن کا گلا گھونٹا تو ان کی سانس کو ایسے دیکھا جیسے کسی جن کی سانس ہو جو ان کے جسم میں سرایت کر گئی ہو!! [5]

---

① الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۰-۷۵)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۸۹-۳۹۱) بروایت نافع مولیٰ ابن عمر، مگر نافع کی عثمان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔

وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۴)، بروایت سعید بن مولیٰ ابو اسید، اس سند میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۶۶)۔

② کشف الأستار، از بزار (۳/ ۱۸۱)، والمقصد العلی، از بویعلی (ق ۱۶۴ا)، وشرح اصول اعتقاد أھل السنۃ، از لالکائی (ق ۲۵۷ ب)، والحلیۃ، از ابونعیم جیسا کہ تاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۱) میں ہے، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۰) بروایت نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، اس سند میں ابوجعفر رازی نامی راوی ہے، جو صدوق بد حافظہ تھا۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۵)، ومسند احمد، از عبداللہ بن احمد (۲/ ۷ بتحقیق احمد شاکر) بروایت نائلہ بنت فرافصہ، اس سند میں ام ہلال ہے جو مجہول ہے، اسی طرح مجھے زیاد بن عبداللہ کی بھی کوئی توثیق نہیں مل سکی۔

③ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۴)، وتاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۳۸۳-۳۸۴) بروایت ابوسعید مولیٰ ابو اسید، بسند صحیح۔

④ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۴)، بروایت ابوسعید مولیٰ ابو اسید، بسند صحیح۔

⑤ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۴-۱۷۵)، بروایت ابوسعید، ایسی سند سے جس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

پھر اُن پر تلوار سے وار کیا، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسے اپنے ہاتھ سے روکا جس سے آپ کا ہاتھ کٹ گیا، البتہ الگ ہوگیا یا نہیں ہوا اس میں راوی کو شک ہے۔

تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ پہلی ہتھیلی ہے جس نے مفصل لکھا تھا[۱]، کیونکہ آپ کاتبین وحی میں سے تھے، اور آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے املاء کرانے پر مصحف لکھا، بہر کیف عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے درانحالیکہ مصحف آپ کے سامنے تھا۔[۲]

اور ہاتھ کٹنے کے بعد خون کا چھینٹا آپ کے سامنے رکھے ہوئے مصحف پر پڑا جسے آپ پڑھ رہے تھے اور اس کا قطرہ فرمان باری:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾﴾ [البقرۃ: ۱۳۷]۔

اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

پر گرا۔[۳]

---

① تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۴)، وتاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۳۸۳-۳۸۴) بروایت ابوسعید بسند صحیح۔

② مسند احمد، از عبد اللہ بن احمد (بتحقیق احمد شاکر ۱/ ۳۸۸-۳۸۹)، اور انہی کی سند سے ابن الأثیر نے أسد الغابۃ (۳/ ۴۹۰) میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۹۳) میں نقل کیا۔
والمقصد العلی، از بو یعلی (ق ۱۶۴ا)، والمحن، از ابو عرب (۶۴)، محب الطبری نے اسے الریاض النضرۃ (۳/ ۶۷-۶۸) میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷/ ۲۳۲) میں ذکر کیا ہے۔ علامہ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ اس میں مسلم ابوسعید ہے جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی ہے، البتہ اس فقرہ کی شہادت پچھلی بات سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ جب انہیں مارا گیا تو مصحف ان کے سامنے تھا، جسے خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ (۱۷۴) میں اور امام طبری نے تاریخ الأمم والملوک (۴/ ۸۳-۸۴) میں بروایت ابوسعید نقل کیا ہے۔

③ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۵)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۲۰) بروایت عبد اللہ بن شقیق، جو حادثہ کے زمانہ میں موجود تھے، اور اس روایت میں ہے ابو حریث نے اس مصحف پر خون دیکھا تھا اور ان تک سند صحیح ہے۔ ==

اور ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مارا وہ رومان یمانی نامی شخص تھا جس نے آپ کو ٹیڑھی لکڑی یا ڈھال سے مارا[1]، اور جب باغیان آپ کو قتل کرنے کے لئے اندر آئے تو آپ نے یہ شعر پڑھا:

أَرَى الْمَوْتَ لَا يُبْقِي عَزِيزًا وَلَمْ يَدَعْ لِعَادٍ مَلَاذًا فِي الْبِـــلَادِ وَمُرْتَقَا

میں موت کو دیکھتا ہوں وہ کسی عزیز کو نہیں چھوڑتی، اُس نے عاد کے لئے بستیوں میں کوئی جائے پناہ اور اونچائی نہیں چھوڑی۔

نیز فرمایا:

يُبَيِّتُ أَهْلَ الْحِصْنِ وَالْحِصْنُ مُغْلَقٌ وَيَأْتِي الْجِبَالَ فِي شَمَارِيخِهَا الْعُلَا[2]

وہ قلعہ والوں کو بوقت شب آ گھیرتی ہے حالانکہ قلعہ بند ہوتا ہے اور پہاڑوں کی بلند چوٹیوں تک بھی جا پہنچتی ہے۔

اور جب باغیوں نے انہیں گھیر لیا تو اُن کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے کہا: چاہے تم انہیں قتل کرو یا چھوڑو، مگر یہ ایک رکعت میں پوری رات گزار دیتے ہیں اس میں پورا قرآن

== وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۱۹) بروایت ابوسعید مولیٰ ابواسید، ایسی سند سے جس میں غیر ثقہ راوی ہے، و(۴۲۰) بروایت معاذ بن معاذ، اور اس میں ہے کہ اُنہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اس آیت کریمہ پر خون کا نشان دیکھا۔ خلیفہ بن خیاط اپنی تاریخ (۱۷۵) میں فرماتے ہیں: ''اور ابوسعید کے علاوہ دیگر کی روایت میں...'' اور اس کا معنیٰ ذکر فرمایا۔ ان طرق کے مجموعے سے یہ روایت حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

① تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۵)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسی سند سے جو عبداللہ بن شقیق تک صحیح ہے اور وہ ان واقعات کے زمانے میں موجود تھے۔ صولجان: ٹیڑھی لکڑی یا ڈھال کو کہتے ہیں، دیکھئے: القاموس المحیط، از فیروز آبادی (۱/۲۰۴)، ولسان العرب، از ابن منظور دمشقی (۲/۳۱۰)۔

② کتاب المحتضرین، از ابن ابی الدنیا (ق ۱۲ اب أ)، (جیسا کہ تاریخ دمشق، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۰۷) کے حاشیہ میں ہے)، بروایت مسلم بن بانک بسند حسن، دیکھئے: ضمیمہ، روایت نمبر (۵۳)۔

پڑھ ڈالتے ہیں۔ ①

جب آپ کا قاتل -سیاہ موت- آپ کو قتل کر کے فارغ ہوا تو گھر میں اپنا ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا: میں نعثل کا قاتل ہوں۔ ②

آپ کا قتل بڑا وحشتناک تھا، یہاں تک کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کئے گئے اس دردناک سلوک کو یاد کرتے تھے تو اتنا روتے تھے کہ ہچکیاں بندھ جاتی تھیں، کہتے تھے: ہاہ ہاہ۔ ③

اور اس بارے میں سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تم لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اگر اُسے سن کر کوئی شخص ٹوٹ

---

① الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۶)، والمحن از ابو عرب (۴۴)، والحلیۃ، از ابونعیم (۱/ ۵۷)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۲۸)، والریاض النضرۃ، از محب الطبری (۳/ ۴۲)، بروایت محمد بن سیرین اور ان تک سند صحیح ہے، مگر ابن سیرین نے حادثہ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔

والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۶)، والحلیۃ، از ابونعیم (۱/ ۵۷)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۲۷-۲۲۸) بروایت محمد بن سیرین اور ان تک سند صحیح ہے، مگر ابن سیرین نے حادثہ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔

ومعجم ابوسعید بن الأعرابی (ق ۱۲۰أ) جیسا کہ تاریخ دمشق ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۲۸) کے حاشیہ میں ہے، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۲۸)، بروایت ایوب سختیانی، اس میں بکر بن فرقد نامی راوی مجہول ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ اُس نے اپنے شیخ عبدالوہاب (جو اختلاط کا شکار ہو گئے تھے) سے اختلاط سے پہلے روایت کی ہے یا اس کے بعد؟۔

ان تمام طرق کے مجموعے سے یہ روایت حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ سکتی ہے۔

② مسند علی بن الجعد، (۲/ ۹۵۸-۹۵۹)، والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۸۳-۸۴)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر، سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۱۷-۴۱۸)، وسنن سعید بن منصور (۲/ ۳۳۵) بروایت کنانہ مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہا بسند حسن۔

③ الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۸۱)، وسنن سعید بن منصور (۲/ ۳۳۵)، بروایت ابوصالح عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بسند صحیح۔

کر بکھر جائے تو حق بجانب ہوگا''۔ (1)

ثانیاً: عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی تاریخ:

عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے سال کی تعیین کے بارے میں مورخین کا تقریباً اتفاق ہے چنانچہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ سنہ پینتیس ہجری کا واقعہ ہے، سوائے اس روایت کے جو مصعب بن عبداللہ سے مروی ہے کہ یہ چھتیس ہجری کا واقعہ ہے (2) جو اجماع کے خلاف ایک شاذ قول ہے۔

پہلا قول ایک جم غفیر کا ہے جن میں چند نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ عبداللہ بن عمرو بن عثمان (وفات: ۹۶ھ)۔ (3)

۲۔ عامر بن شراحیل شعبی (وفات: ۱۰۰ھ کے بعد)۔ (4)

۳۔ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما (وفات: ۱۱۷ھ)۔ (5)

۴۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری (وفات: ۱۱۹ھ)۔ (6)

---

(1) صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/۱۷۶، ۱۷۸، ۱۲/۳۱۵)، والطبقات، از ابن سعد (۳/۷۹)، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/۲۰۵)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۶-۱۷۷)، وفضائل الصحابۃ، از امام احمد بن حنبل (۱/۲۷۸)، ومعجم کبیر طبرانی (۱/۸۴)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۸۵-۴۸۶) بروایت قیس بن ابو حازم عن سعید رضی اللہ عنہ۔

(2) تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/۴۱۵)۔

(3) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۲۸)۔

(4) تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/۴۱۶)۔

(5) الریاض النضرۃ، از محب الطبری (۳/۷۳)، وأسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳/۴۸۹)۔

(6) المحن، از ابو عرب (۶۶)۔

۵۔ مخرمہ بن سلیمان والبی (وفات: ۱۳۰ھ)۔[1]

۶۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابوطالب (وفات: سنہ ۱۴۰ھ کے بعد)۔[2]

۷۔ محمد بن اسحاق (وفات: ۱۵۰ھ)۔[3]

۸۔ ابومعشر (وفات: ۱۷۰ھ)۔[4]

۹۔ یزید بن عبیدہ۔[5]

۱۰۔ سیف بن عمر تمیمی (وفات: ۱۷۰ھ تقریباً)۔[6]

۱۱۔ لیث بن سعد (وفات: ۱۷۵ھ)۔[7]

۱۲۔ ہشام کلبی (وفات: ۲۰۴ھ)۔[8]

۱۳۔ محمد بن عمر واقدی (وفات: ۲۰۷ھ)۔[9]

---

① تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۷)۔

② مسند احمد (۲/ ۱۱ بتحقیق احمد شاکر)، احمد شاکر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، وتاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۶)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۲۶، ۵۲۸-۵۲۹، ۵۳۱)، وأسد الغابۃ، از ابن الأثیر الجزری (۳/ ۴۸۹)۔

③ التاریخ الصغیر، از بخاری (۱/ ۸۴)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۰-۵۳۱)۔

④ مسند احمد (۲/ ۱۰ بتحقیق احمد شاکر)، احمد شاکر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۶)، وتاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۶)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۰۴، ۲۰۹-۲۳۰)۔

⑤ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۲۹)۔

⑥ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۶)۔

⑦ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۱)۔

⑧ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۷)۔

⑨ المعارف، از ابن قتیبہ (۱۹۷)۔

۱۴۔ یعقوب بن ابراہیم زہری (وفات: ۲۰۸ھ)۔[1]

۱۵۔ ابونعیم الفضل بن دکین (وفات: ۲۱۸ھ)۔[2]

۱۶۔ ابوعمر الضریر (وفات: ۲۲۰ھ)۔[3]

۱۷۔ خلیفہ بن خیاط (وفات: (۲۴۰ھ)۔[4]

۱۸۔ عمرو بن علی (وفات: ۲۴۹ھ)۔[5]

۱۹۔ زبیر بن بکار (وفات: ۲۵۶ھ)۔[6]

۲۰۔ یعقوب بن سفیان فسوی (وفات: ۲۷۷ھ)۔[7]

مہینہ کی تعیین:

مورخین کے یہاں اس مہینہ کی تعیین میں بھی اختلاف نہیں ہے جس عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے کہ وہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے[8]، البتہ اس کے بعد دن اور وقت وغیرہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔

---

① تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۰۱)۔

② تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۱)۔

③ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۰)۔

④ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۶)۔

⑤ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۱)۔

⑥ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۲)۔

⑦ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۰)۔

⑧ امام طبری نے تاریخ الامم والملوک (۴/ ۴۱۵) میں اس پر اجماع نقل فرمایا ہے، اور ابن قتیبہ نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دیکھئے: المعارف، از ابن قتیبہ (۱۹۷)۔

تاریخ کی تعیین:

اس میں اختلاف ہے، اس بارے میں مورخین کے آٹھ اقوال ہیں جو ماہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ سے اٹھائیس تاریخ کے مابین محصور ہیں، ذیل میں ان اقوال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

پہلا قول: واقدی کہتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ذو الحجہ کی آٹھ تاریخ (یوم الترویہ) یعنی ۸ / ۱۲ / ۳۵ھ کو ہوئی۔ [1]

دوسرا قول: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے خلیفہ بن خیاط نے صیغۂ تمریض (مجہول صیغہ) کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یوم النحر (عید الاضحیٰ کے دن) یعنی ۱۰ / ۱۲ / ۳۵ھ کو ہوئی۔ [2]

تیسرا قول: ابوعثمان نہدی سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے [3] اور یہی بات عمرو بن علی [4] اور یعقوب فسوی [5] نے کہی ہے، اور اسے امام زہری نے [6] اس انداز میں بیان کیا ہے کہ: ”بعض لوگوں کا کہنا ہے“ کہ ایام تشریق کے درمیان (۱۲ / ذی الحجہ) یعنی ۱۲ / ۱۲ /

---

[1] المعارف، از ابن قتیبہ (۱۹۷)۔

[2] تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۷)۔

[3] مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵ / ۲۳۰)، والطبقات، از ابن سعد (۳ / ۷۹)، وتاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۶)، ومسند احمد (۲ / ۱۰ بتحقیق احمد شاکر)، احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۲۶)، وأسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳ / ۴۸۹)، والریاض النضرۃ، از محب الطبری (۳ / ۷۳)۔

[4] تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۱)۔

[5] تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۲)۔

[6] تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴ / ۴۱۷)۔

۳۵ھ کو ہوئی۔

چوتھا قول: لیث بن سعد سے مروی ہے[1] کہ حاجیوں کے منیٰ سے نکلنے والے دن (قربانی کے چوتھے دن) یعنی ۱۳/ ۱۲/ ۳۵ھ کو ہوئی۔[2]

پانچواں قول: ابونعیم الفضل بن دکین فرماتے ہیں کہ ذی الحجہ کی ۱۳ یا ۱۴ تاریخ کو ہوئی۔[3]

چھٹا قول: یہ بھی انہی کا قول ہے[4] کہ ذی الحجہ کی ۱۷/ تاریخ کو ہوئی۔

ساتواں قول: یہ ہے کہ ذی الحجہ کی ۱۸/ تاریخ کو ہوئی۔

یہ بات: نافع مولیٰ ابن عمر[5]، شعبی[6]، مخرمہ بن سلیمان والبی[7]، محمد بن اسحاق[8]، ابومعشر[9]، سیف بن عمر تمیمی (اپنے اساتذہ کے حوالے سے)[10]، ابراہیم بن سعد زہری[11]، ہشام بن کلبی[12]، مصعب بن عبد اللہ زبیری، ....

---

① الریاض النضرۃ، ازمحب الطبری (۳/ ۷۳)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۱)۔
② القاموس المحیط، از فیروز آبادی (۲/ ۷۰)، ولسان العرب، از ابن منظور دمشقی (۴/ ۴۴۹)۔
③ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۱)۔
④ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۶)، وأسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳/ ۴۸۹)۔
⑤ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۶)۔
⑥ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۷)۔
⑦ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۰)۔
⑧ مسند احمد (۲/ ۱۰ بتحقیق احمد شاکر)، احمد شاکر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
⑨ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۶)۔
⑩ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۰۱)۔
⑪ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۷)۔
⑫ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۵)۔

یعقوب بن ابراہیم بن سعد زہری [1] نے کہی ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے اس قول کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے [2] اور محب الدین طبری نے اپنی کتاب ''الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ'' میں ذکر فرمایا ہے۔ [3]

آٹھواں قول: امام ابن الأثیر نے [4] صیغۂ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ذی الحجہ کی ۲۷، یا ۲۸/ تاریخ کو ہوئی۔

ترجیح:

میرے نزدیک مذکورہ اقوال میں راجح قول تیسرا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایام تشریق کے درمیانی دن یعنی ۱۲/ ۱۲/ ۳۵ھ کو ہوئی، کیونکہ یہ قول ابوعثمان نہدی سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے جو سانحۂ شہادت کے ہم عصر ہیں۔

اس کے سوا دیگر اقوال میں سے کسی قول کی سند صحیح نہیں ہے، اس سلسلہ کی تمام سندیں ضعیف ہیں، بلکہ اس میں سے بعض اقوال ان لوگوں سے آئے ہیں جو سانحہ کے معاصر ہی نہیں ہیں۔

ہفتہ میں دن کی تعیین:

رہا ہفتہ میں دن کی تعیین کا مسئلہ کہ آپ کس دن شہید کئے گئے تو اس میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول: جمعہ کا دن تھا۔

---

① تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۲۰۱)۔

② تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۵)۔

③ الریاض النضرۃ، از محب الطبری (۳/ ۷۳)۔

④ أسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳/ ۴۸۹)۔

یہ بات نافع مولیٰ ابن عمر[1] مخزمہ بن سلیمان الوالبی[2] ابومعشر[3] ہشام الکلبی[4] محمد بن عمر الواقدی[5] مصعب بن عبد اللہ الزبیری[6] خلیفہ بن خیاط العصفری[7] اور ابوسلیمان بن زبر نے کہی ہے۔[8]

دوسرا قول: پیر کا دن تھا۔

یہ بات ابن اسحاق سے مروی ہے[9] اسی طرح اگلا قول بھی انہی سے مروی ہے۔

تیسرا قول: بدھ کا دن تھا۔ اسے ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔[10]

ترجیح: میرے نزدیک ان تینوں اقوال میں راجح قول جمہور کا ہے، یعنی وہ جمعہ کا دن تھا؛ کیونکہ یہ جمہور مورخین کا قول ہے اور اس کے مخالف کوئی ایسا قول نہیں ہے جو اس سے قوی تر ہو۔ ترجیح کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دن فلکی حساب کے بھی مطابق ہے، کیونکہ فلکی حساب کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سنہ پینتیس ہجری میں ۱۲/ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا۔[11]

---

① تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۶)، وأسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳/ ۴۸۹)۔
② تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۷)۔
③ مسند احمد (۲/ ۱۰ بتحقیق احمد شاکر)، احمد شاکر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
④ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۷)۔
⑤ المعارف، از ابن قتیبہ (۱۹۷)، وأسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳/ ۴۸۹)۔
⑥ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۵)۔
⑦ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۶)۔
⑧ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۳)۔
⑨ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۲۹-۵۳۰)۔
⑩ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۳)۔
⑪ دیکھئے: منسق الکلمات صخر میں شامل کردہ کیلنڈر سافٹ ویئر۔

اس سے یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۲ / ذی الحجہ کو ہوئی تھی۔

دن میں شہادت کے وقت کی تعیین:

عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت کی تعیین میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ وہ صبح کا وقت یا چاشت کا وقت تھا۔

یہ شعبی [۱]، مخرمہ بن سلیمان والبی [۲]، ابن اسحاق [۳]، ہشام بن الکلبی [۴] اور فسوی کا قول ہے [۵]، نیز امام طبری نے اسے ''وآخرون'' کہہ کر اور دیگر لوگوں سے بھی نقل فرمایا ہے [۶]، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ: یہ چاشت کا وقت تھا۔ [۷]

دوسرا قول: یہ ہے کہ عصر کا وقت تھا۔ یہ ابوسلیمان بن زبر کا قول ہے۔ [۸]

ترجیح:

میرے نزدیک ان دونوں اقوال میں سے راجح یہ ہے کہ صبح کا وقت تھا، کیونکہ یہ جمہور کا قول ہے اور اس کے خلاف کوئی ایسا قول نہیں ہے جو اس سے قوی تر ہو۔

---

① تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴ / ۴۱۶)۔

② تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴ / ۴۱۷)۔

③ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۰)۔

④ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴ / ۴۱۷)۔

⑤ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۳)۔

⑥ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴ / ۴۱۶)۔

⑦ اسے ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں سیرت عثمان (۵۳۳) میں ابوسلیمان بن وزیر سے روایت کیا ہے، اور امام طبری نے تاریخ الأمم والملوک (۴ / ۴۱۵) میں ابویعقوب زید سے روایت کیا ہے۔

⑧ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۳)۔

ثالثاً: شہادت کے وقت اُن کی عمر کتنی تھی؟

مجھے صحیح سند سے کوئی روایت معلوم نہ ہو سکی جو عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت وقت ان کی عمر کی تعیین کرے، بلکہ اس بارے میں جو بھی اقوال ملے ہیں وہ باہم مختلف اور متعارض ہیں۔

اس بارے میں اختلاف پرانا ہے، حتیٰ کہ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت زندگی کی مقدار کے بارے میں ہم سے پہلے سلف کا بھی اختلاف رہا ہے''۔ [1]

بہرکیف اس بارے میں اقوال جمع کرنے کے نتیجے میں میرے پاس پندرہ اقوال اکٹھا ہوئے جو کم تا زیادہ کی ترتیب کے مطابق حسب ذیل ہیں:

پہلا قول: عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر ترسٹھ سال تھی، اسے سیف بن عمر تمیمی نے اپنے اساتذہ سے روایت کیا ہے۔ [2]

دوسرا قول: ستر سال سے زیادہ تھی، یہ بات ابو اسحاق سبیعی نے کہی ہے۔ [3]

تیسرا قول: پچھتر سال تھی، یہ ہشام بن محمد بن سائب کلبی کا قول ہے [4]، نیز اسے محمد بن اسحاق [5] اور امام بخاری نے بعض لوگوں سے نقل کیا ہے۔ [6]

---

(1) تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۷)۔

(2) تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۸)۔

(3) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۴)۔

(4) تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۸)۔

(5) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۰)۔

(6) التاریخ الصغیر، از بخاری (۱/ ۸۴)۔

چوتھا قول: اَسّی سال تھی، اسے ابن اسحاق نے بعض لوگوں سے نقل کیا ہے۔ [1]

پانچواں قول: اَسّی سال سے زیادہ تھی، یہ بات محمد بن یعلیٰ نے کہی ہے۔ [2]

چھٹا قول: ان کی عمر اَسی سال سے زیادہ ہوگئی تھی، یہ بات ابوزرعہ نے کہی ہے۔ [3]

ساتواں قول: ان کی عمر اَسی اور نوّے سال کے درمیان تھی، یہ امام زہری کا قول ہے۔ [4]

آٹھواں قول: ان کی عمر اکیاسی سال تھی، یہ بات عثمان بن ابوشیبہ، ابوبکر بن ابوشیبہ [5] اور ابوسلیمان بن زبر نے کہی ہے۔ [6]

نواں قول: اُن کی عمر بیاسی سال تھی، یہ جمہور مورخین کا قول ہے، چنانچہ یہ بات ابوالمقدام، محمد بن عبداللہ مخزومی [7]، زید [8]، ابوعمرو الضریر [9]، عبداللہ بن عمرو الاموی [10]، یحییٰ بن بکیر [11]، زبیر بن بکار [12] نیز محمد بن عمر الواقدی نے کہی ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ

---

(۱) التاریخ الصغیر، از بخاری (۱/ ۸۴)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۵-۵۳۶)، و الریاض النضرۃ، از محب الطبری (۳/ ۷۵-۷۶)۔

(۲) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۴)۔

(۳) التاریخ الصغیر، از بخاری (۱/ ۵۹۶) اوران سے تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۵)۔

(۴) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۴)۔

(۵) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۱)۔

(۶) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۳-۵۳۴)۔

(۷) تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۷)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۵)۔

(۸) تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۵)۔

(۹) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۱)۔

(۱۰) الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۷)، بطریق واقدی۔

(۱۱) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۵)۔

(۱۲) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۲)۔

کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''مورخین کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ بیاسی سال کی عمر میں شہید کئے گئے'' [۱] امام طبری نے اس قول کو دیگر اقوال پر مقدم کیا ہے [۲]، اور امام ابن الاثیر نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [۳]

دسواں قول: اُن کی عمر بیاسی سال چند مہینے تھی، اسے واقدی نے صالح بن کیسان سے روایت کیا ہے۔ [۴]

گیارہواں قول: ان کی عمر چھیاسی سال تھی، یہ قتادہ کا قول ہے۔ [۵]

بارہواں قول: ان کی عمر اٹھاسی یا نواسی سال تھی، یہ قول قتادہ سے ایسے ہی شک کے ساتھ آیا ہے۔ [۶]

تیرہواں قول: ان کی عمر اٹھاسی یا نوے سال تھی، یہ قول بھی قتادہ سے ایسے ہی شک کے ساتھ آیا ہے۔ [۷]

چودہواں قول: ان کی عمر نوے سال تھی، اسے امام ابن الاثیر نے مجہول صیغہ

---

① الریاض النضرۃ، ازمحب الطبری (۳/۷۶)۔

② تاریخ الأمم والملوک، ازطبری (۴/۴۱۷)۔

③ أسد الغابۃ، ازابن الأثیر (۳/۴۹۱)۔

④ تاریخ الأمم والملوک، ازطبری (۴/۴۱۸)۔

⑤ تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۷)، وتاریخ الأمم والملوک، ازطبری (۴/۴۱۸)، وتاریخ دمشق، ازابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۵)، والریاض النضرۃ، ازمحب الطبری (۳/۷۶)، وأسد الغابۃ، ازابن الأثیر (۳/۴۹۱)۔

⑥ تاریخ دمشق، ازابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۳)۔

⑦ مسند احمد (۲/۱۰-۱۱ بتحقیق احمد شاکر)، وتاریخ الأمم والملوک، ازطبری (۴/۴۱۸)۔

"کہا گیا ہے" کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ①

پندرھواں قول: ان کی عمر ترانوے سال تھی، یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ ②

ترجیح:

میرے نزدیک ان اقوال میں سے راجح قول نواں ہے، یعنی شہادت کے وقت اُن کی عمر بیاسی سال تھی اور دیگر اقوال جو اس میں داخل ہیں، اس کے تین اسباب ہیں:

پہلا سبب: یہ ہے کہ ان کی پیدائش عام الفیل کے بعد چھٹے سال میں ہوئی ③ اور ہجرت کے بعد سنہ پینتیس ہجری میں شہید کئے گئے ④ لہٰذا ان کے سال پیدائش اور سال شہادت کا موازنہ کرنے سے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ ⑤

دوسرا سبب: یہ ہے کہ پندرہ اقوال میں سے چار اقوال اسی قول میں داخل و شامل ہیں اس کے خلاف نہیں ہیں، جبکہ یہ قول دیگر اقوال میں سے کسی قول کے موافق نہیں ہے۔

تیسرا سبب: یہ ہے کہ یہ جمہور مورخین کا قول ہے، اور اس کے خلاف کوئی ایسا قول نہیں ہے جو اس سے قوی تر ہو۔

---

① أسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳/ ۴۹۱)۔

② المحن، از ابو عرب (۸۲)۔

③ الاستیعاب، از ابن عبد البر (۳/ ۷۰) مع الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ۔

④ جیسا کہ تاریخ شہادت کی تعیین سے متعلق مبحث میں گزر چکا ہے۔

⑤ کیونکہ ہجرت کا واقعہ عام الفیل کے ترپنویں سال پیش آیا تھا، چنانچہ اس تعداد کو اُن کی شہادت کے سال (۳۵ ہجری) کے ساتھ جوڑنے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اُن کی شہادت کا واقعہ عام الفیل کے ۸۸/ ویں سال پیش آیا، اور چونکہ اُن کی پیدائش عام الفیل کے چھٹے سال ہوئی تھی اس لئے اٹھاسی سال میں سے چھ سال کم کرنے سے نتیجہ بیاسی سال نکلتا ہے۔

رابعاً: عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل:

عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں کئی اشخاص متہم کئے گئے ہیں، یہ چیز بہت ساری روایات میں آئی ہے ان میں سے کچھ روایتیں مقبول ہیں اور زیادہ تر ضعیف اور مردود ہیں۔ جبکہ صحیح روایتوں میں ہے کہ وہ مصر کا ایک سیاہ فام شخص تھا[1] البتہ یہ روایتیں اس شخص کی تعیین میں مختلف ہیں۔

چنانچہ ان میں سے ایک روایت میں ہے کہ اُس کا نام حمار تھا[2] دوسری روایت میں ہے کہ اس کا نام جبلہ تھا[3] اور تیسری روایت میں ہے کہ اُس کا نام جبلہ بن ایہم تھا۔[4]

ان تینوں روایات کا مصدر ایک ہی ہے، وہ ہے کنانہ[5] مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہا، ان روایات میں اس شخص پر اختلاف ہوا ہے، چنانچہ اُس سے محمد بن طلحہ بن مصرف نے پہلی اور تیسری روایت بیان کی ہے اور زہیر بن معاویہ نے دوسری روایت بیان کی ہے۔

اب ان دونوں میں سے زہیر ثقہ حافظ ہے جبکہ محمد بن طلحہ صدوق ہے اس کے کچھ اوہام

---

① تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۶) بروایت حسن بصری، ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۶) بروایت جندب الخیر، بسند حسن لغیرہ۔ والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۸۳-۸۴)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۱۷-۴۱۸) بروایت کنانہ بسند صحیح، وسنن علی بن الجعد (۲/ ۹۵۸-۹۵۹) بسند حسن۔

② تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۵)۔

③ التاریخ الکبیر، از امام بخاری (۷/ ۲۳۷)۔

④ اسد بن موسیٰ جیسا کہ الاستیعاب (۳/ ۴۹ ۳ مع الاصابۃ) میں ہے۔

⑤ اس کی سوانح: سیر أعلام النبلاء، از ذہبی (۳/ ۳۷۸)، وجمہرۃ أنساب العرب (۳۷۲)، والبدایۃ والنہایۃ، از ابن کثیر (۸/ ۶۵)، والأغانی، از ابو الفرج الأصبہانی (۱۵/ ۱۵۷) اور مختصر تاریخ دمشق، از ابن منظور (۵/ ۳۶۸) میں موجود ہے۔

ہیں، لہٰذا زہیر کی یہ روایت محفوظ ہے جبکہ محمد بن طلحہ کی پہلی روایت اپنے سے زیادہ ثقہ روایت کے خلاف ہونے کے سبب شاذ ہو جائے گی۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ لفظ حمار لفظ جبلہ سے تصحیف شدہ (بدلا ہوا) ہو کیونکہ قدیم لوگوں کے طریقے میں لکھنے میں دونوں رسم الخط باہم مشابہ ہیں، بایں طور کہ وہ لوگ زیادہ تر الفاظ پر نقطے نہیں لگایا کرتے تھے۔

رہی اس کی تیسری روایت تو اس میں وہم داخل ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے اس پر عام حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ کچھ حصہ میں وہ زہیر کے موافق ہے صرف باپ کے نام کا اضافہ کیا ہے۔

اور ایسے تو ثقہ کا اضافہ مقبول ہے لیکن محمد کے اندر جو وہم اور حافظہ کی کمزوری موجود ہے وہ اُسے ان لوگوں کے دائرے سے خارج کر دیتی ہے جن کا اضافہ مقبول ہوتا ہے، بالخصوص اس کے اضافہ کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود ہے، کیونکہ اس کا اضافہ جبلہ بن ایہم کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قاتل قرار دیتا ہے، جبکہ اس نام سے صرف غسانیوں کا بادشاہ جبلہ بن ایہم غسانی معروف ہے جو کہ ملک شام کا ہے [1]، جبکہ تینوں روایتیں متفق ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل مصر کا تھا۔

اسی طرح اس کا یہ اضافہ بتلاتا ہے کہ جبلہ قاتل کا نام ہے، جبکہ تینوں روایتوں سے سمجھ میں آتا ہے کہ جبلہ نام نہیں بلکہ لقب ہے اور اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ وہ سیاہ فام تھا، یہ بات کنانہ

---

① اس کی سوانح: سیر أعلام النبلاء، از ذہبی (۳ / ۵۳۸)، وجمہرۃ أنساب العرب (۳۷۲)، والبدایۃ والنہایۃ، از ابن کثیر (۸ / ۶۵)، والأغانی، از ابو الفرج الأصبہانی (۱۵ / ۱۵۷) اور مختصر تاریخ دمشق، از ابن منظور (۵ / ۳۶۸) میں موجود ہے۔

کے اس قول سے سمجھ میں آتی ہے جس میں اس نے کہا تھا: ''مصر کا ایک شخص تھا جسے جبلہ کہا جاتا تھا... یعنی کالا کلوٹا آدمی''۔ ①

اور جب ہم یاد کرتے ہیں کہ جس شخص نے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر آپ کا گلا گھونٹا تھا وہ بھی کالا کلوٹا تھا اور راوی نے کہا تھا: ''اس نے تلوار سے وار کرنے سے پہلے کئی بار آپ کا گلا گھونٹا''، ② تو ہمیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی شخص عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے جسے جبلہ کہا جاتا تھا، کیونکہ اس کی چمڑی سیاہ تھی، نیز اس لئے بھی کہ راوی کا ''تلوار سے مارنے سے پہلے'' کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اُس نے آپ کو تلوار سے مارا تھا۔

اور جب یہ ربط درست ہوگیا تو یہ ہمارے سامنے اس قاتل کی نسبت بھی واضح کرتا ہے، کیونکہ راوی نے اُس کی نسبت بھی بیان کی ہے کہ وہ قبیلۂ بنو سدوس کا تھا۔

اور اس سے ''ایہم'' کے اضافہ کا وہم ہونا مزید بڑھ جاتا ہے کیونکہ جبلہ بن ایہم غسانی غسانیوں میں سے ہے ③ جبکہ یہ قاتل بنی سدوس کا فرد ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل ایک مصری شخص ہے روایات نے اس کے نام کی صراحت نہیں کی ہے البتہ اتنا واضح کیا ہے کہ وہ سدوسی الاصل، سیاہ فام، اور کالا کلوٹا ہونے کے سبب جبلہ کے لقب سے ملقب تھا، اسی طرح ''سیاہ موت'' کے لقب سے بھی معروف تھا، البتہ مجھے کسی شخص کی سوانح نہیں مل سکی جو ان صفات سے متصف ہو۔

---

① الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۸۳ - ۸۴) بروایت کنانہ مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہ بسند حسن۔

② تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۴)، وتاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴ / ۳۸۳)، ابوسعید مولیٰ ابو اسید تک صحیح سند سے؛ اس کے صحابیت میں اختلاف ہے۔

③ اس کی سوانح سیر أعلام النبلاء، از ذہبی (۳ / ۵۳۲) میں ملاحظہ فرمائیں۔

محب الدین خطیب کا خیال ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل عبد اللہ بن سبا ہے، چنانچہ کہتے ہیں:

''یہ بات ثابت ہے کہ باغیانِ مصر کے فسطاط سے مدینہ آنے کے وقت عبد اللہ بن سبا اُن کے ساتھ تھا، وہ اپنے ادا کردہ تمام کرداروں میں شدید حریص تھا کہ پس پردہ کام کرے، اس لئے ممکن ہے کہ ''سیاہ موت'' اُسی کا مستعار نام ہو جس سے خود اپنی طرف اشارہ کرنا چاہا ہو تا کہ اسلام کی عمارت ڈھانے کے لئے اپنی سازشیں اور دسیسہ کاریاں کرنے میں کامیاب ہو سکے''۔ (1)

ان کے موقف کے لئے یہ بھی دلیل ہو سکتی ہے کہ: ابن سبا سیاہ فام تھا؛ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ اُنہوں نے اُسے ''خبث باطن اور سیاہ فام'' کی صفت سے متصف کیا تھا، چنانچہ اُس کے بارے میں کہا تھا: ''کالا کلوٹا بد باطن''۔ (2)

اور اُسے اہل مصر میں شمار کیا جاتا تھا کیونکہ اُس کے افکار وہاں کے بعض لوگوں میں پیوست ہو چکے تھے، اخیر میں اس کا قیام وہیں تھا اور مصریوں کے ساتھ آیا تھا۔ (3)

نیز قاتل کے بارے میں آئے ہوئے دونوں القاب ابن سبا کے مشہور لقب ''ابن السوداء'' (کالی کلوٹی کا بیٹا) سے ہم آہنگ ہیں، بایں طور کہ تینوں القاب اُس کی چمڑی کے رنگ یعنی سیاہی اور کالے پن پر مشتمل ہیں۔

اور جس لقب سے قاتل (جبلہ) کو ملقب کیا گیا ہے وہ یمن کے ایک یہودی شخص

---

(1) العواصم من القواصم، (۱۴۱) حاشیہ (۲۰۱)۔

(2) اسے ابو اسحاق فزاری نے روایت کیا ہے، جیسا کہ لسان المیزان (۳ / ۲۹۰) میں ہے، بروایت سوید بن غفلہ بسند صحیح۔

(3) العواصم من القواصم، (۱۴۱) حاشیہ (۲۰۱)۔

کا نام ہے [1] اور یہ بھی مروی ہے کہ ابن سبا یمن کے یہودیوں میں سے تھا۔ [2]

اور کنانہ بن بشر تجیبی کندی، بنو عبد الدار کے شخص نہران اصبحی، ابو عمرو بن بدیل خزاعی، سودان بن رومان مرادی، بنی اسد بن خزیمہ کے شخص رومان، سودان بن حمران، محمد بن ابوبکر الصدیق اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کو قتل عثمان سے متہم کرنا صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ یہ ساری باتیں ضعیف سندوں سے مروی ہیں جن کی علتوں کو میں نے تحقیق اسانید کے حصہ میں واضح کر دیا ہے [3]، نیز ان کے متون بھی شاذ ہیں؛ کیونکہ یہ اُس صحیح روایت کے خلاف ہیں جو وضاحت کرتی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل ایک مصری آدمی تھا جسے اس کے سیاہ فام ہونے کے سبب جبلہ کہا جاتا تھا۔

رہا محمد بن ابو بکر [4] کو عثمان رضی اللہ عنہما کے قتل سے متہم کرنے کا مسئلہ تو اُسے بھی سابقہ باتوں میں شامل کیا جائے گا، کیونکہ ایک روایت صحیح سند کے ساتھ آئی ہے جو اُنہیں اس تہمت سے بری ثابت کرتی ہے اور اُنہیں اس سے متہم کئے جانے کا سبب بھی آشکارا کرتی ہے؛ جسے ہمارے لئے ایک عینی شاہد روایت کرتا ہے۔ جو شہادت عثمان کے وقت گھر میں حاضر تھا

---

(1) یاقوت حموی نے ذکر کیا ہے کہ: جبلہ یمن کے ایک یہودی شخص کا نام ہے جو ٹھیکری فروخت کرتا تھا۔ (معجم البلدان، ۲/ ۱۰۷)۔

(2) تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۳۴۰-۳۴۱): بطریق سیف بن عمر تمیمی: یہ عبداللہ بن سبا اہل صنعاء کا یہودی تھا، اس کی ماں کالی تھی....، اس کی سند ضعیف ہے۔

(3) مصنف کی اصل کتاب جلد دوم ''قسم الدراسات الحدیثۃ'' ملاحظہ فرمائیں۔

(4) یہ محمد بن ابوبکر صدیق، ابو القاسم ہیں، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، سنہ ۳۸ ھ میں شہید ہوئے، علی رضی اللہ عنہ ان کی بڑی تعریف فرماتے تھے۔ تقریب التہذیب، از حافظ ابن حجر (۵۷۶۴)، حافظ ابن حجر نے انہیں الاصابۃ میں دوسری قسم میں ذکر کیا ہے، یعنی ان لوگوں میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے۔ الاصابۃ (۳/ ۴۷۲)۔

اور قاتل کو دیکھا تھا - وہ کنانہ مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہا ہے، چنانچہ محمد بن طلحہ نے کنانہ سے پوچھا کہ کیا محمد بن ابو بکر بھی خون عثمان میں کچھ شامل تھے؟ تو کنانہ نے جواب دیا: اللہ کی پناہ! وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: بھتیجے تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے، اور ان سے کچھ بات کی تو وہ وہاں سے نکل گئے، اور اُن کے خون میں بالکل شامل نہ ہوئے۔ (۱)

اور ایک دوسری صحیح روایت میں ہے کہ کنانہ نے کہا: محمد بن ابو بکر عثمان رضی اللہ عنہما کے خون میں ذرا بھی ملوث نہ تھے، تو محمد بن طلحہ نے اُن سے کہا: پھر کیوں کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے ہی عثمان کو قتل کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی پناہ کہ انہوں نے عثمان کو قتل کیا ہو، وہ تو بس عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو عثمان نے ان سے کہا...۔ (۲)

ان دونوں صحیح روایتوں سے ہمارے سامنے خون عثمان سے محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کی براءت ایسے ہی نمایاں ہو جاتی ہے جیسے بھیڑیا یوسف علیہ السلام کے خون سے بری تھا، نیز یہ روایتیں یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ اُن کے متہم کئے جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ شہید کئے جانے سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابو بکر سے بات کی تو وہ شرما گئے، وہاں سے لوٹ آئے، شرمندہ ہو کر اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا مگر ان کا دفاع بے سود رہا۔ (۳)

---

(۱) اسے اسد بن موسیٰ نے روایت کیا ہے (جیسا کہ الاستیعاب، از ابن عبد البر (۳ / ۳۴۹ مع الاصابۃ میں ہے) ایسی سند سے جو کنانہ مولیٰ صفیہ رضی اللہ عنہا تک حسن ہے۔

(۲) اسے خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ (۱۷۴) میں بروایت حسن بصری نقل کیا ہے، جو حسن بصری تک صحیح ہے۔

(۳) البدایۃ والنہایۃ، از حافظ ابن کثیر (۷ / ۱۹۳ - ۱۹۴)۔

خامساً: عثمان رضی اللہ عنہ کی نعش، صلاۃ جنازہ اور تدفین:

عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ اور تدفین وغیرہ کے بارے میں آئی ہوئی باتیں صحیح نہیں ہیں، سوائے چند ضعیف روایات کے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں، چنانچہ جو باتیں قوت پاتی ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی [1] اور مالک بن ابو عامر آپ کی نعش اٹھانے والوں میں تھے اور وہ آپ کے جنازے میں شریک تھے [2] نیز یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے احاطوں میں سے حش کوکب نامی ایک

---

① تاریخ ابوزرعہ (۱۸۷) بسند منقطع یا معضل، اور ابن سعد نے حسب ذیل تین طرق سے نقل کیا ہے:
پہلا طریق: الطبقات (۳/ ۷۸-۷۹) اس کی سند منقطع اور واقدی کے سبب بے انتہا ضعیف ہے۔
دوسرا طریق: الطبقات (۳/ ۷۹) اس کی سند ابو مالک نخعی کے سبب بے انتہا ضعیف ہے۔
تیسرا طریق: الطبقات (۳/ ۷۸) اس کی سند واقدی اور موسیٰ بن محمد تیمی کے سبب بے انتہا ضعیف ہے؛ کیونکہ واقدی متروک اور موسیٰ منکر الحدیث ہے۔
نیز امام طبری نے تاریخ الأمم والملوک (۴/ ۴۱۳) میں روایت کیا ہے جس کی سند واقدی کے سبب بے انتہا ضعیف اور منقطع ہے، اسی طرح ابن عساکر نے تاریخ دمشق سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۳) میں ابن اسحاق سے روایت کیا ہے، خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ (۱۷۷) میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر (۱/ ۷۸-۷۹) میں بسند ضعیف ذکر کیا ہے۔
ومسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۲/ ۱۱) ایسی سند سے جو قتادہ تک صحیح ہے جبکہ قتادہ کی عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہے۔ والطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۹)، اس کے راویان بخاری ومسلم کے راویان ہیں سوائے ربیع بن مالک بن عامر کے جس کی ابن حبان کے سوا کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

② الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۹)، اس کے راویان بخاری ومسلم کے راویان ہیں سوائے ربیع بن مالک بن عامر کے جس کی ابن حبان کے سوا کسی نے توثیق نہیں کی ہے، یہ بات زبیر بن بکار نے ذکر کی ہے، (وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۲)، والمعجم الکبیر، از طبرانی (۱/ ۷۸-۷۹) اس میں ضعف ہے، یہ روایت پہلے والی روایت کو قوت پہنچاتی ہے مگر اس سے قوت نہیں پاتی ہے۔

احاطہ میں دفن کیا گیا۔[1]

اورحش کوکب: بقیع غرقد[2] سے قریب ایک باغ ہے۔[3]

یہ وہ معلومات ہیں جو ان تینوں موضوعات کے بارے میں صحیح ہیں، جبکہ اس بارے میں مروی ضعیف روایتیں کبھی آپس میں موافق ہوتی ہیں اور کبھی متعارض۔

مثلاً عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں رکاوٹ آنے کے سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں، چنانچہ چند بے انتہا ضعیف روایتیں مروی ہیں کہ انصار کو عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا[4]، اُن میں: اسلم بن بجرہ ساعدی اور ابو حیہ مازنی بھی تھے۔[5]

اور ایک دوسری ضعیف روایت ہی میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی لاش دو رات اور ایک

---

① الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۷۷-۷۹)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۲، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۲، ۵۴۳-۵۴۳)، بروایت مالک بن ابو عامر، ایسی سند سے جس کے راویان بخاری ومسلم کے راویان ہیں سوائے ربیع بن ابو مالک کے جسے ابن حبان ثقہ قرار دیا ہے۔
والمعجم الکبیر، از طبرانی (۱/ ۷۸-۷۹)، و معرفۃ الصحابہ، از ابونعیم (۱/ ۲۵۹-۲۶۰)، والمحن ، از ابو عرب (۷۲-۷۳)، وتاریخ دمشق ، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۴۲-۵۴۳)، سب نے عبد الملک بن ماجشون عن مالک بن أنس رضی اللہ عنہ کے طریق سے، اس کی سند میں ضعف ہے، البتہ ان دونوں طریقوں سے یہ بات حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، اور ابن الأثیر نے ذکر کیا ہے کہ انہیں حش کوکب میں دفنایا گیا۔ اسد الغابۃ، از ابن الأثیر الجزری (۳/ ۴۹۱)۔

② المعجم الکبیر، از طبرانی (۱/ ۷۹)۔

③ یہ باغ بقیع میں شامل کیا جا چکا ہے، چنانچہ آج یہ حصہ بقیع کے شمال مغربی سمت میں ہے، اور بالضبط اوقاف کی عمارت نمبر (۲) کے کنارہ کے مقابل جنوب مغربی سمت میں واقع ہے۔

④ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴/ ۴۱۳-۴۱۴)، اس کی سند واقدی کے سبب بے انتہاء ضعیف ہے، نیز اس میں ایک راوی مجہول بھی ہے۔

⑤ یہ بھی واقدی ہی کی روایت ہے۔

دن تک پڑی رہی لوگ نماز جنازہ نہیں پڑھ رہے تھے، نیز یہ کہ ابو حذیفہ نے کہا: انہیں دفنا دو کیونکہ اللہ نے رحمت فرمادی ہے اور اس کے فرشتوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھ لی ہے (یا دعاء رحمت کر دی ہے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: اگر تم ان کی نماز جنازہ سے منع کر رہے ہو تو اللہ کی رحمت نازل ہو چکی ہے اور اس کے فرشتوں نے نماز جنازہ پڑھ لی ہے۔ ①

اور ابن عساکر کا خیال ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو تین دنوں تک لاش پڑی رہی دفن نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ کسی آواز لگانے والے نے انہیں آواز دے کر کہا: انہیں دفن کر دو، نماز جنازہ نہ پڑھو کیونکہ اللہ نے ان پر رحمت نازل فرمادی ہے۔ ②

جبکہ ابن الاثیر اور عوانہ نے نماز جنازہ سے روکنے یا نہ پڑھنے کی بات ضعیف صیغے کے ساتھ ذکر کیا ہے ③، اور سیف کی ایک روایت میں ہے کوئی بھی شخص ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے باز نہ رہا، اور مروان نے بھی ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ ④

یہ روایتیں جو عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سے روکنا ثابت کرتی ہیں اور ان میں سے بعض روایتیں نماز جنازہ نہ پڑھنا ثابت کرتی ہیں ـ جیسا کہ گزر چکی ہیں ـ سند کے اعتبار سے سخت ضعیف ہیں، اور سندوں کے ضعف کے ساتھ ان کے متن بھی منکر ہیں۔

چنانچہ صحیح روایت میں ثابت ہے ـ جیسا کہ گزر چکا ہے ـ کہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، یہی نہیں بلکہ بعض معمولی ضعف والی روایتیں تفصیل بیان کرتے ہوئے نماز جنازہ پڑھنے والوں

---

① المحن، از ابو عرب (۶۵)۔

② تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۴۲)۔

③ أسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۳/ ۴۱۹)۔

④ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۸)۔

کے نام بھی ذکر کرتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

جبیر بن مطعم ① حکیم بن حزام ② حویطب بن عبدالعزیٰ ③ زبیر بن العوام ④ مالک بن ابو عامر- جیسا کہ گزر چکا ہے- مروان بن الحکم ⑤ مسور بن مخرمہ ⑥ نیار اسلمی، ابوجہم بن حذیفہ عدوی ⑦ آپ کی اہلیہ نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ، اور اُم البنین بنت عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاریۃ۔ ⑧

اسی طرح ایک ضعیف روایت کے مطابق عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں آپ کی چارپائی پر رکھا گیا، لوگ آتے تھے اور نماز جنازہ پڑھتے تھے، نیز ایک شخص جس نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ اگر اُسے عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر طمانچہ مارنے کی قدرت ہوگی تو وہ

---

① تاریخ ابوزرعہ (۱۸۷) بسند منقطع یا معضل۔

② تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۷) بلا سند، والطبقات، از ابن سعد (۳ / ۷۸) بسند ضعیف جداً، اس میں واقدی اور موسیٰ بن محمد تیمی ہے، یہ دونوں متروک ہیں، والمعجم الکبیر، از طبرانی (۱ / ۷۸-۷۹)۔

③ المعجم الکبیر، از طبرانی (۱ / ۷۸-۷۹)۔

④ مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۲ / ۱۲) ایسی سند سے جو قتادہ تک صحیح ہے اور قتادہ کی عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہے لہٰذا یہ منقطع ہے، والطبقات، از ابن سعد (۳ / ۷۹)، اس کے راویان بخاری و مسلم کے راویان ہیں سوائے ربیع بن مالک بن عامر کے جس کی ابن حبان کے سوا کسی نے توثیق نہیں کی ہے، یہ بات زبیر بن بکار نے ذکر کی ہے، (و تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۳۲)۔

⑤ تاریخ الأمم والملوک، از طبری (۴ / ۴۱۵)، بطریق سیف بن عمر تمیمی۔

⑥ تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵۴۲)، اور خلیفہ بن خیاط نے اسے بلا سند ''کہا جاتا ہے'' کے الفاظ میں ذکر کیا ہے (۱۷۷)۔

⑦ الطبقات، از ابن سعد (۳ / ۷۸) اس سند سے جو واقدی متروک اور موسیٰ بن محمد تیمی منکر الحدیث کے سبب بے انتہا ضعیف ہے۔

⑧ اسے زبیر بن بکار نے بلا سند ذکر کیا ہے (تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ، ۵۳۲)۔

ضرور مارے گا، چنانچہ اس نے اندر داخل ہو کر ظاہر کیا کہ گویا آپ کی نماز جنازہ پڑھ رہا ہے، اس دوران اُسے تنہائی ملی تو اس نے آپ کے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور طمانچہ مار کر پھر ڈھانک دیا، جس کے نتیجہ میں اس کا دایاں ہاتھ خشک (شل) ہو گیا۔[1]

اس میں شک نہیں کہ جو حالات آپ کی لاش، نماز جنازہ اور دفن کو گھیرے ہوئے تھے وہ حد درجہ دشوار تھے کیونکہ باغیان آپ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھے، اور نماز جنازہ بھی رات کے وقت ہوئی تھی۔

یہ چیز ہمیں نمایاں طور پر ان لوگوں کا عذر بیان کرتی ہے جو اس وقت مدینہ میں تھے اور آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی، یہ اس صورت میں جب جنازہ نہ پڑھنے والی روایتوں کو صحیح مانا جائے۔

البتہ ایسی کوئی بات نہیں آئی ہے کہ کسی صحابی نے آپ کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو، سوائے اس روایت کے جو ضعیف سند کے ساتھ بعض انصار کے بارے میں آئی ہے، مزید یہ کہ سند ضعیف ہونے کے ساتھ روایت میں ان نماز جنازہ نہ پڑھنے والوں کے نام مبہم ہیں، دو شخصوں کے علاوہ ان میں سے کسی کا بھی نام متعین نہیں ہے، اسے رد کرنے میں ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

اسی طرح یہ روایت اس بات پر بھی دلالت نہیں کرتی کہ روایتوں میں جن لوگوں کے نام آئے ہیں صرف انہوں نے ہی آپ کی نماز جنازہ پڑھی اُن کے علاوہ کسی نے آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، لہٰذا اکابر صحابہ جیسے علی، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نماز جنازہ پڑھنے کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

❀❀❀❀❀

---

(۱) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ، (۴۵۸، وقسم خواتین ۴۱۱) بطریق بخاری، اس میں عیسیٰ بن منہال ہے جس کی ابن کے سوا کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

فتنہ سے متعلق چند متفرق مسائل

اولاً: عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتائج سے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار:

عثمان رضی اللہ عنہ ایک مصیبت سے دو چار ہو کر شہید ہو گئے اور جنت سے سرفراز ہوئے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس کی خبر دی تھی اور اُن کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اُن کی شہادت کے فتنہ اور اس میں ہونے والی کچھ تفصیلات کی خبر دی تھی۔

روایتیں ثابت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں کچھ بات رازدارانہ بتلائی جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان نہیں کرنا چاہتے تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بات کسی اور کے بجائے خصوصی طور پر صرف عثمان رضی اللہ عنہ کو بتلائی۔ (1)

لیکن کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اُمت پر عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اثرات و نتائج کی بھی خبر دی تھی؟

جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں ان میں کسی صحابی نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے، البتہ ان میں سے بعض نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کچھ اثرات روایت کیا ہے، لیکن کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بتائے گئے اثرات ہیں یا محض صحابہ رضی اللہ عنہم کی

(1) اس سے پہلے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فراست اور دور نگاہی کا نتیجہ ہیں؟

دونوں باتوں کا احتمال ہے کیونکہ وہ بلا سوجھ بوجھ کسی بات کے لئے اپنی زبان کو آزاد چھوڑنے والوں میں سے نہ تھے کہ بلا علم یونہی کوئی بات کہہ دیں، اسی طرح وہ انبیاء اور رسل علیہم السلام کے بعد انسانیت میں سب سے ٹھوس ایمان والے تھے اس لئے دیگر لوگوں کے مقابل فراست بھی سب سے زیادہ ان سے قریب تھی۔

اسی قبیل سے وہ بات بھی ہے جو ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ [۱] نے اس وقت فرمائی تھی جب انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی، چنانچہ آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں زاروقطار روئے، جب افاقہ ہوا اور طبیعت بحال ہوئی [۲] تو فرمایا:

''اليومَ انْتَزَعَتْ خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَصَارَتْ مُلْكًا وَجَبْرِيَّةً، مَنْ أَخَذَ شَيْئاً غَلَبَ عَلَيْهِ''۔ [۳]

---

[۱] یہ ثمامہ بن عدی قرشی ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے صنعاء شام کے امیر تھے، امام طبری فرماتے ہیں: آپ مہاجرین میں سے تھے معرکۂ بدر میں جام شہادت نوش کیا (تجرید أسماء الصحابۃ، از ذہبی ۱/۷۰)۔

[۲] استفاقۃ: أفاق سے ہے (یعنی افاقہ پانا، ٹھیک ہونا)، اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی اس چیز کی طرف لوٹ آئے جس سے مشغول ہوگیا تھا اور اپنی اصل حالت کی طرف پلٹ آئے، اسی سے مریض، مجنون، بے ہوش اور سونے والے کا افاقہ ہے (النهاية فی غريب الحديث والأثر: ۳/۴۸۱)۔

[۳] اسے ابن سعد نے الطبقات (۳/۸۰) میں، امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۲/۱۷۶) میں اور ابن مندہ نے روایت کیا ہے جیسا کہ الاصابۃ (۱/۲۰۴) میں ہے۔ سب نے بطریق ابوقلابہ عن الأشعث عن ثمامہ روایت کیا ہے، یہ سند صحیح متصل ہے، اسے حافظ ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے۔

ومصنف عبد الرزاق (۱۱/۴۴۷)، والطبقات، از ابن سعد (۳/۸۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۹۱)، وأسد الغابۃ، از ابن الأثیر (۱/۲۹۶)، سب نے بطریق ایوب عن ابوقلابہ عن ثمامہ، یہ سند منقطع ہے لیکن پہلی روایت سے اسے قوت پہنچتی ہے۔

آج امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت کی خلافت چھن گئی اور اس کی جگہ بادشاہت اور جابرانہ نظام نے لے لی، جو کوئی چیز لینا چاہتا ہو اُس پر غالب ہو جائے۔

چنانچہ ثمامہ رضی اللہ عنہ نے نہایت گہرے معنیٰ کی تعبیر فرمائی جو نظام خلافت کی فہم سے ہم آہنگ ہے، کہ نظام خلافت شورائی ہوتا ہے اور اُسے طاقت وقوت کے ساتھ ڈھانا نظام حکومت کو جابرانہ ملوکیت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

انہیں اس تبدیلی کی سنگینی کا احساس نہایت گہرا اور اس کا درد بڑا سخت تھا؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مخلوق میں اللہ کی جاری کردہ اجتماعی سنتوں کا عمدہ شعور تھا۔

اور بالفعل ثمامہ رضی اللہ عنہ کی بات واقع ہوئی مگر عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد نہیں، بلکہ ان کے بعد علی پھر معاویہ رضی اللہ عنہما منصب خلافت پر فائز ہوئے اور ان دونوں صاحبان کی خلافت جابرانہ نہ تھی، بلکہ ان کے بعد یہ صورتحال پیش آئی۔

اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سبب بڑے مفاسد رونما ہوئے چنانچہ اسلامی قلعوں کی چولیں ہل گئیں اور دشمنان اسلام کے لئے اسلام کو ہدف بنانا آسان ہو گیا، اس بارے میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ [1] فرماتے ہیں:

"یقیناً اسلام ایک محفوظ قلعے میں تھا، مگر بلوائیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اسلام میں ایک شگاف [2] پیدا کر دی ہے نیز اسلام میں ایک سوراخ [3] کر دیا ہے، اور یقیناً

---

(۱) یہ سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری انصار کے حلیف، مشہور صحابی ہیں، ان کی کئی حدیثیں ہیں، سنہ ۵۸ھ میں بصرہ میں وفات پائے، (تقریب التہذیب: ۲۶۳۰)۔

(۲) ثلموا ثلمۃ: ثلمۃ توڑی ہوئی یا ڈھائی ہوئی چیز کے شگاف کو کہتے ہیں، القاموس المحیط، از فیروز آبادی (۴/ ۸۷)۔

(۳) شرطوا: الشرط آلہ سینگی کے ذریعہ خون نکالنے کو کہتے ہیں۔ لسان العرب، از ابن منظور (۷/ ۳۳۲)۔

اب یہ قیامت تک اس کی تلافی نہیں کر سکیں گے‘‘۔ (۱)

اور سچ مچ اسلام باہمی الفت ومحبت کے قلعہ میں تھا اللہ عزوجل پر ایمان اس کے ماننے والوں کو باہم اکٹھا کرتا تھا۔ مگر جب اسلام کی آڑ میں اس کے دشمنوں نے اس میں گھس پیٹھ کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ کرنا تھا کر ڈالا تو وہ قلعہ ڈھہ گیا اور ان کے درمیان قتال وخونریزی واقع ہوئی۔ (۲)

شاید سمرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رونما ہونے والے فتنوں کے بعد کا ہے کیونکہ سمرہ کی وفات سنہ ۵۸ھ میں ہوئی ہے۔

اور حذیفہ رضی اللہ عنہ (۳) عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملنے کے بعد لوگوں کے اسلام پر کاربند رہنے اور اس کے معانی سمجھنے پر اُس کے اثرات کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

’’آج لوگ اسلام کے گوشہ میں (۴) جا گرے ہیں، چنانچہ اس سے کئی منزل دور کوچ

---

(۱) تاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۹۳) بسند حسن۔

(۲) البتہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتدین کی جو جنگیں پیش آئی تھیں وہ مسلمانوں کے مابین رونما نہیں ہوئی تھیں، بلکہ مسلمانوں اور اسلام سے مرتد ہونے والوں کے درمیان رونما ہوئی تھیں، چنانچہ ان میں کچھ لوگ حال کفر میں مر گئے تھے جبکہ کچھ اسلام کی طرف پلٹ آئے تھے۔

(۳) حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ انصار کے حلیف، سابقین اولین میں سے جلیل القدر صحابی ہیں، صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جو کچھ ہو چکا اور تا قیامت جو کچھ ہوگا اس سے آگاہ کیا تھا، ان کے والد بھی صحابی ہیں، جنگ احد میں شہید ہوئے، جبکہ حذیفہ علی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کے آغاز سنہ ۳۶ھ میں وفات پائے، (تقریب التھذیب: ۱۱۵۶)، اور ’’ما کان وما یکون...‘‘ سے آگاہ کرنے سے مراد فتنوں سے متعلقہ امور ہیں، کیونکہ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

(۴) حافۃ الشیء: کسی چیز کے گوشے اور کنارے کو کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط، از فیروز آبادی، ۳/ ۱۳۵، ولسان العرب، از ابن منظور، (۹/ ۵۹)، اور ابن منظور ومجد الدین ابن الاثیر نے ذکر کیا ہے کہ: حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ==

کر چکے ہیں''۔ ①②

اور اس میں شک نہیں کہ یہ چیز عملاً واقع ہوئی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور اور ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوار میں معاشرہ اسلام اور اس کے فہم وتقاضوں پر بڑی مضبوطی سے کاربند تھا۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ رفتہ رفتہ کمزوری اور پستی کی طرف گئے ہیں، اس کی تعبیر انہوں نے اسلام سے کئی مراحل کوچ کر جانے سے کی ہے، یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس کے کنارے تک پہنچ گئے۔

اس سلسلہ میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوال کی بہت زیادہ اہمیت ہے کیونکہ انہیں فتنوں کے بارے میں گہرا علم تھا اس لئے کہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں گزشتہ اور تاقیامت آنے والے فتنوں کے بارے میں بتلایا تھا۔ ③

اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان کے نتیجے میں اسلام کو لاحق صورتحال کے اسی وصف پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صراحت فرمائی کہ ان کی شہادت فتنہ ہے اور یہ پہلا فتنہ ہے ④، اور یقیناً یہ ایک ایسا فتنہ تھا جس کے بعد مسلسل فتنے رونما ہوئے، اسی طرح انہوں نے یقین

== جب عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے: اور ان دونوں نے ذکر فرمایا، میں نہیں جان سکا کہ اس بارے میں ان دونوں نے کس بات پر اعتماد کیا ہے، لہٰذا شاید یہ وہم ہو، واللہ أعلم۔ (دیکھئے: النھایۃ فی غریب الحدیث والآثر ۱/ ۴۶۲)۔

① المرحلۃ: اس منزل کو کہتے ہیں جہاں قیام کرنے کے بعد کوچ کیا جاتا ہے، (لسان العرب، از ابن منظور: ۱۱/ ۲۸۰)۔

② مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۶) صحیح سند سے جس کے راویان امام مسلم کے راویان ہیں۔

③ صحیح مسلم (۲۲۱۶-۲۲۱۷)۔

④ المعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان الفسوی (۲، ۷۷۰)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۵۹)، اس کی سند حسن ہے۔

کے ساتھ فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا ٹھکانہ آخرت میں جہنم کی آگ ہے۔

اور عبداللہ بن سلام [1] قاتلان عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ فتنہ میں حجامہ کی سینگی کی نوک کے بقدر بھی خون بہائیں گے تو اللہ سے ان کی دوری میں اضافہ ہی ہوگا، چنانچہ انہوں نے قاتلان سے کہا تھا:

''اللہ کی قسم! تم حجامہ کی سینگی کی نوک کے برابر بھی خون بہاؤ گے تو اس کے سبب اللہ سے تمہاری دوری میں اضافہ ہوگا''۔ [2]

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اس قول کے ذریعہ اس بات کی موافقت کر رہے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت امت مسلمہ کی کمزوری و پسپائی اور دین کے معانی اور تقاضوں کی تطبیق میں نقص کا سبب ہے، یہی نہیں بلکہ وہ قاعدہ کلیہ بتا رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ: وہ جتنا ہی خون بہائیں گے اتنا ہی اللہ سے دور ہوں گے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے یہودیوں کے بڑے علماء [3] اور پیشواؤں [4] میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِۦ﴾ [الأحقاف:١٠]۔ [5]

---

① یہ عبداللہ بن سلام اسرائیلی (رضی اللہ عنہ)، ابو یوسف، بنوخزرج کے حلیف ہیں، بتایا جاتا ہے کہ: ان کا نام حصین تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا، مشہور صحابی ہیں، ان کی کئی حدیثیں اور فضائل ہیں، سنہ ۴۳ھ میں مدینہ میں وفات پائے، (تقریب التہذیب، از حافظ ابن حجر: ۳۳۷۹)۔

② الطبقات، از ابن سعد (۳/ ۸۱)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴۹۰)، اس کی سند صحیح ہے۔

③ سیر أعلام النبلاء، از امام ذہبی (۲/ ۴۱۴)۔

④ سیر أعلام النبلاء، از امام ذہبی (۲/ ۴۱۶)۔

⑤ صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/ ۱۲۸)، وصحیح مسلم (۴/ ۱۹۳۰-۱۹۳۱)۔

اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی کی گواہی بھی دے چکا ہو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ان کے بارے میں شہادت دی ہے کہ ان کی موت اس حال میں ہوگی کہ وہ ٹھوس دستے ''یعنی کلمۂ اخلاص و توحید'' کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں گے۔ ①

اس لئے ان کے اقوال و مواقف کی بڑی اہمیت ہے جو اُن کے لئے ان دونوں گواہیوں سے ظاہر ہو رہی ہے، کیونکہ وہ اپنی گہری بصیرت اور اسلامی اصول اور پیمانوں پر فتنہ کے حالات میں بھی قائم تھے جس فتنہ کی آندھی بہتوں کو اڑا لے گئی تھی، اور یہیں سے بعض علماء نے تفسیر کی ہے کہ اللہ کے فرمان:

﴿ وَمَنْ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلْكِتَٰبِ ﴿٤٣﴾ ﴾ [الرعد:۴۳]۔

اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔یعنی تورات کا۔

سے وہی مراد ہیں۔

چنانچہ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں''۔ ①

اور چونکہ ان کی یہ باتیں غیبی امور سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے اس سے مزید یقین ہو جاتا ہے کہ اُن کے پاس اس کا کوئی معتبر مصدر ضرور تھا ورنہ وہ یہ باتیں یونہی بیان نہ کرتے۔اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ وَمَنْ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلْكِتَٰبِ ﴿٤٣﴾ ﴾ [الرعد:۴۳]۔

---

① صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/۱۲۹، ۱۲/۴۰۱)، وصحیح مسلم (۴/۱۹۳۱)۔

② سیر أعلام النبلاء، از امام ذہبی (۲/۴۱۸)، وتفسیر القرآن العظیم، از حافظ ابن کثیر (۲/۵۲۱)، اور ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔نیز دیکھئے: فتح القدیر، از امام شوکانی (۳/۹۱-۹۲)۔

اور (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا) وہ بھی گواہ ہے جس کے پاس کتاب (یعنی تورات) کا علم ہے۔

نیز اس بارے میں ان سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک روز وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُنہیں قتل کرنے سے منع کیا اور انہیں بتلایا کہ ان کے آخری وقت میں تھوڑی ہی مدت باقی رہ گئی ہے، نیز ان سے فرمایا:

''اس شخص (عثمان رضی اللہ عنہ) کو چالیس دن چھوڑ دو، اللہ کی قسم! اگر تم انہیں چھوڑ دو گے تو اتنے دنوں میں ضرور اُن کی وفات ہو جائے گی، مگر وہ نہ مانے، پھر اس کے کچھ دنوں کے بعد دوبارہ اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: انہیں پندرہ دن چھوڑ دو، اللہ کی قسم! اگر تم انہیں چھوڑ دو گے تو اتنے دنوں میں ضرور اُن کی وفات ہو جائے گی''۔ [1]

اور ان کے سامنے قسم کھا کر فرمایا کہ: اگر وہ انہیں قتل کر دیں گے تو کبھی باجماعت نماز نہیں پڑھ سکیں گے۔ [2]

اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی بات عملاً وقوع پذیر ہوئی بایں طور کہ لوگوں کے دلوں میں دراڑیں پڑ گئیں، حتیٰ کہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! اگر چہ تمام لوگ باجماعت نماز پڑھیں مگر یقینا! ان کے دل مختلف ہیں''۔ [3]

---

[1] مصنف عبدالرزاق (۱۱/ ۴۴۴)، والمعرفۃ والتاریخ، از یعقوب بن سفیان فسوی (۱/ ۴۱۸)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۳-۳۵۴)، علامہ بوصیری نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے، والمطالب العالیۃ، از حافظ ابن حجر (۴/ ۲۸۶-۲۸۷)، اس میں زہری کا عنعنہ ہے جبکہ وہ تیسرے مرتبہ کے مدلس ہیں۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۲۰۴، ۲۰۷)، بسند صحیح۔

[3] تاریخ خلیفہ بن خیاط (۱۷۱)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۱)، ایسی سند سے جو حسن بصری تک حسن ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوئی کھلی بدعت پیدا نہیں ہوئی، مگر جب اُنہیں شہید کر دیا گیا اور لوگ فرقوں میں بٹ گئے تو دو بدعتیں پیدا ہوئیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھیں (خوارج اور روافض کی بدعتیں)...''۔ [1]

اسی طرح عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرشتے چلے جائیں گے یعنی وہ فرشتے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ آمد سے مدینہ کو گھیر رکھا تھا، نیز یہ بھی بتلایا کہ یہ فرشتے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائیں گے پھر کبھی واپس نہ آئیں گے [2] روایت میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ اُن کے قول میں کون سے فرشتے مراد ہیں، آیا وہ کچھ مخصوص فرشتے ہیں یا کیا مراد ہے؟ کیونکہ جو فرشتے نیکیاں لکھنے والے اسی طرح بدیاں لکھنے والے ہیں وہ ہرگز نہیں جائیں گے، سوائے صاحب جسم کی روح قبض ہو جانے کی صورت میں۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے کہ فرشتے آخری زمانے میں مدینہ کو گھیر لیں گے جب دجال مدینہ میں گھسنے کی کوشش کرے گا، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''عَلَى أَنْقَابِ المَدِينَةِ مَلاَئِكَةٌ لاَ يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ، وَلاَ الدَّجَّالُ''۔ [3]

---

(۱) منهاج السنة النبوية، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶/۲۳۱)۔

(۲) مصنف عبدالرزاق (۱۱/۴۴۵)، والمحن، از ابوعرب (۶۸)، وتاریخ دمشق، از ابن عساکر سیرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵۴-۳۵۶)، علامہ بوصیری نے اسے حسن قرار دیا ہے، (المطالب العالیة، ۴/۲۸۷)، اس کی سند صحیح ہے۔

(۳) صحیح بخاری، حدیث (۱۸۸۰، ۷۱۳۳)، وصحیح مسلم (۱۳۷۹)۔

مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکیں گے۔

اسی طرح ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

”لاَ يَدْخُلُ المَدِينَةَ رُعْبُ المَسِيحِ، لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ“۔ [1]

مدینہ میں کانا دجال کا رعب داخل نہ ہوگا، اس دن مدینہ میں سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے پر دو فرشتے مقرر ہوں گے۔

اور جب اثر اور حدیث میں تعارض ہو جائے تو حدیث کو اثر پر مقدم کیا جائے گا۔

نیز عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے انہیں اس بات سے بھی ڈرایا تھا کہ اُن پر اللہ کی تلوار بے نیام ہو جائے گی پھر کبھی بھی یا تاقیامت میان میں نہیں جائے گی حالانکہ اب تک ان سے تلوار میان میں تھی، نیز بتلایا کہ جب کبھی کسی نبی کو قتل کیا گیا تو اس کے بدلے ستر ہزار لوگوں کا قتل کیا گیا، اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا گیا تو اس کے بدلے لوگوں کے اکٹھا ہونے سے پہلے پینتیس ہزار لوگوں کا قتل کیا گیا اور انہیں بتلایا کہ یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے خون کے بدلے ستر ہزار لوگوں کو قتل کیا گیا تھا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی یہ تفصیل ہمیں یقینی طور پر بتلاتی ہے کہ یہ باتیں وہ محض اندازے اور فراست کی بنیاد پر نہیں کہہ رہے تھے بلکہ پختہ اور یقینی علم کی بنیاد پر کہہ رہے تھے۔

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث (۱۸۷۹، ۷۱۲۵، ۷۱۲۶)۔

ثانیاً: فتنہ کی بابت بعض معاصرین کی تحریروں پر نقد:

بعد از یں کہ اللہ تعالی نے مجھے فتنۂ قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلقہ روایات کی اسانید ومتون کی جمع وتحقیق اور اُسے تاریخی پیرائے میں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو میرے سامنے کچھ ایسی حقیقتیں آشکارا ہوئیں لوگوں میں جن کے بالکل برعکس چیزیں مشہور ہیں اور بہت ساری کتابوں کے صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں جن میں فتنہ قتل عثمان کا موضوع زیر بحث آیا ہے اور وہ معاصرین کی تحریریں ہیں۔

لہذا میں نے سوچا کہ اس فصل میں بعض ان غلطیوں کو بے نقاب کروں جس میں اس دور کے بعض مصنفین واقع ہوئے ہیں اور اس مقصد کے لئے میں ایک مصنف کی کتاب کا انتخاب کیا ہے جو شہرت کے اعتبار سے نمایاں ترین لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور لوگ ان کے افکار ونظریات سے بہت زیادہ متاثر بھی ہیں، یہ عباس محمود عقاد (وفات: ۱۹۶۴ء) ہیں۔

چنانچہ عقاد صاحب نے ''ذوالنورین عثمان بن عفان'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اور یہ کتاب موجودہ دور کے بعض ثقافت یافتہ لوگوں اور دنیا کے بڑے تعلیمی اداروں میں اسلامی تاریخ کے مدرسین کے درمیان بہت زیادہ عام ہے، کیونکہ اس کے مولف عالمی شہرت یافتہ ہیں۔

اور ان مدرسین وغیرہ کے ذریعے کتاب میں بکھرے ہوئے مولف کے افکار ونظریات عالم اسلام کے افراد کے درمیان پھیل گئے ہیں، کیونکہ دنیا کی بڑی تعلیمی درسگاہوں میں اسلامی تاریخ کے بہت سارے اساتذہ ومدرسین کے یہاں یہ کتاب بنیادی مرجع ہے۔

چونکہ اس کتاب نے ہمارے معاشرہ میں فتنۂ قتل عثمان کی صورتحال کی عکاسی میں بڑا

ٹھوس اور موثر کردار ادا کیا ہے، اس لئے اس بات کی سزاوار ہے کہ نقد و اصلاح کے اعتبار سے اس کا اہتمام کیا جائے، کیونکہ یہ چیز ہمارے موجودہ دور کے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں اس تاریخی واقعہ کے ایک بڑے حصہ کی صورتحال کی اصلاح و تصحیح کے مترادف ہے۔

حق یہ ہے کہ مولف کتاب بعض مسائل میں درستی سے ہمکنار ہوئے ہیں جن میں اس فتنہ کے بارے میں لکھنے والے بہت سارے لوگ دھوکہ کھا گئے ہیں، چنانچہ ہم اُنہیں دیکھتے ہیں کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے متعلق بیشتر مسائل میں بڑی حد تک اعتدال سے کام لیتے ہیں، حالانکہ کچھ ایسے ملاحظات موجود ہیں جن میں وہ حد اعتدال سے نکل گئے ہیں جن کا ذکر عنقریب آئے گا۔

فتنۂ قتل عثمان کی تفسیر میں درستگی سے ہمکنار ہوتے ہوتے رہ گئے، اسی طرح فتنہ سے متعلق بعض غلط تشریحات پر اشارتاً رد بھی کیا۔

اسی طرح قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ایسے اوصاف سے متصف کیا جو ان کی قباحت کے لائق ہے، ساتھ ہی ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس گھناؤنے عمل سے بری ٹھہرایا، اسی طرح اُنہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسانے سے بھی بری رکھا ہے، البتہ کبھی کبھار ان چیزوں میں جا واقع ہوئے ہیں جو ان چیزوں کے منافی و متناقض ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

نیز مولف نے عثمان رضی اللہ عنہ پر چسپاں کردہ تہمتوں پر ضعیف رد کیا ہے، پھر پھسل گئے ہیں اور ان ردود میں سے بعض کو توڑ دیا ہے جیسا کہ ان کا بیان آئے گا۔

اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو کمزوری سے متصف کرنے والوں پر طویل رد کیا ہے، اور خلیفۂ راشد عثمان رضی اللہ عنہ سے اس تہمت کو ٹالنے کے لئے فتنہ کے حوادث و واقعات سے مواقع کو غنیمت سمجھتے رہے ہیں، یہ اس کتاب میں موجود اس کے مثبت اور

ایجابی پہلو ہیں۔

میں نے کتاب کے بارے میں چند باتیں ملاحظہ کی ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق ان کے منہج تالیف ہے اور کچھ کا تعلق بعض تاریخی حقائق سے، جبکہ میں نے ان چیزوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن کا فتنہ سے کوئی تعلق نہیں ہے سوائے ایک مسئلہ کے جسے میں نے ذکر کیا ہے کیونکہ وہ مسئلہ اس کتاب کی تالیف کے دوران مولف کی روح تصور کرنے میں مددگار ہوگی۔

منہج تالیف سے متعلقہ باتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ مولف نے ذکر کردہ معلومات کے مراجع کا حوالہ نہیں دیا ہے، کتاب تاریخی معلومات کی توثیق کرنے والے حواشی سے خالی ہے چنانچہ پوری کتاب میں صرف تیرہ حواشی ہیں جن میں سے بارہ حواشی متن میں نص کی وضاحت کے لئے ہیں اور ایک حاشیہ میں مولف نے طبری اور ابن الاثیر کا حوالہ دے کر ایک شعر کی تخریج کی ہے اس سے ان دونوں کتابوں کی عبارت اور متن میں مولف کی ذکر کردہ عبادت میں اختلاف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مولف نے اس مصدر کا بھی ذکر نہیں کیا ہے جس پر انہوں نے اعتماد کیا ہے اور یونہی طبری اور ابن الاثیر کی عبارت کی مخالفت کی ہے۔ [1]

تاریخی حقائق اور معلومات کے مصادر کا حوالہ دینے سے بے اعتنائی برتنا ایک ایسی بیماری ہے جو زیادہ تر معاصر مولفین میں پھیلی ہوئی ہے جبکہ یہ ایک واضح غلطی ہے، کیونکہ انہوں نے تاریخی واقعات کا مشاہدہ بذات خود نہیں کیا ہے کہ اسے قارئین کے سامنے یونہی بیان کریں، نہ ہی اس تاریخی تصویرکشی میں جن مصادر پر اعتماد کیا ہے ان کو ہی واضح کیا ہے، یہ چیز ان کی تحریروں کی بابت پڑھنے والے کا اعتماد کمزور کرتی ہے، ساتھ ہی ایسا کرنا جھوٹ

---

① ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (ص:۱۲۱)۔

گھڑ کے یا خود ساختہ معلومات وضع کر کے اسلامی تاریخ میں چسپاں کرنے کے خواہشمندوں کو ایسا کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

۲۔ روایت کی صحت کی تحقیق نہیں کی ہے۔

۳۔ کئی ایسی روایات پر اعتماد کیا ہے جن کا صحت وضعف واضح نہیں کیا ہے اور ہم ان کا منہج نہیں جانتے ہیں جس کی بنیاد پر انہوں نے دیگر روایات کے بجائے انہی روایات کو اختیار کیا ہے۔

۴۔ بعض ضعیف روایات کے تجزیہ میں توسع سے کام لیتے ہیں اور انہی کی بنیاد پر تاریخ کی صورت متعین کرتے ہیں، جبکہ دوسری روایات کو خاطر میں نہیں لاتے جو اُن سے زیادہ، صحیح تر اور زیادہ معتبر ہیں۔

۵۔ مولف نے اپنی کتاب کے مصادر کی فہرست ذکر نہیں کی ہے جس سے ہمیں معلوم ہو سکے کہ بعض روایات کو چھوڑ کر بعض روایات پر اعتماد کرنے کا سبب کیا ہے، اور پڑھنے والے کو کتاب میں کمزوری کی مقامات کا علم ہو سکے تا کہ وہ اُسے دوسرے مصادر سے مکمل کرے جن پر مولف نے اعتماد نہیں کیا ہے، نیز اُس کے ان مراجع سے استفادہ کی مقدار اور اس کے اس منہج کا پتہ چل سکے جسے اُس نے روایات کا انتخاب کرنے میں اپنایا ہے۔

۶۔ یقیناً کتاب کی روح اور اس کی ڈھلائی میں اسلامی شریعت کی چھاپ سے ایک گنا دوری پائی جاتی ہے، چنانچہ کتاب میں یہ چیز قابل ملاحظہ ہے کہ اس کا آغاز بسم اللہ اور الحمد للہ سے نہیں کیا گیا ہے، اور مجھے عقاد کی جتنی کتابوں کا علم ہو سکا ہے ان تمام میں یہ عقاد کی خاص علامت ہے جس سے وہ متصف ہیں (1) اور اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ واضح طور پر دلالت

---

(1) ان کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں: ''ذوالنورین عثمان بن عفان'' ایڈیشن دارالعروبۃ، وشاعر الغزل ''عمر بن ابو ربیعہ'' ==

کرتا ہے کہ صاحب کتاب کس حد تک دیندار ہیں، اور اسلامی عادات اور طور طریقوں کے کتنے پابند ہیں، شاید اس کا سبب افرنگیوں کی اندھی تقلید ہے جن کے وہ شاگرد رہے ہیں۔

رہیں علمی غلطیاں جن کی مجھے اس کتاب میں واقفیت ہوسکی تو وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مولف نے جھوٹے خط کے مسئلہ میں تحقیق سے کام نہیں لیا ہے، بلکہ بعض تصدیق وتکذیب کی محتمل عبارتیں استعمال کی ہیں، جیسے فرماتے ہیں:

''پھر تحریر اپنے وقت مقررکو پہنچ گئی، اس خط کا واقعہ جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اُنہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک لڑکے کے پاس سے ملا تھا...''۔ [۱]

جبکہ حق یہ ہے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ پر گھڑا ہوا ایک جھوٹا خط تھا، نہ آپ نے اُسے لکھا تھا، نہ اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا، نہ آپ کو اس کا کوئی علم تھا، جیسا کہ ان باتوں کی وضاحت گزر چکی ہے۔

۲۔ مولف نے ذکر کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جھوٹا خط عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے عبدالرحمن بن عدیس، عمرو بن الحمق اور عروہ البیاع [۲] کو کوڑے مارنے، انہیں قید کرنے، ان کے سر اور داڑھی کو مونڈنے اور ان میں سے بعض لوگوں کو سولی دینے کا حکم تھا۔ [۳]

== و''جمیل بثینۃ''، و''شعراء مصر''، وروایۃ قمبیز فی المیزان''، و''تذکار جبیتی''، و''عرائس الشیطان''، ان ساتوں کتابوں کو دار الکتاب العربی نے ایک جلد میں شائع کیا ہے، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء، و''عبقریۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' ایڈیشن دار الکتاب العربی، آپ کو ان میں سے کسی بھی کتاب کے آغاز میں بسم اللہ یا الحمد للہ نہیں ملے گا۔

① ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (ص: ۱۴۷)۔

② اس میں ایسے ہی آیا ہے، جبکہ صحیح ''النباع'' ہے۔

③ ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (ص: ۱۴۷)۔

شاید انہوں نے اس بارے میں واقدی کی روایت پر اعتماد کیا ہے جسے امام طبری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے، جبکہ واقدی متروک ہے لہٰذا اس کی سند بے انتہا ضعیف ہے۔

نیز واقدی کی یہ روایت اس روایت کے خلاف ہے جو بعض نقطوں میں اس روایت سے قوی تر اور درست ہے، کیونکہ اُس روایت میں ہے کہ:

''انہیں سولی دیدیں، یا قتل کر دیں، یا ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں''۔ [1]

چنانچہ صحیح روایت میں ان اشخاص کی تعیین نہیں ہے جنہیں سزا دینا مقصود ہے، نہ ہی اس میں کوڑے مارنے، قید کرنے اور سر اور داڑھی مونڈنے کا ہی ذکر ہے۔

بظاہر لگتا ہے کہ یہی بات صحیح ہے، کیونکہ اس میں جھوٹے خط گھڑنے والے کی جھوٹ گھڑنے میں مہارت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ان بکواس باتوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں کر رہا ہے، بلکہ اس نے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ روئے زمین میں فساد برپا کرنے والوں میں سے ہیں، اور روئے زمین میں فساد مچانے والوں کی سزا کے مستحق ہیں، جو قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں آیا ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسۡعَوۡنَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ أَوۡ يُصَلَّبُوٓاْ أَوۡ تُقَطَّعَ أَيۡدِيهِمۡ وَأَرۡجُلُهُم مِّنۡ خِلَٰفٍ أَوۡ يُنفَوۡاْ مِنَ ٱلۡأَرۡضِۚ ذَٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡيٞ فِي ٱلدُّنۡيَاۖ وَلَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٣٣﴾ [المائدة: ٣٣]۔

---

[1] اصل کتاب میں حدیثی تحقیقات کے ضمن میں ضمیمہ روایت نمبر (٦٤) ملاحظہ فرمائیں، اس کی سند حسن ہے۔ مولف نے اسے ذکر کیا ہے اور اس پر لمبی گفتگو کی ہے۔

جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت وخواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔

چنانچہ اس جھوٹے خط لکھنے والے کو اس بات کی امید تھی کہ اُس کے اس جھوٹ کی تصدیق کرلی جائے گی عثمان رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی بنیاد پر اس جھوٹ کے مطابق فیصلہ کردیں گے، جبکہ اگر وہ اُس صورت میں ہوتا تو بڑی بعید بات تھی کہ عقلمندوں میں سے کوئی شخص عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت کی تصدیق کرتا جو جانتے تھے کہ اسلام میں تعزیری حدود اللہ عزوجل کے منع کردہ امور سے تجاوز نہیں کرتے، لہٰذا امام المسلمین کے لئے کسی کو داڑھی مونڈنے کی سزا دینا جائز نہیں، کیونکہ داڑھی مونڈنا اللہ کی نافرمانی ہے جس کی حرمت پر متواتر دلائل دلالت کناں ہیں۔

خاتمہ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس کی حمد سے نیک کام انجام پاتے ہیں، اور درود وسلام ہو ہمارے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر اور خوب خوب سلام ہو۔

اللہ کی حمد اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے بعد: اس بحث میں میرے سامنے جو اہم نتائج ظاہر ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے فتنہ وقوع پذیر ہونے کی پیشین گوئی فرمائی ہے جس میں عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے جائیں گے، نیز لوگوں کو دعوت دی ہے کہ اس فتنہ کی آگ بھڑکنے کے وقت اُن کے ساتھ رہیں، آپ نے اس فتنہ کے وقوع کا وقت بھی متعین فرمایا تھا اور بتلایا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی حق اور راہِ راست پر ہوں گے۔

② آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتنہ کی سنگینی کی طرف اشارہ کیا ہے حتیٰ کہ اُسے اپنی موت اور دجال کے فتنہ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، نیز یہ کہ جو اس فتنے سے نجات پالے گا وہ حقیقت میں نجات پالے گا، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ اس فتنہ میں عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے جائیں گے درانحالیکہ وہ شہادت پر صبر کرتے ہوئے حق پر ڈٹے رہیں اور حق دینے والے ہوں گے اور اپنی اس شہادت کے بعد خلد بریں کے مکین ہو جائیں گے۔

③ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اس فتنہ کے وقوع کی خبر دی ہے نیز یہ بتلایا ہے کہ اُن سے منصب خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کیا جائے گا، اور اُنہیں حکم دیا کہ ایسا نہ کریں۔

④ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتنہ کی سنگینی بیان کی ہے اور بتلایا ہے کہ جو اس سے نجات پالے گا وہ حقیقت میں نجات پالے گا، یہ اسے بھی شامل ہوگا جو اس زمانے میں موجود رہے گا اور اُسے بھی

شامل ہوگا جو اس زمانے میں نہیں رہے گا، اور جو اس زمانے میں نہ رہے گا اس کی نجات اس طرح ہوگی کہ اس میں باطل طریقے سے مداخلت نہ کرے۔

⑤ تاریخی مصادر میں نقل کردہ عیوب ونقائص جو عثمان رضی اللہ عنہ پر چسپاں کئے گئے ہیں: ان میں کچھ ایسے ہیں جن کا صدور باغیان سے درست ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا صدور درست نہیں ہے، جبکہ کچھ ایسے ہیں جو مشہور ہیں مگر مجھے ان کی کوئی سند نہیں مل سکی۔

اور یہ تینوں قسموں کے عیوب درحقیقت یا تو عثمان رضی اللہ عنہ کی خوبیاں ہیں، یا اُن پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے، اور یا تو ان کا اجتہاد ہے جس پر وہ اجر کے مستحق ہیں۔ بھلا آپ اُن کے جنگ اُحد سے غیر حاضر رہنے کے بارے میں کیا کہیں گے؟!

⑥ ابن سبا کی شخصیت حقیقی ہے اس کے وجود پر صحیح روایتیں دلالت کرتی ہیں، انہیں صرف سیف بن عمر کی روایتیں ثابت نہیں کرتی ہیں بلکہ سیف کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی صحیح اور ضعیف سندوں سے روایت کیا ہے۔

⑦ فتنہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے موقف کی بابت گفتگو کرنے کے وقت احتیاط ضروری ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس فتنہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کچھ مواقف اختیار کرنے کی رہنمائی فرمائی تھی جن میں سے ہم تک بہت معمولی چیزیں پہنچی ہیں۔

⑧ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سلف کا عقیدہ یہ ہے کہ: ان کے مابین ہونے والے اختلافات میں نہ پڑا جائے، سوائے کسی بدعتی کے نمودار ہونے پر جو ناحق عیب جوئی کرے، کہ اس وقت حق وانصاف کے ساتھ ان کا دفاع کرنا واجب ہے۔

⑨ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی سے اسی وقت راضی ہوتا ہے جب جانتا ہے کہ اُسے اپنی مرضیات پر کاربند پائے گا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو چکا ہے اس لئے یقینی طور پر اُن کا خاتمہ خیر پر ہوگا اور عملاً ایسا ہی ہوا۔

⑩ عثمان رضی اللہ عنہ نے شہر والوں کی آمد سے لے کر گھر کا دروازہ کھولنے، قاتل کے اندر آنے اور آپ کو قتل کرنے تک حسب استطاعت فتنہ کی آگ بجھانے کی کوشش کی۔

⑪ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی استطاعت بھر دوران محاصرہ عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے صحابہ کو اس سے منع کیا بلکہ سختی سے روکا اور اُن کے اور اُن کے دفاع کی چاہت کے درمیان حائل ہو گئے، اور چونکہ وہ اُن کے امیر تھے اور اُن پر اُن کی اطاعت واجب تھی اس لئے انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور دفاع کی اجازت سے ناامید ہونے کے بعد آپ کے باغیان سے قتال نہیں کیا۔

⑫ عثمان رضی اللہ عنہ کے باغیان سے قتال نہ کرنے کے اسباب میں سے چند یہ ہیں:

الف: آپ جانتے تھے کہ یہ فتنہ اُن کی شہادت سے ہی ختم ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اس کی خبر دی تھی۔

ب: آپ نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سب سے پہلے خونریزی کی شروعات کرنے والے ہوں۔

ج: آپ جانتے تھے کہ باغیان کا مقصود صرف آپ ہیں، لہٰذا آپ نے مومنوں کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرنا پسند نہ کیا بلکہ اپنے ذریعہ انہیں بچانا پسند کیا۔

د: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کیا جنہوں نے قتال سے گریز کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

⑬ دوران محاصرہ کوئی سخت لڑائی رونما نہ ہوئی بلکہ ہلکی جھڑپ ہوئی جس کے نتیجے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما زخمی ہوئے اور اُنہیں گھر سے زخمی حالت میں اٹھا کر لے جایا گیا۔

⑭ عثمان رضی اللہ عنہ نے- اپنی زندگی کے آخری دنوں میں سے کسی دن- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ کے ساتھ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے کہہ رہے تھے:

اے عثمان! آپ ہمارے پاس افطار کیجئے، چنانچہ صبح ہوئی تو وہ روزے کی حالت میں تھے، اور جو لوگ آپ کے ساتھ گھر میں تھے جو آپ کا دفاع کرنا چاہتے تھے آپ نے اُنہیں باہر نکال دیا، پھر مصحف اپنے سامنے رکھا، دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور قرآن کی تلاوت کرنے لگے، اتنے میں ایک سیاہ فام آدمی اندر داخل ہوا جسے۔اس کی چمڑی سیاہ ہونے کے سبب۔جبلہ کہا جاتا تھا، بعید نہیں کہ وہ عبداللہ بن سبا یہودی رہا ہو؛ چنانچہ اُس نے اُنہیں قتل کر دیا۔

⑮ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا تو دور کی بات ہے اُن کے خلاف لوگوں کو اکسانے میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شریک نہ تھا؛ اس بارے میں مروی تمام روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں۔

⑯ محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہما نہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر اکسانے میں شریک تھے نہ انہیں قتل کرنے میں، اس سلسلہ میں انہیں متہم کرنے والی تمام روایتیں باطل ہیں صحیح نہیں ہیں۔

⑰ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت جمعہ کی صبح، ایام تشریق کے درمیانی دن؛ یعنی بارہ ذی الحجہ سنہ پینتیس ہجری کو ہوئی۔

⑱ شہادت کے وقت اُن کی عمر راجح قول کے مطابق بیاسی سال تھی۔

⑲ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتیجہ میں بڑے فتنے اور آزمائشیں رونما ہوئیں جن سے امت مسلمہ آج تک جوجھ رہی ہے۔

⑳ فتنۂ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں معاصرین کی زیادہ تر تحریروں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کے مصنفین کے یہاں فتنہ کی تاریخی تصویر قائم کرنے میں صحیح روایات کا اہتمام نہیں ہے، بلکہ ان کا زیادہ تر اعتماد حد درجہ کمزور روایات پر ہے جنہیں ضعیف راویان روایت کرتے ہیں؛ نیز وہ معلومات کے مصادر کا حوالہ نہیں دیتے ہیں۔

㉑ فتنۂ قتل عثمان سے متعلق محمد بن عمر واقدی کی روایات میں بہت زیادہ رطب و یابس کی ملاوٹ ہے اور یہ روایتیں بیشتر حقائق میں صحیح روایات کے مخالف ہیں، یہ فتنہ کے بارے میں

بگڑی شبیہ پیش کرتی ہیں اور صحابہ کے بارے میں غلط مواقف نمایاں کرتی ہیں۔

(۲۲) شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیف بن عمر تمیمی کی روایتیں چند مسند روایات کا مجموعہ ہیں جن کی سندوں کو سیف حذف کر دیتا ہے پھر اُنہیں اپنے چند اساتذہ کے طریق سے روایات کرتا ہے جن کی تعداد کبھی کبھار چار اساتذہ تک پہنچتی ہے، نیز سیف کی یہ روایتیں بعض صحابہ کی عیب جوئی اور انہیں ایسے الزامات سے متہم کرنے سے خالی نہیں ہیں جن سے وہ بری ہیں، اور کبھی کبھار معتدل رہتی ہیں تو ان کے مواقف کی صحیح صورت ظاہر ہوتی ہے۔

(۲۳) امام المسلمین کے خلاف بغاوت کرنے کے نقصانات بہت زیادہ ہیں اس کے نتیجہ میں بڑے مفاسد رونما ہوتے ہیں، چنانچہ ان باغیان عثمان نے ظاہر کیا کہ وہ اصلاح کے خواہاں ہیں اور مسلمانوں کو چند مفاسد سے بچانا چاہتے ہیں جن کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ وہ مفاسد عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ظاہر ہوئے ہیں، مگر آج ہم اس سے بھی واقف ہو رہے ہیں جو انہوں نے ظاہر کیا، جو عمل کیا اور جن مقاصد کا انہوں نے دعویٰ کیا تھا، بھلا ان نام نہاد اغراض ومقاصد میں سے کتنی چیزیں پایۂ تکمیل کو پہنچیں؟ اور اُس دور میں شر و فتن کا دروازہ کھولنے سے اسلامی معاشرہ کو کیا حاصل ہوا؟ مسلمانوں کو ان کی بغاوت سے کیا نتیجہ ملا؟ نیز اس بغاوت سے ہمارے اس دور تک عمومی طور پر اسلام پر کون کون سے منفی اثرات مرتب ہوئے؟ قلوب و بصارت رکھنے والوں کو چاہئے کہ ان پہلوؤں پر غور کریں، شاید انہیں سمجھ میں آجائے۔

یقیناً یہ گنتی کے تھوڑے لوگ ہیں جو کینہ پرور، عیب جو، انتقام کی آگ میں جلنے والے ہیں، ان کی کچھ صورتیں ہر دور میں لوٹ کر آتی ہیں، لہٰذا صورت لوٹائی جائے گی، اور یہ ذاتی مقاصد، شخصی کینہ، جنونی جذباتیت کے نتیجہ میں اندھے حسد کی خاطر حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے شر و فساد سے بچائے جو ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر اسلام کو تباہ کرتے ہیں۔

اگر کسی دور میں ایسا ہو جائے کہ ولی امر کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے، جیسا کہ اُن باغیان عثمان نے دعویٰ کیا تھا تو شرعاً اس کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف بغاوت کرنے میں کئی ایسے مفاسد مرتب ہوتے ہیں جو ان نام نہاد مفاسد سے کہیں زیادہ سنگین اور بھاری ہیں۔

اللہ تعالیٰ علماء سلف پر رحم فرمائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس اُسوے کی پیروی کرتے ہوئے گام سنت پر قائم ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ''۔ [1]

سنو اور فرمانبرداری کرو، اگرچہ کوئی حبشی غلام تمہارا امیر ہو گویا اس کا سر کشمش ہو۔

نیز فرماتے ہیں:

''أَطِعِ الإِمَامَ، وَإِنْ أَخَذَ مَالَكَ وَضَرَبَ ظَهْرَكَ''۔ [2]

امام المسلمین کی فرمانبرداری کرو، اگرچہ وہ تمہارا مال لے لے اور تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے۔

اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے جو کہتے ہیں:

''اور ہم ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھنے کے قائل ہیں....''۔ [3]

چنانچہ ان ائمہ سلف کے جلیل القدر علماء نے امام کے خلاف بغاوت کرنے سے ڈرایا اور اس سے منع کیا ہے گرچہ وہ ظلم کرے، تو بھلا بعض اجتہادی مسائل میں اس کی خلاف ورزی کے سبب بغاوت کرنے کا کیا حکم ہوگا جن میں وہ درستی پر ہوں، اور ان میں اجتہاد کی گنجائش ہو، غلط اجتہاد کرنے والے کے لئے بھی ایک اجر و ثواب ہو۔

---

① صحیح بخاری، حدیث: (۶۹۳)۔
② صحیح مسلم، حدیث: (۱۸۴۷)۔
③ شرح العقیدۃ الطحاویۃ، بتحقیق الأرناؤوط (۲/۵۲۹)۔

یقیناً اسلام نے امام وقت کے خلاف بغاوت کرنے سے ڈرایا اور آگاہ کیا ہے کیونکہ اس کی بغاوت کرنے میں بڑے فتنے، مصائب، بغض و کینے اور ہلاکتیں ہیں، نیز اس میں اسلام اور مسلمانوں کو کئی سال پیچھے دھکیل دینا، اور اسلام کی راہ میں صرف کردہ بے شمار کوششوں اور قربانیوں کو اکارت کر دینا ہے۔

اسی طرح اسلاف رحمہم اللہ نے جماعت کو لازم پکڑنے، اطاعت سے ہاتھ کھینچنے سے بچنے، ولی امر سے محبت کرنے نیز جن امور میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو اُن میں اُس کی اطاعت بجالانے کا حکم دیا ہے، بلکہ اِسے صحیح عقیدہ کا خالص اور بنیادی حصہ قرار دیا ہے، نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک عظیم الشان قاعدہ میں اس بارے میں تنبیہ فرمائی ہے، جس کا عنوان ہے: ''قاعدة جليلة في وجوب طاعة الله ورسوله وولاة الأمر''، جس میں انہوں نے آیات و احادیث اور اس کی بابت سلف صالحین کے آثار کا انبار لگا دیا ہے۔ [1]

[تمت الترجمة في: ۲۴/ اکتوبر ۲۰۲۲ء، فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات]

(وکتبہ الفقیر إلی اللہ: ابوعبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی)

---

[1] یہ کتاب مجموع فتاویٰ کے ضمن میں (۳۵/ ۵-۱۷) شائع ہوئی، پھر ڈاکٹر عبد الرزاق بن عبد المحسن البدر حفظہ اللہ نے اسے مجموعہ سے نکال کر اس کی تحقیق کی اور اس پر ایک بہترین مقدمہ لکھا جس سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگیا، یہ نسخہ کئی بار شائع ہوا، پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ نے دوبارہ شائع کیا، اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جزاء خیر عطا فرمائے۔